بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

محسنِ انسانیت کی سیرتِ طیبہ پر ایک انمول کتاب

سیرۃ
محبوبِ کائنات
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا عبدالحمید صاحب دہلوی

پیشکش

کتب خانہ شانِ اسلام

۱۰۔ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور

Marfat.com

٢٩٤٦٩٩٢١
خم ٨ ٢ شبيرة
٢-٩-٨
Marfat.com

۹۱۱

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

محسنِ انسانیت کی سیرت طیبہ پر انمول کتاب

مسمّٰی بہ

سیرت محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

از خامہ

حضرت مولانا عبد الحمید صاحب دہلوی

پیشکش

کتب خانہ شانِ اسلام

۱۰۔ راحت مارکیٹ ◉ اردو بازار ◉ لاہور

Marfat.com

۲۹۷۶۹۹۲۱
۲۸۴ سیرۃ
۲۰۹۰۸

کتاب	سیرت محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
مؤلف	مولانا عبد الحمید صاحب دہلوی
مقدمہ	مولانا سید محمد متین صاحب ہاشمی
ٹائیٹل	خطاط معروف جناب سید انور حسین نفیس رقم
فہارس و عناوین	جناب منظور احمد انور
کتابت کتاب سیرت	بشیر احمد راہی مرحوم
تعداد صفحات	۵۹۲
تعداد طباعت	ایک ہزار
تاریخ طباعت	دسمبر ۱۹۷۶ء
پریس	میاں پرنٹرز مچھلی منڈی
قیمت	مجلد اعلیٰ -/۲۴ روپے غیر مجلد -/۲۱ روپے

ناشر :- محمد عبد الرشید قاسمی ناظم

کتب خانہ شانِ اسلام

۱۰ راحت مارکیٹ ◎ اردو بازار ◎ لاہور

Marfat.com

عرضِ ناشر

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ پر یہ شاہکار تحریر ۱۳۵۴ھ میں دہلی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی تھی اور جلد ہی حُسنِ قبول حاصل کر کے کمیاب ہو گئی۔ اور چونکہ ایک رسالے کے نمبر کی صورت میں شائع ہوئی تھی اور ضرورت تھی کہ یہ شاہکار تحریر اہتمام کے ساتھ کتابی صورت میں طبع ہو کر عام ہاتھوں تک پہنچ جائے۔ بنا بریں بندہ خاکسار نے دل وجان سے اس کی طباعت کا بیڑہ اُٹھایا چنانچہ اس کی کتابت پر جناب بشیر احمد راہی مرحوم کو مامور کیا جنہوں نے نہایت ہی ذوق وشوق سے اس کی کتابت فرمائی اور عنوانات کیلئے ڈیزائن تیار کئے۔ اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے: آمین! نیز اس کی طباعت کے سلسلے میں اُستاذ المکرّم جناب میاں عبدالقادر فاضلِ دیوبند کے مفید مشوروں کا بھی بہت دخل ہے! اور جناب مرغوب احمد صاحب جن کے تعاون سے یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ ان سب احباب کا تہ دل سے ممنون ہوں اور بارگاہِ ربُّ العزّت میں ان کیلئے اور اپنے لئے حضورِ پاکؐ کے صدقے سے پذیرائی چاہتا ہوں۔

◎

محمد عبدالرشید قاسمی ناظم: کتب خانہ شانِ اسلام
۱۰۔ راحت مارکیٹ ◎ اردو بازار ○ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ — از مولانا سید محمد متین ہاشمی

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

زمانہ گزرا حضرت حسّان بن ثابتؓ نے فرمایا تھا۔

مَاانْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ   لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

(ترجمہ: میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اپنے کلام کے ذریعے نہیں کرتا بلکہ میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنے کلام کا مرتبہ بلند کرتا ہوں۔

یہی کام مولانا قاسمی صاحب نے اس کتاب کی طباعت سے انجام دیا ہے۔ بھلا کس کی مجال کہ اس کی تعریف کر سکے جس کی تعریف اس کے رب اور ملائکہ کر رہے ہوں۔ اور جس کے حسن کی تفسیر تیرہ سو برس سے قرآن کریم کی آیات کر رہی ہوں۔ وہ جس کی زلفوں اور غبار قدم کی قسم اس کا خالق کھائے۔ بھلا کس انسان کی طاقت ہے کہ اس کی مدح و ثنا کا حق ادا کر سکے۔

نتیجہ یہ ہے کہ سینکڑوں برس سے قلم ہیں کہ لکھے ہی جا رہے ہیں، زبانیں ہیں کہ ثنا خوانی میں مصروف ہیں۔ لیکن بقول سعدیؒ

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

(دفتر ختم ہو گئے، عمریں بیت گئیں لیکن ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ہم آپ کی مدحت سرائی کی ابھی پہلی ہی منزل میں ہیں)

دیگر انبیاء اور ہمارے رسولؐ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ۝ (فاطر-۲۴)

(ترجمہ) اور کوئی قوم ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور نبی بھیجے لیکن سوائے چند کے آج دنیا کو ان کے نام بھی معلوم نہیں ہیں اور جن کے نام معلوم ہیں ان کے تفصیلی حالات پر دبیز پردہ پڑا ہوا ہے۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت اسحٰق یعقوب علیہم السلام کی پاکیزہ زندگی سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن ان حضرات کی سیر میں تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کسی قدر ہمیں توریت سے معلوم ہوتے ہیں لیکن توریت تو تضادات اور تحریفات سے پُر ہے اگر آپ کو ان تحریفات کے بارے میں تفصیل معلومات کی ضرورت ہو تو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی طرف رجوع فرما دیں، یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کا ہے۔ اس لیے کہ ان کے

Marfat.com

بارے میں ساری معلومات ہمیں چار انجیلوں (متی، یوحنا، لوقا، مرقس) سے ملتی ہے لیکن ان انجیلوں کے لکھنے والوں میں سے کسی نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیکھا تھا ظاہر ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و حالات کسی سے سُن کر ہی لکھے ہوں گے تو سوال پیدا ہوگا کہ انہوں نے کس سے سُن کر لکھا؟ ساری دنیائے عیسائیت اس کا جواب دینے سے عاجز ہے، اس کے برخلاف ہمارے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ ریکارڈ میں موجود ہے ولادت سے لے کر وفات تک آپ جن جن مراحل سے گزرے، جیسے جیسے حالات سے آپ کا سابقہ پڑا، آپ کا بچپن، آپ کی جوانی، آپ کے مشاغل، آپ کی تجارت، آپ کے معاہدے، آپ کا عقد، نزول وحی، اعلانِ نبوّت، آپ کے مصائب، آپ کی تبلیغ، آپ کی ہجرت، آپ کے مغازی، آپ کے فیصلے، آپ کے اوامر و نواہی، آپ کے معاملات و عبادات، آپ کی معاشرت و اخلاق، آپ کی اولاد، آپ کی ازواجِ مطہرات آپ کے صحابہ، آپ کے نصائح اور پھر آپ کی وفات، کونسی ایسی چیز ہے، جو قرآن و حدیث اور تاریخ کے اوراق میں محفوظ نہیں ہے، بڑے سے بڑا تاریخی واقعہ ہو یا حیاتِ طیبہ کی چھوٹی سے چھوٹی جزئی۔ سب کچھ تو ہمیں معلوم ہے۔ اب ایک غیر مسلم محقق ریونڈ باسورتھ اسمتھ (BASWORTH SMITH) فیلو آف ٹرینٹی کالج آکسفورڈ کی شہادت سنیے۔

"ہم در حقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں، ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لیے راستہ تیار کیا، جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے، اور شاید بہت زیادہ کرے۔ ایک آئیڈیل لائف جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں، ہم مسیح کی خانگی زندگی، ان کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع یا ایک بیک ظہور کے متعلق ہم کیا جانتے ہیں، ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے۔ یہاں دھندلاپن اور راز نہیں ہے، ہم تاریخ رکھتے ہیں، ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق اتنا جانتے ہیں جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں، میتھالوجی فرضی افسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں ہیں، یا اگر ہیں تو آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کیے جا سکتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود دھوکا دے سکتا ہے نہ دوسرے کو، یہاں دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک پہنچ سکتی ہے (محمڈ اینڈ محمڈنزم از ص ۱۴، ۱۵ ۱۸۸۹ء) بحوالہ خطبات مدراس سید سلیمان ندوی ص ۷۹، ۸۰۔

خصوصیات

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اب آپ کے ذہن میں یہ سوال ابھر رہا ہوگا کہ آخر جب سارے انبیاء اور مرسلین اللہ ہی کے بھیجے ہوئے برحق

Marfat.com

رسول تھے تو پھر ان کے درمیان یہ امتیاز کیوں برتا گیا کہ ان کی سیرتیں تو گم ہو گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ موجود ہے؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ ان نبیوں اور رسولوں کی شخصیت، ان کی کتاب اور ان کا دین چونکہ دائمی دین نہیں تھا اس لیے انہیں گم ہو جانا ہی چاہیے تھا، تاکہ آخری رسول اور آخری دین اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ ضوفگن ہو سکے۔ آپ دن رات دیکھتے ہیں کہ جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو چاند اور ستارے موجود رہتے ہوئے بھی اپنا تشخص اور اپنی چمک کھو دیتے ہیں، روح اور ہدایت کی دنیا میں بھی یہی ہوتا ہے۔ آپ کے سامنے ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حقانیت و صداقت کے اظہار کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کو معجزے عطا فرمائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کو موم بنا دیتے۔ ان کی آواز سن کر بے جان چیزوں میں جان پڑ جاتی۔ جانور اور چڑیاں ان کے ارد گرد جمع ہو جاتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ایک اژدہے کی شکل اختیار کر لیتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو جِلا دیتے۔ نابینا کو بینا اور کوڑھی کو تندرست کر دیتے۔ لیکن ان حضرات کے وہ معجزات آج کہاں ہیں؟ اگر کوئی ان معجزات کو دیکھنا چاہے تو کیا وہ دیکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ وہ معجزات ان نبیوں کے ساتھ ہی رخصت ہو گئے۔ لیکن آج بھی اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دیکھنا چاہے تو وہ "قرآن کریم" کی شکل میں موجود ہے اور آج بھی اعلان کر رہا ہے کہ:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرۃ ۲۳)

اور اگر تم کو اس کتاب کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی ہے، کوئی شک ہو تو تم اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر لاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی جمع کر لو اگر تم سچے ہو۔

آج بھی ساری دنیا کے ادیب، علماء اور فضلاء قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کے آگے سر تسلیم خم کیے بیٹھے ہیں۔ اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

معجزات میں بھی یہ جو امتیاز برتا گیا ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ جس دین کو ہمیشہ باقی رہنا ہے اور جس نبی کی شخصیت کو قیامت تک آنے والی نسلِ انسانیت کے لیے منارۂ نور اور مشعلِ ہدایت بننا ہے ضروری ہے کہ اس کی شخصیت کے خدوخال واضح ہوں، اور اس کا معجزہ اس کی صداقت پر گواہی دے رہا ہو۔ قرآن کریم کو محض ایک کتاب ہدایت ہی نہ جانیے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ کتاب ہدایت ہے کے ساتھ ساتھ یہ تصویرِ رسولؐ بھی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت

Marfat.com

کیا تو دیکھئے تو انہوں نے صرف ایک جملے میں ساری روداد حیات بیان فرمادی۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا

یعنی جو کچھ قرآن کریم میں تم پڑھتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس آپ کی عملی تفسیر تھی تو اب پھر یہ بات کیوں نہ کہدی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے وادی بطحا میں دو قرآن نازل فرمائے۔ ایک تو وہ قرآن جو دو دفتیوں کے درمیان ہمارے سامنے موجود ہے اور دوسرا وہ قرآن جو بطنِ آمنہ سے ہویدا ہوا۔ طائف میں پتھر کھا کر قرآنِ لفظی کی تفسیر اپنے عمل سے کرتا رہا۔ تریسٹھ برس تک ساری دنیا کو قرآن کے عملی پہلو کا مشاہدہ کراتا رہا۔ پھر سبز گنبد کے نیچے جاکر لیٹ رہا۔ لیکن اس کی سیرت اپنی تمام تر چمک دمک کے ساتھ آج بھی موجود ہے اور یہ اصول آج تک اٹل ہے کہ

بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

میرے سابقہ بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کو جاننے کا سب سے زیادہ مستند اور سب سے زیادہ محفوظ ماخذ قرآن کریم ہے۔ جس کے ایک ایک لفظ ایک ایک زیر اور زبر میں نہ آج تک تبدیلی ہوئی ہے اور نہ قیامت تک ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد احادیث کا ذخیرہ آتا ہے۔ آج اس امت کے پاس جو احادیث موجود ہیں ان کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مستند وہ احادیث ہیں جو صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ ان کے بعد مسند امام احمد بن حنبلؒ ہے جو چھ جلدوں میں ہے۔ اس کے بعد مغازی کی کتابیں ہیں۔ ان میں مشہور یہ ہیں۔ مغازی عروہ بن زبیر المتوفی سنہ ۹۴ھ مغازی زہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ مغازی موسیٰ بن عقبہ المتوفی سنہ ۱۴۱ھ، مغازی ابن اسحاق المتوفی سنہ ۱۵۰ھ مغازی زیاد بکائی المتوفی سنہ ۱۸۳ھ مغازی واقدی المتوفی سنہ ۲۰۷ھ مغازی کے بعد مستند اسلامی تاریخوں کی اہمیت ہے۔ مشہور اور مستند اسلامی تاریخیں یہ ہیں۔ طبقات ابن سعد۔ تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری۔ تاریخ ابن حبان، تاریخ ابن ابی خیثمہ بغدادی، تاریخ الرسل والملوک امام ابو جعفر طبری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور روحانی کمالات کے بیان پر مشتمل کتابوں کو دلائل کہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل دلائل کی کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔ دلائل النبوت ابن قتیبہ المتوفی سنہ ۲۷۶ھ، دلائل النبوت ابو اسحاق المتوفی سنہ ۲۵۵ھ، دلائل النبوت بیہقی المتوفی سنہ ۴۳۰ھ، دلائل ابو نعیم اصفہانی المتوفی سنہ ۴۳۰ھ، خصائص کبریٰ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ۔

ان کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات اور عادات سے متعلق بے شمار کتابیں ہیں جنہیں شمائل کہا جاتا ہے۔ ان میں مشہور شمائل ترمذی۔ کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ قاضی عیاض۔

Marfat.com

شمائل النبی ابو العباس مستغفری۔ شمائل النور الساطع ابن المقری الغرناطی المتوفی ۵۵۲ھ اور سفر السعادۃ مجد الدین فیروز آبادی المتوفی ۸۱۸ھ ہیں۔

ان ساری کتابوں کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ جمال و کمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کی جائے تاکہ دنیا کے سامنے ان کا اسوۂ پاک واضح ہو کر آجائے اور لوگ اسے اپنے لیے نمونۂ عمل اور نشانِ راہ بنائیں۔

اتباع

انبیا علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ انسانوں کی سیرتوں کو اپنی سیرتوں میں ڈھالیں۔ انہیں علم و حکمت کا درس دیں۔ ان کے قلوب کا تزکیہ کریں۔ اور اس طرح انہیں اس مقام بلند پر پہنچا دیں جہاں سے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

(آل عمران - ۱۶۴)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا کہ ان ہی میں سے ان میں ایک ایسا رسول بھیجا جو ان پر خدا کی آیتیں تلاوت کرتا ہے، ان کے دل کو پاک کرتا اور انہیں قرآن و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ بلاشبہ اس رسول کی تشریف آوری سے قبل وہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ہماری نجات اور دینی و دنیوی فلاح کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؁

(آل عمران - ۳۱)

(اے نبی!) آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اسی مضمون کو علامہ اقبال نے یوں ادا کیا ہے:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

لہٰذا جب بھی آپ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کریں تو یہ بات پیش نظر رکھیں کہ آپؐ کی ایک ایک ادا ایک ایک قول ایک ایک عمل اور ایک ایک حرکت و سکون کی آپ کو پیروی کرنی ہے۔ آپ کو علم و معرفت کا جو بھی حصہ ملے گا صرف اسی سیرت کی پیروی سے ملے گا۔ حضرت سعدیؒ

نے کیا خوب فرمایا ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(جو شخص پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے گا وہ ہرگز ہرگز منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا ہے)

زیر نظر مجموعہ — یوں تو سیرت پاک پر مختلف زبانوں میں بے شمار کتابیں موجود ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جید جید علمائے کرام نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور معلومات کا دریا بہا دیا ہے۔ لیکن ایسے مجموعے بہت کم ہیں جو سلیس زبان اور سادہ اسلوب بیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو پیش کرنے والے ہوں۔ میرے دوست قاری عبدالرشید قاسمی صاحب مالک کتب خانہ شان اسلام لاہور قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے عام مسلمانوں کی اس شدید ضرورت کا احساس کیا اور وہ رسالہ مولوی دہلی کے رسول نمبر کو کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں۔ اس مجموعے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے قبل کے حالات سے لے کر آپ کی ولادت، بچپن، عہد شباب اور عہد رسالت کے واقعات تک کی نیز آپ کے مکارم اخلاق کی سچی تصویریں موجود ہیں۔ ان تصویروں کو دیکھئے اور سر دھنیئے دیکھئے اور اپنے باطن کو ان کے نقوش سے سجایئے۔ عشق بھی ہو اور اتباع بھی۔ جوش بھی ہو اور ہوش بھی، عقل رشید بھی ہو اور درد جگر بھی۔

ہر دو بمنزلے رواں ہر دو امیر کارواں
عقل بحیلہ می برد عشق برد کشاں کشاں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا قاری عبدالرشید قاسمی صاحب کی اس خدمت کو قبول فرماتے یہ نذرانہ دربار رسالت میں پذیرائی حاصل کرے۔ اور ہم سب کو اس سیرت پاک پر عمل کرنے کی توفیق عطا ہو۔ آمین

سید محمد متین ہاشمی
ریسرچ ایڈوائزر
دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری
نسبت روڈ لاہور

مورخہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ

Marfat.com

دعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحاؑ

جملہ انبیائے کرام علیہم السّلام فرستادگانِ معبودِ برحق تھے اور سب اسی لیے مبعوث ہُوئے تھے کہ وہ کفر و شرک کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو دُور کریں۔ اسلام کی روشنی پھیلائیں اور اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی وحدانیت کی مُنادی کریں اس لیے ہر ایک نبی نے لوگوں کو اللہ کے خوف سے ڈرایا۔ بُرائیوں سے روکا۔ نیکی کی تلقین کی اور اپنے بعد آنے والے نبی کے مُتعلّق پیشین گوئی کی اور ساتھ ہی حضورِ نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم کے مُتعلّق بھی بتایا اس لیے کہ آپ سردارِ انبیاؑ اور نبیِ آخرالزّمان (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہیں۔

چُناں چہ!

اِس وقت جتنے صُحفِ سماوی کُتبِ الہامی دُنیا میں موجود ہیں وہ اپنی تمام تر تحریفوں اور ترمیموں کے باوجود حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بعثت کی پیشین گوئی کر رہی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی:

Marfat.com

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِكَ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ؕ

جس وقت حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام نے وادیٔ غیرِ ذی زرع میں اپنی متحدہ کوششوں سے بیتُ اللہ کی تعمیر کی تھی اس وقت منجملہ اور دعاؤں کے ایک دعا یہ بھی مانگی تھی کہ :

"بارِ الٰہا ! میری اولاد میں سے ایک رسول مبعوث کرنا جو لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے، ان کے نفس کا تزکیہ کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔"

یہ تھی "دعائے خلیل" جو رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کی بعثت کی صورت میں پوری ہوئی۔

نویدِ مسیحا

حضرت مسیح علیہ السّلام کی نوید بھی سُن لیجیے۔ آپ نے اپنے آخری وعظ میں فرمایا تھا کہ :

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب "روحِ حق" آئے گا تو وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتائے گا اس لیے کہ وہ اپنی نہ کہے گا بلکہ جو کچھ وہ سنے گا کہے گا اور تمھیں آیندہ کی خبریں دے گا اور وہ میری بزرگی کرے گا۔" (انجیل یوحنا باب ۱۶)

یہ پیشین گوئی بالکل صاف ہے۔ آپ کے بعد وہ اور کون سا نبی ہوا ہے جس نے سچائی کی راہ بتائی ہو۔ کیا سچائی کی راہ سے مراد ایک مکمّل دین نہیں؟ جو ہر عہد ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے ہے۔ اگر کوئی ہُوا ہے تو عیسائی اصحاب

ہمیں اس کا نام بتائیں۔" وہ اپنی نہ کہے گا جو سنے گا کہے گا۔ کیا وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کا بالکل ترجمہ نہیں ؟ یہ صفت حضرت مسیح کے بعد اور کس میں موجود تھی ؟

آگے چلیے ! "وہ میری بزرگی کرے گا۔" یہودیوں نے تو سرے سے آپ کی رسالت کو تسلیم ہی نہ کیا لیکن رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کی بھی تصدیق کی اور آپ کی رسالت کی بھی اور ان کے بن باپ کے پیدا ہونے کو بھی حق بتایا اور مسلمانوں کے لیے ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا، حالاں کہ یہودی اسی اظہارِ صداقت پر آپ سے ناراض ہو گئے۔ کیا یہ "بزرگی بیان کرنا" نہیں ؟

اسی باب کی پہلی آیت میں ہے :

"لیکن تمھیں سچ کہتا ہوں کہ تمھارے لیے میرا جانا ہی مفید ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو "تسلّی دینے والا" تمھارے پاس نہ آئے گا" !

اصل انجیلی لفظ "فارقلیط" ہے جس کا عربی ترجمہ "تسلّی دینے والا" اور "احمد" ہے۔ اور انجیل کے تمام پرانے ترجموں میں اس کے یہی معنے لکھے ہوئے ہیں لیکن بدبختی ملاحظہ فرمایئے کہ سنہ ۱۸۹۳ء میں تراجم انجیل کے لیے جو کمیٹی قائم ہوئی تھی اس نے اصل لفظ کو بھی بدلا اور ترجمہ کو بھی۔ "فارقلیط" کے بجائے "پیرقلیط" کر دیا اور اس کے معنے "وکیل" لکھ دیے۔ اب لازمی تھا کہ وہ اس تحریف اور اس کھلی ہوئی بیّن پیشین گوئی کی کوئی توجیہ بھی کرتے چنانچہ

فرماتے ہیں کہ :

"رُوحِ حق" اور "وکیل" سے مراد "رُوح القدس" ہے جو حضرت مسیحؑ کے بعد آپ کے حواریوں پر اتری۔"

پھر یہ چیز تو رہ جاتی ہے کہ "سچّائی کی راہ بتانے والا" اور "جو سنے وہی کہنے والا" کون ہے۔ آخر حواریوں کو مؤسّسِ شریعت تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا۔ جانتے سب کچھ ہیں مگر تعصّب ماننے کچھ نہیں دیتا۔ قرآنِ کریم میں بھی اسی پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے :

"وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ"

یہ تھی نویدِ مسیحاؑ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی بشارت

عبرانی بائبل میں حضرت سلیمانؑ کے یہ الفاظ درج ہیں :

"وہ تو ٹھیک محمّد ہے میرا خلیل، میرا حبیب یہی ہے اے دُخترانِ یروشلم!"

تمام پیشوایانِ مذہبِ عیسوی کا اس امر پہ اتّفاق ہے کہ غزل الغزلات میں ہیکل نے کسی موعود بزرگ کے عشق میں یہ ترانہ گایا تھا مگر وہ اس کا مصداق رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے بجائے حضرت مسیحؑ کو بتاتے ہیں اور لفظِ "محمّد" کا ترجمہ "عشق انگیز" کرتے ہیں۔ عبرانی کی اصل عبارت میں لفظِ "محمّدیم" ہے۔ سب اس ترانہ کا مصنّف بھی حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کو قرار دیتے

Marfat.com

ہیں۔ ساتھ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا تھا کہ :

"وہ ہیکل میں دس ہزار آدمیوں کے ساتھ آوے گا۔"

ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو دس ہزار آدمیوں کے ہیکل (قبلہ) میں تشریف نہ لے گئے تھے بلکہ یہ رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہی تھے جنھوں نے دس ہزار لوگوں اور صحابیوں کو ساتھ لے کر ہیکل (قبلہ) فتح کیا تھا اور اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی بھی صاف طور پر پوری ہو جاتی ہے۔ اب کوئی نہ سمجھے تو اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں !

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی ہدایت

حضرت موسےٰ علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ :

"خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا۔"

(کتاب استثنا، باب ۱۸، درس ۱۵)

اسی باب کے اٹھارویں، انیسویں درس میں مزید وضاحت و صفائی موجود ہے کہ !

"میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اس سے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا۔"

"جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کر کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری یہ دونوں پیشین گوئیاں سنے اور سمجھے گا فائدہ اٹھائے گا۔"

بظاہران الفاظ سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ پیشین گوئی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے متعلق ہو اس لیے کہ آپ کے بعد ہی حضرت عیسےٰؑ مبعوث ہوئے ہیں لیکن "تیرے مانند" اور "تجھ سا" کے الفاظ پر غور کیجیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کون سا نبی اُن کے مانند" اور اُن جیسا مبعوث ومخلوق ہوا ہے۔ حضرت موسےٰ علیہ السّلام صاحبِ شریعت بھی تھے انھیں ہجرت بھی کرنی پڑی اور جہاد بھی۔ اکتالیسویں سال ہی میں آپ کے سرِ مبارک پر تاج رسالت بھی رکھا گیا تھا۔ منکرینِ رسالتِ نبوی لفظ "تیرے ہی درمیان سے" پر زور دیتے ہیں تاکہ وہ اس پیشین گوئی کا مصداق کسی اور بنی اسرائیلی نبی کو قرار دے سکیں۔

لیکن !

پہلے تو بحث یہی ہے کہ حضرت موسیٰؑ جیسی صفات کا کوئی نبی بنی اسرائیل میں پیدا بھی ہوا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد جو انبیاء مبعوث ہوئے ان میں اولوالعزم اور حوصلہ مند نبی حضرت عیسےٰؑ پیدا ہوئے مگر وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی طرح صاحبِ شریعت وجہاد وہجرت نہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے دوسری پیشین گوئی بھی کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ :

"خدا سینا سے نکلا، شعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اُس کے ہاتھ میں روشن شریعت ہے اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا"۔

سمجھیے اور غور کیجیے ! اگر "سینا سے نکلا" سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السّلام

اور "شعیر سے چمکا" سے مراد حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں تو "فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا" سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون ہو سکتا ہے! علی الخصوص اس صورت میں کہ ساتھ ہی دس ہزار قدوسیوں کے لشکر کا ذکر بھی موجود ہے۔

پہلی پیشین گوئی میں "نبی" کا لفظ موجود ہے۔ اگر حضرت عیسٰیؑ کو نبی تسلیم کر لیا جاتا ہے تو ان کی الوہیت اور ابن اللّٰہی کا سارا طلسم ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔ عجیب تماشا ہے کہ عیسائی ایک طرف تو حضرت عیسٰی کو "ابن اللہ" کہتے ہیں اور دوسری طرف نبی کا مصداق بھی انھیں کو قرار دینے لگتے ہیں۔

ہرمیاہ اور یعسیاہ کی پیشین گوئیاں

ہرمیاہ نبی کی کتاب ۴۹۔ درس ۲۸ کو غور سے پڑھیے اور دیکھیے کہ اس میں کس طرح جنگ حنین اور فتح مکہ کا صاف ذکر موجود ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:

"اٹھو قیدار پر چڑھو اور پورب کے لوگوں کو ہلاک کرو' ان کے خیموں اور گلوں کو وے لے لیں گے اور ان کے سارے برتنوں اور ان کے اونٹوں کو وے اپنے لیے لیتے جائیں گے۔"

قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سب سے مشہور فرزند کا نام ہے جو قریش مکہ کے مورث اعلیٰ ہیں اس لیے قیدار پر چڑھائی سے مراد مکہ پر یورش ہے اور پورب کے لوگوں سے مراد طائف اور حنین ہیں جو مکہ

کے فتح ہو جانے کے بعد مفتوح ہوئے۔ طائف و حُنین مکّہ کے مشرق میں واقع ہیں۔ یہاں سے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ لگا تھا۔

کتاب یعسیاہ ۲۹/۱۲ میں لکھا ہے کہ "اَن پڑھ کو کتاب دی گئی کہ وُہ اسے پڑھے" کیا آپ پر پہلے جو وحی نازل ہوئی تھی اُس کا پہلا لفظ "اِقْرَأْ" نہ تھا جس کے معنے پڑھنے کے ہیں اور کیا آپ "اُمّی" نہ تھے؟ بالکل صاف اور واضح الفاظ ہیں۔

یعسیاہ نبی کی ایک اور پیشین گوئی ملاحظہ فرمایئے۔ یعسیاہ نبی کی کتاب میں خداوند نے بیتُ اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ :

"۱۔ اُٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خُداوند کے جلال نے تجھُ پر طلُوع کیا۔"

"۲۔ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خُداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمُودار ہوگا۔"

"۳۔ قومیں تیری روشنی میں اور بادشاہ تیرے طلُوع کی تجلّی میں چلیں گے۔"

"۴۔ اپنی آنکھیں اُٹھا کر چاروں طرف نگاہ کر۔ وُے سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں وے تجھ پاس آتے ہیں۔ تیرے بیٹے دُور سے آویں گے اور تیری بیٹیاں گود میں اُٹھائی جائیں گی۔"

"۵۔ تب تُو دیکھے گی اور روشن ہو گی، ہاں تیرا دل اُچھلے گا اور کُشادہ ہوگا کیوں کہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھیرے گی اور قوموں کی دولت

تیرے پاس فراہم ہوگی۔ اُونٹ کثرت سے آ کر تجھے چھپالیں گے اور مدیان اور عیفہ کے جوان اُونٹ وہ سب جو سبا کے ہیں آویں گے وہ سونا اور لوبان لاویں گے اور خداوند کی تعریف کی بشارتیں سُناویں گے۔"

اس پیشین گوئی میں مدیان اور عیفہ کے الفاظ ہیں۔ سبا کا لفظ بھی موجود ہے۔ مدیان حضرت کے فرزند ہیں جو بی بی قطورہ کے بطن سے تھے اور عیفہ و سبا آپ کے دونوں پوتے ہیں۔ یہ سب کے سب عرب ہی میں آباد ہوتے اور اس حج میں جس کی طرف مذکورہ بالا پیشین گوئی میں اشارہ کیا گیا ہے وہ سب کے سب قبائل مسلمان ہو کر شریک ہوئے جن کے جدِّ اعلیٰ مدیان، عیفہ اور سبا تھے۔

غور کیجیے کہ !

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا مکّہ سے ہجرت کرنا، اپنے وطن مالوف کو عین مجبوری کے عالم میں چھوڑنا، کیا اس امر کی علامت نہ تھا کہ اس کا ایک فرزند جلیل اس کی گود اور اس کے آغوش سے جُدا کر دیا گیا، وہ فرزند جو فی الحقیقت "دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا" تھا اور جس کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بیت اللہ کی اساس و بنیاد قائم کرتے وقت مانگی تھی۔ اس کے بعد جب وہی شکارِ ستم و الم فرزند پورے جاہ و طمطراق کے ساتھ مکّہ میں داخل ہُوا اور توحید کی اشاعت اور دینِ قیّم کے قیام و استحکام کے لیے داخل ہُوا تو مکّہ کے لیے بیت اللہ کے در و بام کھُل گئے۔ اس سے زیادہ شادمانی و

Marfat.com

مسرت کا مقام اور کیا ہو سکتا تھا۔ بچھڑے اور چھوٹے ہوئے بھائیوں کا ملنا اور دینِ قیّم کو شان و شکوہ کا حاصل ہونا واقعی بڑی بلند بختی تھی۔

ملاکی نبی کی پیشین گوئی

ملاکی نبی کی کتاب اپنے عہد کی سب سے آخری کتاب ہے اور اس کا زمانہ حضرت موسٰی اور حضرت عیسٰی علیہما السّلام کی درمیانی مدّت کا ہے۔

ملاکی نبی کی کتاب باب ۳ درس اوّل میں ہے کہ :

"وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو، ہاں عہد کا رسُول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آوے گا، دیکھو وہ یقیناً آوے گا۔ ربُّ الافواج فرماتا ہے پھر اس کے آنے کے دن کون ٹھہر سکے گا اور جب وہ نمودار ہوگا کون ہے جو کھڑا رہے گا۔"

اس پیشین گوئی کے مصداق رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی ہو سکتے ہیں اس لیے کہ متی نے اس پیشین گوئی کا مصداق حضرت عیسٰے علیہ السّلام کو نہیں بتایا حالاں کہ اس نے حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے متعلّق تمام پیشین گوئیاں انجیل میں فراہم کر دی ہیں۔ عیسائی حضرت عیسٰے علیہ السّلام کو رسُول نہیں بلکہ ابنِ اللہ کہتے ہیں۔

پھر ہیکل میں ان کے سامنے دشمن مغلوب نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے خود انھیں مغلوب کر لیا تھا۔ پیشین گوئی میں لفظِ "ناگہاں آوے گا" موجود ہے۔ یہ رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی تھے جو ناگہاں مکّہ پہنچے اور اسے فتح کر لیا۔ فتحِ مکّہ کے وقت کوئی بھی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور نہ کھڑا رہ سکا۔

یعسیاہؑ نبی کی پیشین گوئی کی روشنی میں اسے پڑھیے جس میں شتر سوار کا ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سواری میں تو گدھا رہتا تھا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے تو صاف انکار کیا ہے کہ :

"مَیں وُہ نبی نہیں ہُوں جن کا انتظار ہر زمانہ اور ہر عہد میں رہا ہے۔"

انجیل یُوحنّا باب ۱۹ سے ۲۸ تک کا مطالعہ کر کے دیکھیے۔ یُوحنّا نے اقرار کیا ہے کہ مَیں وُہ نبی نہیں ہُوں۔ انھوں نے پوچھا کیا تُو ایلیاس ہے؟ اُس نے کہا مَیں نہیں ہُوں۔ پھر انھوں نے پُوچھا کیا تُو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا مَیں وُہ نبی نہیں ہُوں۔"

اِس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اُس وقت تین انبیا کا انتظار کیا جا رہا تھا:

- ایک حضرت الیاس علیہ السلام
- دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
- اور تیسرے "وُہ نبی"۔

انجیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یُوحنّا نے یسُوع کو مسیح بتایا اور مسیح نے یُوحنّا کو ایلیاس کہا۔ اب تیسرا رہ گیا "وُہ نبی"۔ اور وُہ نبی۔ رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی ہو سکتے ہیں۔ اگر نہیں ہو سکتے تو ہمیں بتایا جائے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بعد نبی کہلانے والا اور کون ہُوا؟

اِسی طرح گویا حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام سب نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیاں کی ہیں۔ عرب میں خود یہودی اور عیسائی دونوں آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ یہود نے تو بعثتِ نبوی کی خبر سن کر خوشیاں منائی تھیں۔ اس سے آپ کی جلالتِ شان اور عظمت و منزلت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بائیبل اور انجیل بھی موجود ہیں لوگ انھیں پڑھتے ہیں مگر تعصب کی آنکھ کچھ نہیں دیکھتی۔

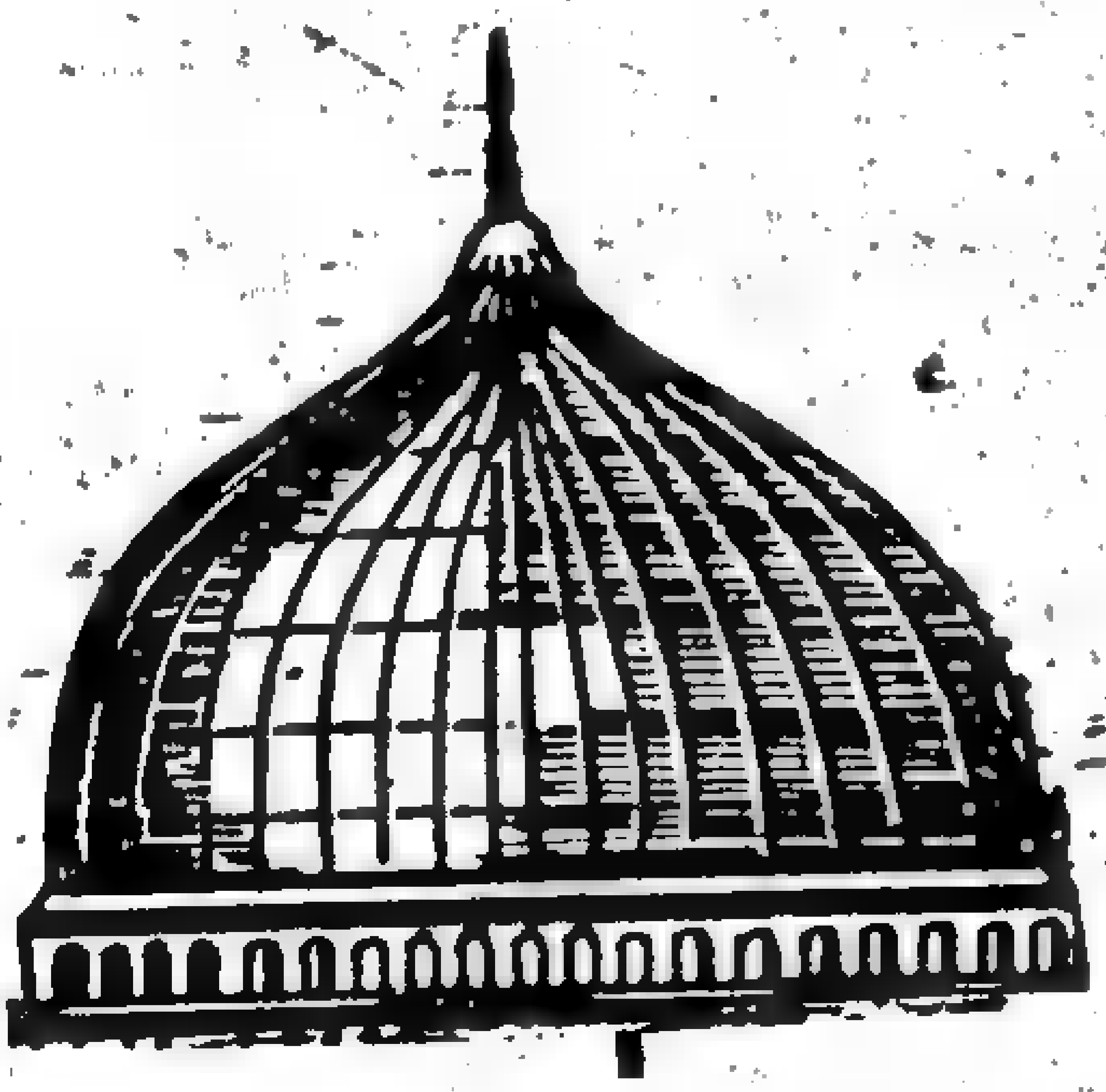

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں

الناشر
کتب خانہ شان اسلام
۱۰- راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

۳۰۹۱۸

پیکرِ نور و ہدایت

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی بادی النظر میں گوشت و استخوان اور پوست و اعصاب سے مملو نظر آتی تھی۔ آپ انسان تھے، بشر تھے، انسانوں کی طرح کھاتے پیتے، انسانوں کی طرح رہتے سہتے اور انسانوں ہی کی طرح چلتے پھرتے تھے لیکن تھے پیکرِ نور، سراپائے ضیا، مجسمۂ جمال، ایک خاکی غلاف تھا جو بشریت کے نام سے اس نورِ یزدانی پر پڑا ہوا تھا۔ اہلِ نظر اس کالبدِ خاکی میں اس ضیا و نور کی تجلیاں برابر مشاہدہ کرتے تھے اور عوام بھی یہ دیکھتے تھے کہ عام انسانوں کی طرح سایہ آپ کا تھا ہی نہیں اور آفتاب کی روشنی اور دھوپ میں آپ کا کوئی عکس زمین پر نمایاں نظر نہ آتا تھا اور نہ آسکتا تھا اس لیے کہ نور کا سایہ ہو ہی نہیں سکتا کیوں کہ وہ تو خود ایک لطیف شے ہے۔

یہ نور تخلیقِ عالم سے پیشتر ایک زمانہ لامتناہی تک عرشِ ربانی پر جگمگاتا رہا اور ملاءِ اعلیٰ کی فضائیں اس سے بُقعۂ نور بنی رہیں۔ ملائکہ مقربین اس کے گرد گھومتے اور اس پر پروانہ وار نثار ہوتے رہے۔

عرش سے یہ نور حضرت آدم علیہ السلام کے جسمِ اطہر میں منتقل ہوا۔ یہی وہ نور تھا جس کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام کو وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ

کے خطاب سے سرفرازی و سربلندی نصیب ہوئی۔ نیابتِ الٰہی، وراثتِ ربانی اور خلافتِ ایزدی کی جتنی نعمتیں آدم علیہ السلام کو حاصل ہوئیں وہ سب اسی نور کی بدولت حاصل ہوئیں۔

نورِ محمدی کے تدریجی دور

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت امّاں حوا علیہا السلام اور ان سے حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کو منتقل ہوتا ہوا یہی نور حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا اور ان کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ کے لازوال خطاب سے نوازتا اور عدنان تک چالیس پشتوں میں درجہ بہ درجہ گزرتا ہوا عبدِمناف کو ملا۔ پھر ہاشم کی پشت میں ان کی عظمت و جبروت کا باعث بنا۔ ہاشم سے یہ دُرِّ یتیم عبدالمطلب کو ملا اور ملتے ہی ان کی سرداری و سروری کا نشان بن گیا۔ حضرت عبدالمطلب سے یہ نور جب حضرت عبداللہ کی پیشانی میں ضیا بار ہوا تو وہ اس کی تجلیوں کی تاب نہ لا سکے اور عین عنفوانِ شباب میں یہ امانتِ کبریٰ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سونپ کر راہیِ ملکِ بقا ہو گئے۔

جس شب کو یہ نور حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ مبارک میں انتقال پذیر ہوا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق اسی شب کائناتِ عالم میں ایک شورِ خرمی برپا ہو گیا اور شجر و حجر، کوہ و دمن، آفتاب و ماہتاب، سیارہ و ثوابت، برگ و بار، وحوش و طیور، کائناتِ ارضی اور فضائے آسمانی کا ذرہ ذرہ ادب و احترام سے سنبھل گیا، محوِ انتظار ہو گیا اور شوقِ دیدارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اضطراب کے پہلو ہر آن اور ہر لمحہ بدلنے لگا۔

نورِ نبویؐ کی گرمیاں و ضیا باریاں

ابتدائے حمل ہی میں حضرت بی بی آمنہؓ نے خواب میں دیکھا کہ ایک پارۂ نور ہے جو اُن کے جسم سے جُدا ہو کر پُوری ضیا باریوں کے ساتھ جگمگا رہا ہے اور اس کی روشنی میں ارضِ شام تک کی بستیاں اور آبادیاں صاف نظر آرہی ہیں وُہ گرمی اور تیزی تھی اِس نُور میں کہ وضعِ حمل کے ساتھ ہی آپ کا جسمِ اقدس بید لرزاں کی طرح لرزنے لگا۔ ولادت کے فوراً بعد بام و دَر جگمگا اُٹھے۔ آپ اس روشنی میں مشاہدہ کرتی ہیں کہ ملائکہ کی ایک جماعت پرے باندھے کھڑی ہے۔ سب کے ہاتھوں میں عنبر و مُشک کی فردوسی پیالیاں ہیں۔ اِدھر اُدھر زہرہ جمال اور حُور پیکر نازنینوں کے جھرمٹ میں جہاں تک نگاہ کام کر سکتی ہے نور ہی نور پھیلا ہُوا ہے۔

یہ کیا تھا؟

اِس نور کی ضیا پاشیوں میں تمام مادّی حجابات آنکھ سے اوجھل ہو گئے تھے اور عالَمِ غیب کی پیشوائیوں کے مناظرِ جمیل سامنے نظر آرہے تھے۔

ولادت کے بعد پیہم و مُتّصِل نورانی ٹکڑے ہائے ابر پیدا ہوتے اور فضاؤں کو منوّر کرتے نظر آتے تھے۔

خود حضرت عبدالمطّلب آپ کے دادا نے صحن میں قدم رکھا تو مشاہداتِ عجیب کا نظارہ کر کے تھر تھر کانپنے لگے۔ اپنی آنکھوں اور کُھلی آنکھوں دیکھا کہ دروازہ پر ایک مُرغِ سفید پَر پھیلائے بیٹھا ہے جس کی روشنی سے مکّہ کی تمام پہاڑیاں بھی جگمگا رہی ہیں۔

Marfat.com

فاطمہ ثقفیہ نے دُنیا سے اور مکّہ والوں سے کہا کہ :

"وضعِ حمل کے وقت مَیں موجود تھی۔ مَیں نے خود دیکھا کہ ایک پارہ نُور آمنہ رضؓ بی بی کے جسم سے نکلا اور تمام فضائے بسیط کو منوّر بنا گیا۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ :

"وضعِ حمل کے وقت اتنی تیز روشنی تھی کہ ہر طرف نُور ہی نُور نظر آتا تھا اور نُور کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔"

عام لوگ نہ سمجھیں نہ جانیں، نہ دیکھیں مگر رُوحانی آنکھیں ہمیشہ اس نُور کو دیکھتی رہی ہیں اور دیکھتی رہیں گی۔

Marfat.com

نجیب پیغمبر

حسب و نسب کو ہر زمانہ میں اہمیّت دی جاتی رہی ہے اور اسے بزرگی و شرافت کا معیار قرار دیا جاتا رہا ہے لیکن عرب جاہلیت میں تو اس کا بہت ہی خیال کیا جاتا تھا۔ انتہا یہ تھی کہ انسانوں سے گزر کر جانوروں تک یہ جنون ترقّی کر گیا تھا اور اونٹوں اور گھوڑوں تک کے نسب نامے عرب میں محفوظ رکھے جانے لگے تھے۔ اسلام نے تو ضرور اس رجحان اور اس جنون کو مٹایا اور اسے کبھی اہمیت نہ دی کہ اسلام خود ان تمام رذالتوں، فرومائگیوں اور دنائتوں کے استیصال کے لیے کافی موثّر شے ہے جو ادنیٰ حالت، ادنیٰ فضا اور ادنیٰ افراد میں پیدا ہوتے رہنے اور پرورش پانے سے اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہیں۔ واقعی خاندانی اثر بہت قوی ہوتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جو نیکیاں یا بُرائیاں کسی قوم، کسی جماعت اور کسی خاندان میں عرصہ تک ہوتی رہتی ہیں پہلے وہ عادت بنتی ہیں اور پھر ایک دو نسل بعد وہ طبائع میں کچھ اس طرح راسخ ہو جاتی ہیں کہ وہ دور کیے دور نہیں ہوتیں اور مٹائے نہیں مٹتیں۔

عالی خاندان میں عاداتِ عالیہ اور تہذیب لازماً پرورش اور فروغ پاتی ہیں۔ اور ادنیٰ خاندانوں میں دنایت کی افراط ہوتی ہے۔ بڑے خاندانوں میں جہاں

Marfat.com

تہذیب، سلیقہ، عقل اور شرم و حیا کی فراوانی نظر آئے گی وہاں چھوٹے خاندانوں میں بے غیرتی، بے شرمی اور بد اطواری شدّت کے ساتھ اُبلتی ہوئی دکھائی دیگی۔ پھر بہت سے محاسن و فضائل ایسے ہوتے ہیں جو خاص خاص خاندانوں کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ جاتے ہیں اور اُن کی بنا پر دُنیا اُن کی عزّت کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ یہی وجہ اور یہی حقیقت تھی جس کی وجہ سے دُنیا نے حسب و نسب کو اہمیت دی اور اسے بڑائی کی علامت سمجھا۔

نسبی امتیاز کے ذمائم

لیکن جہاں اِس نسبی امتیاز میں یہ خوبیاں اور یہ محاسن تھے وہاں اِس میں ایک سب سے بڑی اور تباہ کُن بُرائی یہ بھی تھی کہ انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کو حقیر سمجھنے لگتا تھا۔ اِس سے ایک طرف تو اَدنیٰ طبقہ اُبھرنے اور بلند ہونے کے بجائے روز بروز مزید پستیوں کی گہرائیوں میں ڈوبتا چلا جاتا تھا اور تختۂ مشقِ ستم بنا رہتا تھا وہاں دوسری طرف اعلیٰ طبقہ میں غرور و رعونت اور ظُلم و سفّاکی جیسے معائب برابر ترقی پذیر اور اُجاگر ہوتے چلے جاتے تھے اور اِس طرح یہ امتیاز اخلاقی اور انسانی طور پر اعلیٰ اور اَدنیٰ ہر دو طبقوں کے لیے صدیوں سے تباہ کُن چلا آرہا تھا مگر عجیب مشکل تھی کہ امتیاز مٹتا ہے تو محاسن و خصائص انسانی پر گونہ زد پڑتی ہے اور اگر باقی رہتا ہے تو یہی دونوں طبقے کسی نہ کسی شکل میں برباد ہوتے چلے جاتے ہیں۔

صدیوں سے یہ حالت یوں ہی چلی آرہی تھی!

آخر اِسلام نے اِس کا علاج سوچا اور علاج بھی وہ جو اپنی جگہ نہایت مؤثّر

اور تیرِ بہدف علاج تھا یعنی اُس نے طاعات وعبادات، میل جول، نشست و برخاست، تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب، تہذیب، تمدّن اور معاشرت و معیشت کے ایسے آئین و اصُول مقرّر کیے کہ اگر اَدنیٰ سے اَدنیٰ اور گرے سے گرا انسان بھی اِن پر پختگی کے ساتھ عمل کرے اور برابر کرتا رہے تو وُہ اعالی و اشراف پر بھی فوق لے جاسکتا ہے۔

دیکھ لیجیے کہ!

حضرت بلال، حضرت صُہیب، حضرت سلمان رضوان اللہ علیہم اجمعین غلام ہی تھے مگر اسلامی آئین و اصُول پر عمل کر کے مسلمانوں کے آقا بن گئے۔ عرب کے چرواہوں نے ایران وشام کے متمدّن اشراف و اعالی پر اس شان سے حکومت کی کہ دُنیا اُن کی گرویدہ بن گئی اور تہذیب و مدنیت میں کوئی بھی اُن کا ہمسر نہ رہا۔ تاہم زمانہ شرافت ونجابت کا تھا اور اندیشہ تھا کہ نورِ محمدی اگر کسی اَدنیٰ یا متوسّط خاندان میں منتقل ہُوا تو عرب کے شرافت پرست زبانِ طعن دراز کریں گے اس لیے اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ نے اِس مقدّس نُور کو اُس قبیلہ، اُس خاندان، اور اُس گھر میں پیدا کیا جو مکہ میں چوٹی کا خاندان سمجھا جاتا تھا۔

سرکارِ دوعالم کی خاندانی عظمت

سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السّلام تھے اور آپ کا سِلسلۂ نسب انھیں تک پہنچتا ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام قیدار تھا۔ انھیں قیدار کی اولاد میں ایک عدنان تھے جن کی اولاد تمام حجاز پر

Marfat.com

چھا گئی۔ اِس اولاد میں بھی خاندانِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہمیشہ اور ہر زمانہ میں خصوصی امتیاز حاصل رہا۔ وہ پہلا شخص جس نے سب سے پہلے اِس خاندان کو قریش کے لقب سے ملقب کیا وہ نضر بن کنانہ تھا۔ نضر کے بعد فہر اور قصیّ بن کلاب کو اس عہد میں بڑا شکوہ و اقتدار نصیب ہُوا۔ اس دَور میں قبیلہ خزاعی کے ایک رُکن حلیل، حرم شریف کے متولی تھے۔ اُن کی لڑکی حبّیٰ کی شادی قصیّ کے ساتھ ہُوئی۔ اس وجہ سے حرم شریف کی تولیّت بھی قصیّ کے خاندان میں آگئی جس سے اُس کے اقتدار میں چار چاند لگ گئے اور مکّہ میں ایک دارُالنّدوہ قائم ہوگیا۔ جب کوئی اہم صورت درپیش ہوتی، کوئی انتظام کرنا ہوتا یا جنگ و صُلح کی کوئی گُفت گو کرنا ہوتی تو پہلے اسی دارُالنّدوہ میں سب مل کر مشورہ کرتے۔ تمام تقاریب بھی اِسی عمارت کے اندر انجام پذیر ہوتیں۔ اِسی وجہ سے اس عمارت نے بھی اُس زمانہ میں خاص اہمیّت حاصل کرلی تھی۔ (زرقانی)

قصیّ کا ایک یادگار زمانہ کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے زائرینِ حرم کی مہمانداری اور طعام و قیام کا بندوبست کیا۔ حجّاج کے لیے پانی کے حوض تعمیر کیے، اور مشعرِ حرام بنایا جس پر چراغاں کیا جاتا تھا۔ اِس تمام انتظامات کے لیے ایک رقم کا بھی تعیّن ہوگیا۔ اِس سے تمام عرب میں اِس خاندان کو عزّت و عظمت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور زائرین کے لیے بڑی سہولتیں پیدا ہوگئیں۔ قریش کو بھی حرم کے اِردگرد قصیّ نے آباد کیا۔

قصیّ کے بعد تمام مناصب عبدالدّار کو ملے اور اس سے اس کے بھائی عبدِ مناف کے قبضے میں آئے۔

ہاشم کے کارنامہ ہائے جلیل

یہی عبدِ مناف حضرت سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مُورثِ اعلیٰ ہیں۔ ان کے چھ بیٹوں میں ہاشم سب سے زیادہ بااثر، ذی اقتدار اور جری انسان تھے۔ اُنھوں نے بڑے شکوہ و احتشام کے ساتھ زندگی بسر کی۔ ہر طرف اپنی دھاک بٹھا دی۔ تجارت کو بھی بے حد ترقّی دی اور سب سے بڑا کام یہ کیا کہ شاہِ حبش سے خط و کتابت کر کے عربوں کی مالی تجارت پر ٹیکس نہ لگنے دیا اور اس کے فرمان حاصل کر لیے اور عربوں کی تجارت کو دُور دراز ممالک تک وُسعت دی۔

اس وقت تجارت تو تھی مگر محدُود، کیوں کہ راستے بے حد خطرناک تھے۔ ہاشم نے تمام عرب میں دَورے کیے۔ قبائل کو معاہدات کی زنجیروں میں جکڑا اور عہد لیا کہ وُہ قُریش کے کاروانِ تجارت کو نقصان نہ پہنچائیں گے۔ ہاشم کی اتنی عزّت تھی، اتنا وقار تھا کہ قیصرِ رُوم خُود اُنھیں عزّت و تکریم کے ساتھ اپنے پاس بٹھاتا اور گفت گو کیا کرتا تھا۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ہاشم حُجّاج کی میزبانی بھی بڑی فراخ دِلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

غرض یہ کہ ذی جاہ و ذی حشمت ہاشم اپنے عہد کے نہایت ہوش مند اولوالعزم اور صاحبِ اثر بزرگ تھے۔

عبدالمطّلب کا دَبدبہ اور وقار

ہاشم نے بنی نجّار کی ایک شریف و حسین خاتون سلمٰی سے مدینہ میں شادی کر لی تھی جس سے شیبہ پیدا ہوئے۔ ہاشم ملک شام کی طرف گئے تو وہیں ان کا انتقال

Marfat.com

ہو گیا۔ آٹھ برس کے بعد ہاشم کے بھائی مُطّلب مدینہ پہنچے اور اپنے بھتیجے شیبہ کو اپنے ہمراہ مکّہ لے آئے اور خود ان کی پرورش کرنے لگے۔ عرب کے محاورہ کے مطابق شیبہ کا نام اپنے چچا کے نام کی نسبت سے عبدالمطلب پڑ گیا اور وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ (طبرانی)

عبدالمطّلب کی رگوں میں ہاشم ہی کا خون دوڑ رہا تھا اس لیے انھوں نے بھی اپنے باپ کی طرح نہایت صولت و اقتدار کی زندگی بسر کی۔ آپ نے چاہِ زمزم کو نئے سرے سے تعمیر کیا۔

انھوں نے منّت مانی تھی کہ میرے جو دس فرزند ہیں اگر یہ میرے سامنے میری زندگی میں جوان ہو گئے تو ان میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔

چنانچہ اُن کی زندگی میں یہ دسوں بیٹے جوان ہو گئے تو ان کو اپنی منّت یاد آئی اور وہ اپنے ایک بیٹے کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ سب بیٹوں کو اکٹھا کیا اور قرعہ اندازی شروع کی۔ قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلا۔ جب عبداللہ کو قربان گاہ کی طرف لے جایا جانے لگا تو اُن کی والدہ رونے لگیں۔ آخر بزرگوں کی رائے سے یہ طے پایا کہ عبداللہ کے نام کے ساتھ دس دس اونٹوں کی قرعہ اندازی کی جائے۔ اس طرح جتنے اونٹوں پر قرعہ نکلے عبداللہ کے بجائے اُتنے اونٹ قربان کر دیئے جائیں۔ پہلی قرعہ اندازی ہوئی تو عبداللہ ہی کا نام نکلا۔ ہر مرتبہ دس دس اونٹ بڑھا کر قرعہ اندازی ہوتی رہی اور ہر بار عبداللہ ہی کا نام نکلتا رہا۔

Marfat.com

آخر کار دسویں مرتبہ قرعہ اونٹوں کے نام پڑا۔ تب عبد اللہ کے بجائے ایک صد اونٹ قربان کر دیے گئے۔

عبد المطلب کے متعدد فرزند تھے جن میں سے عبد اللہ، حمزہ، عباس اور ابوطالب کو شہرت حاصل ہوئی۔

حضرت عبد اللہ کی شادی قبیلہ زہرا کی ایک لڑکی آمنہ خاتون سے ہوئی جو قریش کے تمام شریف اور مقتدر خاندانوں میں ممتاز رتبہ و درجہ کی حامل تھیں۔ (سیرت ابن ہشام)

شادی کے چند ماہ بعد حضرت عبد اللہ تجارت کی غرض سے شام کی طرف گئے اور وہاں بیمار ہو گئے۔ جب بیماری بڑھ گئی تو بھائیوں کی معیت میں مکہ واپس روانہ ہوئے لیکن راستے کی دشواریوں کی وجہ سے بیماری خطرناک شکل اختیار کر گئی اور آپ عین عنفوانِ شباب کے عالم میں راستہ ہی میں وفات پا گئے اور حضرت آمنہ خاتون بیوہ ہو گئیں۔

معاندین کا اعتراض

سر ولیم میور وہ یورپین فاضل ہیں جنھیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے اتنا بغض و عناد ہے کہ انھوں نے آپ کے نسلِ ابراہیم ہی سے ہونے سے انکار کر دیا۔ اس کے برعکس ایک اور یورپین فاضل فارسٹر صاحب ہیں جو یہی نہیں کہ قریش کو بلکہ تمام شمالی عرب و حجاز کے باشندوں کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل سے بتاتے ہیں۔ نولدیک اور مارگو ساس کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسلِ ابراہیم علیہ السلام ہونے

Marfat.com

سے تو انکار نہیں البتہ یہ لکھتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم قریش کے ایک غریب اور ادنیٰ خاندان سے تعلّق رکھتے تھے۔

ضرور آپ کے والدین غریب تھے لیکن آپ کی شرافتِ نسبی میں تو آپ کے شدید سے شدید معاند کو بھی شک نہ ہو سکا۔

کفّارِ عرب آپ کو غربت، عسرت، افلاس اور جادوگری کے طعنے دیتے تھے مگر آپ کی نسبی شرافت پر کسی کو اعتراض نہ تھا اور نہ ہو ہی سکتا تھا۔ جو انسان انبیاء کی اولاد سے ہو، نسلِ ابراہیمی سے ہو، ہاشم کی اولاد میں ہو، قریش کے ممتاز قبیلہ کا چشم و چراغ ہو تو بھلا اس کی شرافت و نجابت کا کیا کہنا، اس کی نجابت و شرافت کو تو آفتاب سے بھی زیادہ روشن کہا جائے گا۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ ۞

اچھّا بچّہ

ظہورِ نور

رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ۱۲-اپریل ۵۷۱ء کو کتمِ غیب سے منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے اور پوری کائنات نے اس ظہورِ قدسی پر ادب سے سر جھکا لیا۔ فضائے بسیط میں ایک شورِ مسرّت و شادمانی بلند ہو گیا کہ :

* وہ آیا جو کفر و شرک کی ظلمتوں کے طلسم کو توڑ کر رکھ دے گا۔
* وہ پیدا ہوا جو ایک دنیا کو خارزارِ غم و اذیت سے نکال کر آرام و سکون کے فردوس میں پہنچائے گا۔
* وہ پھول کھلا جس کی نکہت بیزیاں اور تر دستیاں مشامِ عالم کو معطّر و معنبر کر کے رکھ دیں گی۔
* وہ ہادی نمودار ہوا جس کی تعلیم و تلقین تا قیامِ قیامت بندگانِ خدا کو ہدایت و نجات کی راہیں بتاتی رہے گی۔

فضائے عالم میں گامزن ہونے سے پیشتر ہی شفیق باپ دنیا سے منہ موڑ گیا تھا مگر دنیا والے بے خبر ہوں تو ہوں لیکن عالمِ بالا کی کلی کلی، پتّا پتّا، ذرّہ ذرّہ، سیّارہ و ثوابت سب سمجھتے اور جانتے تھے کہ یہ یتیم بچّہ ہی پل بڑھ

Marfat.com

کر اور جوان ہو کر یتیموں کا ماوی اور ضعیفوں کا ملجا بنے گا۔

دادا بھی نہال تھا اور بیوہ ماں بھی ہزار جان سے قربان ہو رہی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ بیٹے کی نشانی سامنے آ گئی ہے اور یہ کہتی تھیں کہ مرنے والے کی یادگار آغوش میں آ پڑی۔

کائنات میں غل تھا کہ "نورِ ایزدی" اپنی پوری درخشانیوں کے ساتھ چمکا ہے۔ ماں نے چوما، دادا نے پیار کیا۔ ساتویں روز دادا نے بڑے تزک و احتشام اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ عقیقہ کیا۔ تمام قریش کو مکلف و شاندار دعوت دی۔ سب خوش تھے اور ہر طرف مبارک باد کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

لوگوں نے پوچھا: نام کیا رکھا؟

فرمایا: محمدؐ، کہ میرا بچہ دنیا بھر کی توصیف و ستائش کا مستحق ہو مگر دادا کو کیا خبر تھی کہ قدرت خود ہی اُن کی زبان سے ایک حقیقت کا اعادہ کرا رہی ہے۔

رضاعت

اُس دور کے عرب میں ایک عام قاعدہ تھا کہ شہروں کے رؤسا اپنے بچوں کو پرورش و پرداخت کے لیے دیہات و قریات میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اس سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ بچہ کی زبان بھی سنور جاتی تھی کیوں کہ شہروں کی زبان خالص و غیر ممزوج نہیں رہتی۔ دیہات کے اندر پل بڑھ کر بچوں میں فصاحت و بلاغت کے جوہر پیدا ہو جاتے تھے۔ عرب میں یہ دستور بنی اُمیّہ کے عہد تک برابر قائم رہا۔

Marfat.com

بنی اُمیّہ کے شہزادے صحراؤں کے بدوؤں ہی میں پلے بڑھے تھے۔ ایک شہزادہ ولید ہی کسی وجہ سے محل میں پل کر جوان ہُوا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صحیح عربی نہ بول سکتا تھا۔

دو تین روز تو ابُولہب کی کنیز ثوبیہ نے دُودھ پلایا اس کے بعد آپ حلیمہ سعدیہ کے سپُرد ہوئے۔ سال میں دو تین مرتبہ عورتیں دیہات سے آتیں اور بچّوں کو پرورش کے لیے ساتھ لے جاتیں۔ اس مرتبہ بھی قبیلہ بنی ہوازن کی چند عورتیں آئیں۔ انھیں میں حضرت حلیمہ بھی تھیں۔ سب عورتوں کو بچّے مل گئے مگر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یتیم سمجھ کر سب نے تامّل کیا۔ حضرت حلیمہ نے دل میں سوچا کہ خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے کہ اس یتیم بچّے ہی کو گلے سے لگا لیا جائے چنانچہ انھوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو گود لے لیا لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ وہ ایک ایسی دولتِ کونین حاصل کرکے لیے جا رہی ہیں جس سے دوسری عورتیں انکار کر چکی ہیں اور پہلے خود انھیں بھی تامّل ہو رہا تھا۔

حلیمہ بہت غریب تھیں، نادار تھیں لیکن جس روز وہ آپ کو ساتھ لے کر آئیں اور دُودھ پلانا شروع کیا اُسی روز سے اُن کی حالت سنبھلنا شروع ہو گئی۔ گھر میں بکریوں کے ریوڑ رہنے لگے۔ اس سے آپ کی محبت اور توجّہ میں بھی اضافہ ہو گیا۔ حلیمہ کی ایک بیٹی تھیں شیما۔ وہ آپ کو بہلایا اور دن بھر کھلایا کرتی تھیں۔

ابنِ اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ چھ سال تک حلیمہ کے آغوش میں پرورش پاتے رہے۔ آپ کبھی عام بچّوں کی طرح بے وقت نہ روتے اور نہ پریشان کرتے۔

Marfat.com

بہت کم روتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اپنی کھلائی پر پیشاب کیا ہو۔ بول و براز وقت پر کرتے تھے۔ ہمہ وقت کبھی حلیمہ اور کبھی شیما کی گود میں پڑے مسکراتے رہتے تھے۔

رضاعی بہن بھائی آپ کے چار رضاعی بہن بھائی تھے۔ ایک بہن تھی شیما اور تین بھائی تھے عبداللہ، انیسہ اور حذیفہ۔ ان سب کو آپ سے اور آپ کو اُن سے بہت محبت تھی، جو آخر دم تک برابر قائم رہی۔ حضرت شیما کے متعلق تو معلوم ہے کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر اوروں کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا۔

آپ کے رضاعی باپ کا نام حارث تھا۔ یہ آپ سے بہت شفقت کرتے تھے۔ اعلانِ نبوت ہوتے ہی آپ مکہ تشریف لائے۔ بڑی محبت سے ملے اور اسلام قبول کر لیا۔ (اصابہ فی احوال الصحابہ)

آپ اپنے کسی بہن بھائی کو افسردہ اور رنجیدہ دیکھتے تو خود بھی افسردہ ہو جاتے اور آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ عہدِ نبوت میں جب حلیمہ سعدیہ آتیں تو آپ جوشِ محبت اور فرطِ عقیدت سے کھڑے ہو جاتے۔ اپنے ہاتھ سے چادر بچھاتے اور انھیں بٹھاتے اور خود اُن کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ جاتے۔ اکثر تحفہ تحائف بھی انھیں برابر بھیجتے رہتے تھے۔ آپ کی اپنی والدہ محترمہ کا انتقال تو چھ ہی برس کی عمر میں ہو گیا تھا آپ انھیں ہی ماں سمجھتے رہے۔

بچپن کی یاد جب سن شریف چھ برس کا ہوا اور آپ حلیمہ سعدیہ کے پاس سے واپس آئے تو آپ کی والدہ آپ کو

Marfat.com

اپنے میکے مدینے گئیں۔ ایک ماہ تک وہاں مقیم رہیں اور یہیں اُن کا انتقال ہو گیا۔ آپ گو ابھی بچّہ ہی تھے مگر عام بچّوں سے زیادہ عقل اور سمجھ بُوجھ رکھتے تھے۔ والدہ ماجدہ کی دائمی جُدائی کو بخوبی محسوس کر سکتے تھے اس لیے کئی روز تک آپ برابر روتے رہے اور بہت بے چین رہنے لگے۔

آپ کو اپنے بچپن کے قیام مدینہ کی بہت سی باتیں عالمِ شباب میں بھی یاد تھیں۔ ایک دفعہ عہدِ نبوّت میں جب آپ بنو عدی کی منازل سے گزر رہے تھے تو فرمانے لگے کہ :

"مجھے اچھی طرح آج بھی یاد ہے کہ یہی وہ تالاب ہے جس میں مَیں نے تیرنا سیکھا تھا اور اُس گھر میں میری والدہ محترمہ قیام گزین ہُوئی تھیں۔ اسی میدان میں انیسہ کی ایک لڑکی کے ساتھ مَیں کھیلا کرتا تھا۔ آج بھی مجھے سب کچھ مستحضر ہے۔

بچپن کی سلیم الطبعی

آپ بہت ہی سلیم الطبع تھے۔ بچپن میں اس تمیز و سلیقہ کے ساتھ رہتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔

بچپن تو مدہوشی کا زمانہ ہوتا ہے۔ کون سا بچّہ ہے جو خاک و دھول میں نہیں لوٹتا لیکن حلیمہ سعدیہ کے بیان کے مطابق آپ کی تمیزداری کا یہ عالم تھا کہ جب کھیلتے صاف زمین پر کھیلتے۔ کبھی ایسا نہیں ہُوا کہ کھیل کے دوران آپ دُوسرے بچّوں سے لڑے جھگڑے ہوں۔ دُودھ بھی وقت پر پیتے اور روٹی بھی وقت پر کھاتے۔ بول و براز بھی وقت پر کرتے اور کھیلتے بھی وقت ہی پر تھے۔ ایسی تمیز اور ایسے سلیقہ سے باتیں کرتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ جو کپڑے پہنا دیے

Marfat.com

جاتے تھے انھیں ہر وقت صاف ستھرا رکھتے تھے۔ کبھی آپ کو جھنجلاہٹ پیدا نہ ہوتی تھی۔ کبھی بُرے، مذموم اور نا ملائم الفاظ زبان مبارک پہ نہ لاتے تھے۔ بچپن میں اتنی تمیز اور اتنا سلیقہ دُنیا میں بہت کم دیکھا گیا ہے۔ یہ باتیں عمر کے اُس دور کی ہیں جب بچوں کو دُنیا و مافیہا کا کچھ ہوش نہیں ہوتا۔

آغوشِ جد میں تربیت

والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو اپنے آغوشِ تربیت میں لے لیا۔ دو ہی سال کے بعد عبدالمطلب بھی وفات پا گئے۔ آپ کو اپنے دادا جان سے بے پناہ محبت اور اُنسیت تھی۔ جب دادا جان کا جنازہ چلا ہے تو اُس کے ساتھ یہ ہشت سالہ بچہ بھی سوگوار و غمزدہ چل رہا تھا جس کی آنکھیں دجلہ و فرات بنی ہوئی تھیں۔

عبدالمطلب کی موت اِس اعتبار سے اور بھی زیادہ صدمہ انگیز تھی کہ اس موت سے اقتدارِ ہاشمی پر بڑی کاری ضرب پڑی یعنی بنو اُمیہ، بنو ہاشم پر غالب آگئے اور اقتدار بنو ہاشم سے چھن گیا۔

دادا جان کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کو انتہائی محبت کے ساتھ پرورش کیا۔ جب آپ کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو آپ کے شفیق چچا نے بکریاں چرانے کی خدمت آپ کے سپرد کی جو عرب کا ایک بیحد شریفانہ پیشہ تصور کیا جاتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کئی سال تک یہی پیشہ سرانجام دیا تھا۔

آپ کی والدہ ماجدہ بھی بہت عقل مند اور دور اندیش خاتون تھیں انھوں

Marfat.com

نے ابتدا ہی سے آپ کو دلیرانہ اور شجاعانہ کھیلوں کی تربیت دی۔ ورزش کرائی کشتی لڑنا اور تیرنا سکھایا۔ تلوار، نیزہ اور تیر چلانا بھی آپ نے بچپن ہی میں سیکھ لیا تھا اور اب اپنے چچا کے زیر سایہ بھی برابر سیکھتے رہتے تھے۔

شام کا سفر

شفیق چچا کی دلی آرزو تھی کہ آپ تجارت کا کاروبار کرنا بھی سیکھ لیں۔ اس لیے سفر میں آپ کو اکثر اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ عرب کی اخلاقی حالت اُس وقت بہت خراب تھی اور صحبتیں مذموم تھیں لیکن آپ ہمیشہ ایسی مجلسوں سے علیحدہ رہتے۔ خرافات میں آپ نے کبھی حصّہ نہیں لیا تھا۔

ایک دفعہ شام کے سفر میں آپ بھی اپنے چچا کے ہمراہ تھے۔ چچا نے بحیرہ راہب کی خانقاہ میں قیام کیا۔ بوڑھے راہب نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ آپ کا یہ فرزند سردار انبیاءؐ ہوگا کیونکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے جب آپ دونوں پہاڑ پر سے اُتر رہے تھے تو میں نے ایک حیران کُن منظر دیکھا تھا کہ پہاڑ کے تمام درخت اور پتھر اس بچّے کی تعظیم کے لیے جُھک رہے تھے، سجدے کر رہے تھے۔ خُدا کی پاکیزگی بیان کر رہے تھے۔

چچا اپنے بھتیجے کی نسبت اتنی بڑی خوش خبری سُن کر خوشی میں دیوانہ وار جھوم اٹھے۔ غرض یہ کہ آپ کا بچپن متانت و سلامت روی، ہوش مندی اور شرافت و نجابت کا بھرپور مظہر تھا۔

Marfat.com

شریف جوانی

عرب کی جوانی

"جوانی دیوانی" مشہور ہے۔ جب جوانی آتی ہے تو ایک طوفان بن کر چھا جاتی ہے۔ انسان اس کے مسرور کن نشے سے مدہوش ہو جاتا ہے۔ متوالا بن جاتا ہے۔ اس پہ ایک عجیب قسم کی دیوانگی طاری ہو جاتی ہے۔ اُسے دُنیا حسین و جمیل دکھائی دینے لگتی ہے۔ ہر شئے اس کی طرف کھنچتی چلی آتی ہے۔ چمن زیست کی بہار آفتاب حیات کی ضیا، پھولوں کی نکہت، کلیوں کی نزاکت اگر ہے تو جوانی ہے۔ باغوں گلزاروں چمنستانوں میں جب بہار آتی ہے تو شاخ شاخ، ڈالی ڈالی اور پتے پتے پر کیف آور نکھار ہوتا ہے۔ سبزہ کی وہ فراوانی ہوتی ہے کہ نظر نہیں ٹھہرتی جس درخت پر نگاہ پڑتی ہے وہیں جم کر رہ جاتی ہے۔ بالکل یہی عالم جوانی میں انسان کا ہوتا ہے۔ جوش جوانی میں نشیب و فراز کچھ نہیں سوجھتا۔ جوانی میں صرف جوانی کو تباہ کرنے کی سوجھتی ہے۔ سینہ جوش جذبات سے لبریز ہوتا ہے اور جذبات میں سمندر کا طلاطم ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے۔

انسان جتنے گناہ کرتا ہے اِسی عُمر اور اِسی عالم میں کرتا ہے۔

جوانی اور پھر عرب کی جوانی — پناہ بخدا!

Marfat.com

اور جب حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھرپور عالمِ شباب کے دور سے گزر رہے تھے تو اُس وقت عرب میں بادہ نوشی و مے خوری، زنا، فحش کاری قمار بازی و جنگ جُوئی، سرشاری و سرمستی غرض کہ ہر گناہ کی فراوانی تھی اور ہر معصیت کی وجہ سے جنگ و جدل، لڑائی جھگڑوں، بدمستیوں اور مے خوریوں میں عربوں کی جوانیاں گزرتی اور تباہ و برباد ہوتی چلی جارہی تھیں۔ صحبت خراب فضا مکدر، زمانہ پُر آشوب، جوانی کا جوش، خدا ترسی کا تو وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ معاصی و مناہی کے سمندر اُمنڈ رہے تھے اور عرب کا ہر جوان بس انھی میں غوطے لگا رہا تھا۔

رسُولِ کریم کی جوانی

لیکن! رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی ان تمام لغویات و خرافات سے مُبرّا تھی۔ آپ جوان تھے اور جوان بھی تنومند، صحت مند، اور انتہائی حد تک حسین و جمیل۔ ذرّے ذرّے کی نگاہیں آپ کی طرف اُٹھتی تھیں۔ ہر کہ و مہ کی نظریں آپ پر پڑتی تھیں لیکن آپ کی نظر کسی طرف بھی نہ اُٹھتی تھی۔ آپ نے اپنے شباب و جوانی کا پُورا دَور تجرُّد میں گزار دیا، یہاں تک کہ کسی عورت کو نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ شراب کے قریب بھی نہ گئے۔ شراب کے چھلکتے ہوئے جام کو نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا۔ قمار بازی سے ہمیشہ دُور رہے۔ مذاق و استہزا سے کُلّی اجتناب برتتے رہے۔ شاعری و افسانہ گوئی سے بالکل پرہیز کیا۔

آپ نے اپنی فطرتِ سلیم اور خداداد ذہانت سے کام لیتے ہوئے بہت

Marfat.com

پہلے ہی ذمائم اخلاق کے عواقب و نتائج کا احساس کر لیا تھا اس لیے آپ نے اپنے دامن کو اخلاقی دھبوں سے بالکل بچائے رکھا اور ایک چھینٹ تک بھی نہ پڑنے دی۔ بُغض و حسد، کینہ و رعُونت، کبر و غیبت سے بھی مُجتنب رہے۔

آپ کی جوانی کیا تھی؟

شرافت و نجابت اور پاک بازی کا ایک پیکر تھی۔ جتنی صفاتِ محمُودہ اور محاسنِ ستودہ تک انسانی تصوُّر کی پہنچ ہو سکتی ہے وُہ سب آپ میں موجُود تھیں۔ عرب جیسے مزبلۂ اخلاق میں رہ کر جہاں کسی سیاسی و اخلاقی آئین و قانون کی حکومت و فرماں روائی نہ تھی آپ کے دامن کا آلودگیٔ ذمائم سے مجتنب رہنا اُس وقت ہی نہیں بلکہ آج تک ایک دُنیا کے لیے حیرت و استعجاب کا باعث بنا ہُوا ہے۔

غریبوں اور درد مندوں کی غم گساری

ظاہر ہے کہ انسان ایک حالت پر کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ یا تو وُہ محاسنِ اخلاق میں ترقی کرتا رہے گا، یا ذمائم اخلاق کی طرف قدم بڑھاتا چلا جائے گا۔ آپ کی بھی یہی حالت تھی۔ قلب جذبات کا پھوڑا بن کر رہ گیا تھا۔ کسی کی تکلیف دیکھ نہ سکتے تھے۔ کراہ سُنتے ہی مُنہ سے آہ نکلتی تھی۔ کسی کو مُصیبت میں مُبتلا دیکھ کر تڑپ جاتے تھے۔ یتیموں کی امداد، فلک زدوں کی دستگیری، مصائب زدوں کی غم گساری اور بے کسوں لاچاروں کی بے لوث اور بے غرض خدمت آپ کا شعارِ عمل تھا۔

دل سوزی و ہمدردی، عفو و درگزر، شرم و حیا، مُروّت و سیر چشمی،

Marfat.com

فیاضی و دریادلی، کرم و رافت، نرمی و شیفتگیٔ حق اور نفرتِ باطل آپ کی سرشت میں داخل ہو گئے۔ صدق و دیانت، پاک بازی و امانت، تدین و وفا آپ کا وطیرہ کار بن گئے۔ جس کسی سے بھی ملتے نہایت خوشی سے ملتے۔ جس سے بھی بات کرتے وہ مسرور ہو جاتا۔

دُنیا کے کسی بھی خطہ کی حالت کتنی ہی گری ہوئی ہو اور وہاں ذمائم اخلاق کی کتنی ہی فراوانی کیوں نہ ہو مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دُنیا نے عیب کو ثواب اور بُرائی کو اچھا سمجھا ہو کیوں کہ گناہ تو بہرصورت گناہ ہی ہوتا ہے۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ واقعی آپ تمام بُرائیوں اور بداخلاقیوں سے مُبرّا ہیں، کذب و فریب سے کوسوں دُور ہیں، جو زبان سے کہتے ہیں وہ عمل سے کر کے بھی دکھا دیتے ہیں اور بچپن سے اب تک کی آپ کی زندگی ہمہ قسم آلودگیوں سے پاک رہی ہے تو ان لوگوں کے معصیّت سے بھرپور سیاہ قلوب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انھوں نے متفقہ طور پر آپ کو "الامین" کا خطاب دے دیا اور سب لوگ پہلے سے بھی زیادہ آپ کو عزّت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

قیامِ امن کی مُنظّم مساعی

عرب میں دوسری بداخلاقیوں کے علاوہ ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں جنگ و جدل، سلب و نہب اور قتل و غارت کے طوفان برپا رہتے تھے۔ بدامنی و شورش کے سیلاب اُمڈ رہے تھے۔ ہر شخص سراسیمہ و پریشان نظر آتا تھا مگر کوئی کچھ نہ کر سکتا تھا معمولی سی بات پر

Marfat.com

جھگڑے کھڑے ہو جاتے تھے اور خون کی ندیاں بہنے لگتی تھیں۔

آخر نہ رہا گیا تو مکہ کا یہی "امین" آگے بڑھا۔ لوگوں کو جمع کیا، اکابر مدعو کیے گئے۔ اُن کے سامنے ملک کی بدامنی و بدحالی کا کچھ ایسا خوفناک مگر بے حد مؤثر نقشہ پیش کیا کہ سُننے والوں کے دل لرز اُٹھے اور اسی جلسہ اور اسی صحبت میں نگرانیِ حقوق اور قیامِ امن کے لیے ایک مُقتدر انجمن قائم ہو گئی جس میں بنو اسد، بنو زہرہ، بنو مطلب، بنو ہاشم اور بنو تمیم سب قابلِ ذکر اور ممتاز قبائل شریک تھے۔

اس مجلس میں جو ممبر شریک ہوتے اُن سے یہ عہد اور یہ اقرار لیا جاتا کہ وہ :

۱۔ بدامنیِ ملک کے ارتفاع کے لیے ہر امکانی سعی سے کام لیں گے۔

۲۔ مسافروں اور راہگیروں کے جان و مال کی حفاظت و صیانت میں مستعد و سرگرم رہیں گے۔

۳۔ غریبوں اور ضعیفوں کی دستگیری و اعانت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے۔

۴۔ زبردستوں کو زیردستوں پر ظلم و جور کرنے اور انھیں ستانے سے روکنے میں کوئی کوشش فروگزاشت نہ کریں گے۔

اس انجمن نے نہ صرف مکہ بلکہ عرب بھر میں بہ سلسلۂ قیامِ امن گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ خود بھی اس انجمن کے ایک سرگرم اور ذی وقار رُکن تھے۔ عرب تو کسی ایسی فلاح و بہبود کی حامل انجمن کا تصور

Marfat.com

بھی نہ کر سکتے تھے۔ یہ سب کچھ تو صرف آپ ہی کے ذہنِ رسا کا ایک کرشمہ تھا۔ آپ عہدِ نبوّت میں بھی اِس عدیم المثال انجمن کا ذکر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

نمبر 23

تعمیرِ بیتُ اللہ شریف

آپ پر زندگی کی ابھی پینتیس بہاریں ہی گزری تھیں کہ قریش نے کعبہ شریف کو ازسرِ نو تعمیر کرنے کا عزم کیا۔ تعمیر تو مکمل ہو گئی لیکن جب حجرِ اسود رکھنے کی نوبت آئی تو جھگڑا شروع ہو گیا۔ ہر قبیلہ کی یہی آرزو تھی کہ حجرِ اسود کے نصب کرنے کا شرف صرف اسی کو حاصل ہو۔ کئی روز تک جھگڑا چلتا رہا۔ قریب تھا کہ تلواریں بے نیام ہو جائیں اور صحنِ کعبہ میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ صورتِ حالات کی نزاکت کو بھانپ کر ابو امیّہ بن مغیرہ آگے بڑھا اور اُس نے رائے دی کہ اگر اِس جھگڑے نے طول کھینچا تو اِس سے سب کو یکساں نقصان پہنچے گا اِس لیے مناسب اور بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو ثالث مقرر کر لیا جائے۔ ثالث کا انتخاب متحدہ اور متفقہ رائے سے ہو، اور پھر جو فیصلہ یہ ثالث کر دے اسے سب بہ خوشی قبول کر لیں۔

چوں کہ ابو امیّہ بہت بوڑھا اور معمّر آدمی تھا۔ سب لوگ اُس کی عزّت بھی کرتے تھے اور جو رائے اُس نے پیش کی تھی وہ بھی بہت مناسب اور معقول تھی اِس لیے اُسے سب نے تسلیم کر لیا مگر اب انتخاب کا مسئلہ چھڑ گیا اور یہ بھی کچھ کم دشوار مسئلہ نہ تھا دراِس کی

چپیدگی بھی اُفقِ مکہ کو خونیں شفق سے رنگین کرسکتی تھی۔

بڑی بحث کے بعد یہ طے پایا کہ کل صُبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو وُہی ثالث قرار پائے۔

لوگ رات بھر بڑی بے چینی سے صُبح ہونے کے منتظر رہے۔

اور پھر!

یہ اتّفاق کی بات نہیں تھی بلکہ خود اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ ہی کی مرضی تھی کہ مجوّزہ صُبح کو سب سے پہلے صحنِ حرم میں قدم رکھنے والی ذاتِ گرامی رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کی ہستی ہو ورنہ ممکن تھا اگر آپ کے سوا حرم میں داخل ہونے والا کوئی اَور ہوتا تو پھر کوئی اختلاف پیدا ہوجاتا لیکن جب آپ کے چہرۂ پُرانوار پر لوگوں کی نظریں پڑیں تو سب خوش ہوگئے اور بہ یک آواز بول اُٹھے:

هٰذَا الْاَمِیْنُ رَضِیْنَاهُ!

"یہ امین ہے ہم سب اِس کے فیصلہ پر دل و جان سے رضامند ہیں"

تدبّر اور معاملہ فہمی کا شاندار مُظاہرہ

مشکلات کا خاتمہ تو اب بھی نہ ہُوا تھا۔ مطلعِ اُمّید ہنُوز مکدّر تھا بلکہ سوچا جائے تو صورتِ حال پہلے سے زیادہ نازک ہوگئی تھی جس میں صرف آپ کی ذاتِ اقدس ملوّث ہورہی تھی۔ وُہ اِس طرح کہ ہر قبیلہ کے دل میں اِک یہی آرزُو تھی کہ قُرعۂ انتخاب اب اُسی کے نام پر پڑنا چاہیے تاکہ حجرِ اَسود کو اُس کے مقام پر نصب کرنے کا شرف بس اُسے ہی حاصل ہو۔

Marfat.com

سب کی نگاہیں آپ کے رُخِ انور پر جم کر رہ گئی تھیں کہ دیکھیں آپ کی زبانِ صداقت سے کیا ارشاد ہوتا ہے۔ یہ بات آپ بھی بخوبی سمجھتے تھے کہ جس ایک قبیلہ کو یہ شرف حاصل ہُوا اور جس کے حق میں بھی یہ فیصلہ رکیا گیا اُس کے سوا باقی تمام قبائل اپنی محرُومی پر کبیدہ خاطر ہوں گے اور ممکن ہے، بہت ممکن ہے کہ قبائل کے درمیان پھر سے ایک ہولناک جنگ شروع ہو جائے اور تلواریں میانوں سے باہر آ جائیں۔

پھر فیصلہ ہو تو کس کے حق میں ؟

ہر قبیلہ برابر کا حق دار ہے اور مُدّعی بھی۔

ہر قبیلہ اپنے دل میں یہی آرزو لیے ہوئے ہے۔

کتنی نازک صُورت تھی۔

بظاہر تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ فیصلہ کسی ایک ہی قبیلہ کے حق میں ہوگا۔ یہی قبائل بھی سمجھتے تھے اور سمجھنا بھی چاہیے تھا کیوں کہ ثالث کرتے بھی تو یہی کچھ ہیں۔ اگر آپ اِس موقع پر لااُبالی پن اور بے پروائی نہ سہی معمُولی غور سے بھی کام لیتے تو جھٹ سے کسی ایک قبیلہ کے حق میں فیصلہ کر کے بریُ الذِّمّہ ہو جاتے۔ آپ کی بلا سے پھر کوئی لڑتا یا خاموش ہو جاتا۔ اگر سب قبائل خاموش بھی رہتے اور اقرارِ عہد کا پاس بھی کرتے تو پھر بھی اندرُونی طور پر دلوں میں تو کدورت رہ ہی جاتی۔

لیکن !

جہاں آپ اوّل درجہ کے اِنصاف پسند اور قوم پرور واقع ہُوئے

تھے۔ دل میں مُلک و قوم کی تباہ حالی کا درد تھا وہاں آپؐ ایک بے مثل مُدبّر بھی تھے۔ آپؐ نے اُن کی اُن بن معاملہ کے ہر پہلو پر نظر دوڑالی اور پھر چند لمحوں کے بعد فیصلہ صادر فرما دیا۔ فیصلہ بھی ایسا کہ جس کی نظیر دُنیا کے کسی دَور میں بھی آج تک پیش نہیں کی جا سکی۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا :

"مَیں تمام قبائل کو ایک نظر اور ایک نگاہ سے دیکھتا ہُوں۔ سب کے دعاوی یکساں وزن رکھتے ہیں۔ کسی ایک کے حق میں فیصلہ کرنا اور باقی قبائل کو اِس شرف سے محروم کر دینا گو نہ زبردستی اور صریحًا ناانصافی ہوگی اِس لیے مَیں چاہتا ہُوں کہ سبھی قبائل اِس سعادت سے شرف یاب ہوں لہٰذا میری تجویز یہ ہے کہ آپ اپنے اپنے قبیلے میں سے ایک ایک سردار منتخب کر کے میرے سامنے پیش کریں۔ مَیں اپنی چادر کو زمین پر پھیلا دُوں گا۔ چادر پہ درمیان میں حجرِ اَسوَد کو رکھ دیا جائے گا۔ اِس چادر کو سب سردار اُٹھا کر آہستہ آہستہ موقع نصب کے برابر لے جائیں گے اور پھر چُونکہ مَیں تمام قبائل کا منتخب کردہ ثالث ہُوں کسی ایک قبیلہ کا نمائندہ نہیں ہُوں خود حجرِ اَسود کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر اُس کی جگہ میں نصب کر دوں گا اِس طرح ہر قبیلہ اِس شرف کو حاصل کرنے میں بھی شریک ہو جائے گا اور حجرِ اَسود کی تنصیب بھی تمام قبائل ہی کی طرف سے سمجھی جائے گی، کیوں کہ میرا ہاتھ سب کی یکساں نمائندگی کا حامل ہے۔"

سب کے چہرے خوشی و مسرّت سے چمک اُٹھے۔ ہر طرف سے

تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں اور یہ معاملہ بہ حسن و خوبی انجام پاگیا۔

اس فیصلہ سے مکہ میں آپ کے تدبر و عقل کا بھی سکہ بیٹھ گیا۔ تمام عرب میں چرچے ہونے لگے اور اس دن سے آپ کو گونہ قائدانہ منزلت حاصل ہو گئی۔ اہم و نازک مسائل میں بوڑھے اور جوان آپ سے مشورے لینے لگے۔ دنیا میں بڑے بڑے پیچیدہ معاملات کے فیصلے ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں لیکن قومی اہمیت اور ملکی حیثیت کے جس پیچیدہ مسئلہ کا فیصلہ آپ نے کیا ہے اور جس خوبی کے ساتھ کیا تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آج بھی اگر ہم نہ سمجھیں تو یہ الگ بات ہے مگر بڑے بڑے فضلاء و حکماء تک جب اس کی نوعیت پر غور کرتے ہیں تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

رسوم مشرکانہ سے اجتناب

عرب میں کوئی اخلاقی قیود نہ تھیں۔ ہر طرف کفر و شرک اور عدوان و سرکشی کی گرد اڑ رہی تھی۔ آپ بھی کسی مذہب کے پابند نہ تھے۔ ہر شخص ہر کام کے لیے آزاد تھا۔ مشرکانہ رسوم تو اجتماعی و ملی حیثیت اختیار کر چکی تھیں جن کی ادائیگی مذموم نہیں بلکہ مستحسن سمجھی جاتی تھی۔

لیکن!

آپؐ کی فطرت سلیم نے آپؐ کو فطری طور پر ان رسوم سے الگ تھلگ رکھا۔ آپؐ نے کبھی بتوں کو اہمیت نہ دی۔ کبھی ان کی منت نہ مانی۔ کبھی انھیں نہ پوجا۔ کبھی ان کا نام نہ لیا۔ کبھی انھیں نہیں پکارا۔

Marfat.com

لوگ برہنہ ہو کر بتوں کو پوجتے تھے آپؐ کو اس سے نفرت تھی۔ وہ ان سے مرادیں مانگتے تھے آپؐ اس سے بچتے تھے۔

ایک دفعہ قریش نے آپؐ کی دعوت کی۔ مکلّف ظروف میں لذیذ کھانے آپؐ کے سامنے رکھے گئے۔ ان کھانوں میں اُن جانوروں کا گوشت بھی شامل تھا جو کسی بُت کے نام پر ذبح کیے گئے تھے۔ آپؐ کو یہ سنتے ہی از خود ایک کراہت سی پیدا ہوئی اور آپؐ نے صرف یہی نہیں کہ اُس گوشت کو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ جب تک وہ گوشت دسترخوان سے اُٹھا نہ لیا گیا آپؐ نے کھانا نہ کھایا۔

احباب کا مُوحّد حلقہ

آپؐ ویسے تو ہر ایک سے بڑے اخلاق کے ساتھ ملتے تھے لیکن دوستی صرف ایسے افراد سے تھی جو اُس وقت اخلاق و انسانیّت کے پیکر اور پاکیزہ طبیعت تھے اور جنھیں شہر میں عزّت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ان میں حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ بزرگ تھے جو برسوں آپؐ کے دوست رہے۔ ان سے آپؐ کی بڑی گہری دوستی تھی۔ ان کے علاوہ حکیم بن حزام اور ضماد بن ثعلبہ بھی آپؐ کے خاص دوستوں میں تھے۔ انھیں کے پاس آپؐ اُٹھا بیٹھا کرتے تھے۔

ضماد بن ثعلبہ عرب جاہلیّت میں جرّاحی و طبابت کا پیشہ کرتے تھے اور بے حد معزز سمجھے جاتے تھے۔ عہدِ نبوّت میں انھوں نے

ایک دفعہ دیکھا کہ آپؐ راستے میں جا رہے ہیں اور پیچھے پیچھے شریر لڑکوں کا ایک غول ہے جو تالیاں پیٹتا ہُوا چلا جاتا ہے۔ ضماد سمجھے کہ مکّہ والے سچ ہی کہتے ہیں کہ انھیں جنُون ہو گیا ہے۔

وُہ آپؐ کے قریب آئے اور بولے

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مَیں جنُون کا علاج کر سکتا ہوں۔ کہو تو تمھارا علاج بھی کر دُوں؟"

آپؐ نے بڑی گہری نظروں سے ضماد کی طرف دیکھا اور پھر آپؐ نے اُنھیں قرآن پاک کی چند آیات پڑھ کر سُنا دیں۔ جنھیں سُن کر ضماد بے حد متاثر ہوئے۔ ساری بات اُن کی سمجھ میں آگئی اور وُہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لے آئے۔

حکیم بن حزام حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچیرے بھائی اور آپؐ کے بہترین دوست تھے۔ دارالندوہ انھی کی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ ایک مُعزز رئیس تھے۔ عہدِ نبوت میں ایک مرتبہ گراں بہا ہدیہ لے کر حاضرِ خدمت ہوئے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"حکیم! تم میرے قدیم دوست ہو۔ مجھے بھی تمھارے ساتھ بے حد محبت ہے مگر مَیں مجبُور ہوں کسی غیر مُسلم کا ہدیہ قبُول نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر تم اِس کی قیمت مجھ سے لے لو تو مَیں اسے قبُول کر لُوں گا۔"

چنانچہ مجبوراً انھوں نے قیمت لے کر ہدیہ پیش کیا۔

Marfat.com

قیس بن سائب، عبد اللہ بن جحش، زید بن عمر، عیش بن ساعدہ، اور ورقہ بن نوفل سے بھی آپؐ کی دوستی تھی کیوں کہ یہ لوگ بت پرستی سے پہلے سے متنفر تھے۔

جوانی کی پُر جوش خدمات

آپ نے دیکھ لیا کہ اس عربی جوان نے اپنی جوانی اور بہارِ عمر کا زمانہ کس طرح گزارا، اور یہ بھی آپ نے ضرور محسوس کر لیا ہو گا کہ اعلانِ نبوت سے پیشتر ہی آپؐ میں قائدانہ جوہر بہ درجہ اتم موجود تھے اور ملک کی سیاست، قوم کے معاملات اور معاشرت کی اصلاح میں برابر کا حصہ لیا کرتے تھے۔ ایک قائد میں جتنے بھی جوہر ہو سکتے ہیں وہ بھی سب کے سب آپؐ کے اندر قدرت نے جیسے کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔

آپؐ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہنے کے عادی تھے۔ ہر وقت ملکی و معاشرتی اصلاح کا کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے تھے۔ آپؐ نے پورے پچیس سال تجرد کی حالت میں زندگی گزارنے کے بعد پہلی شادی حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کی جن کی عمر اس وقت چالیس سال تھی اور جو بیوہ بھی تھیں۔

جہاں پہلے آپؐ ایک منصف حصہ دار کی طرح کام کیا کرتے تھے وہاں اب آپؐ نے تاجر کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا اور اسے بھی آپؐ نے مستقل مزاجی، پورے جوش و خروش، فطری ایمان داری اور

پوری قابلیت کے ساتھ سرانجام دیا۔

پھر جوانی ہی کے عالم میں آپ معبودِ حقیقی کی طرف متوجہ ہوئے تو اِس میں بھی کمال کر دکھایا۔

غرض یہ کہ !

آپؐ کی جوانی !

شرافت و پاک بازی،

خدمت و کارِ اصلاح و عمل،

کا

ایک زندہ مظہر تھی !

اگر !

مسلمان چاہیں تو،

آج بھی !

اِس مشعلِ ہدایت و نور سے پوری روشنی حاصل کر سکتے ہیں !

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ ؕ

رائیونڈ میں ملنے کا پتہ :
مکتبہ قاسم العلوم رائیونڈ
ضلع لاہور (پاکستان)

Marfat.com

خوش مزاج شوہر

سرکارِ دو عالم رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کی حیاتِ ازدواجی بھی اپنے اندر پوری کشش رکھتی ہے اور آپؐ کی حیاتِ مبارک کا یہ پہلو بھی اتنا روشن و منوّر ہے کہ دُنیا آج بھی اس نور کی ضیا سے اپنے گھروں کے ازدواجی اندھیروں کو دُور کرسکتی ہے۔

کسی کو تو ایک یا دو یا شاذ چار بیویوں کے ساتھ گزارا کرنا ہوتا ہے لیکن آپؐ کے گھر میں بہ یک وقت متعدد بیویاں تھیں اور بیویاں بھی ایسی کہ جن میں عمر، حیثیت، علم اور مزاج کے گوناگوں فرق موجود تھے۔

آپؐ کی ازواجِ مطہّرات میں صاحبِ جمال بھی تھیں اور ذی علم بھی، دولت مندوں کی جگر گوشہ بھی تھیں اور معمولی حیثیت کے افراد کی نورِ چشم بھی، مکّہ کی رہنے والیاں بھی تھیں اور مدینہ کی رہنے والیاں بھی، اپنی ہم کفو بھی تھیں اور غیر کفو کی بھی، ایسی بھی تھیں جو بڑھاپے کی سرحد میں قدم رکھ چکی تھیں اور کم سن بھی تھیں، جو ہنوز دائرہ صغرسنی سے بھی ابھی باہر نہ نکل پائی تھیں، اُمرائے قبائل کی لختِ جگر بھی تھیں اور غربا کی نور العین بھی، عربوں کی لڑکیاں بھی تھیں اور یہودیوں کی بھی، اپنی رشتہ دار بھی تھیں اور غیر بھی، وہ بھی تھیں

جو عیش و راحت سے زندگی بسر کرنے کی آرزومند تھیں اور وہ بھی جو توکل اور قناعت کی حامل تھیں، ان میں نرم، ملائم طبع اور نازک مزاج بھی تھیں اور تیز، خشک اور تلخ مزاج بھی۔

غرض یہ کہ!

آپؐ کی بیوی کے روپ میں ہر رنگ، ہر طبع، ہر مزاج اور ہر قسم کی عورت موجود تھی جس سے آپؐ کو ہر روز اور ہر وقت واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ ازواجِ مطہراتؓ میں تمام ملکوتی صفات و محاسن بھی موجود تھیں لیکن اس کے باوجود ان میں کبھی کبھار باہمی چشمک و چپقلش بھی ہو جاتی تھی۔ ایک دوسری سے رشک بھی پیدا ہوتے تھے۔ آپس میں بسا اوقات نوک جھونک بھی رہتی تھی۔ شکایتیں بھی ہوتیں اور شکوے بھی ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ سب سے زیادہ نازک صورت یہ تھی کہ آپؐ کے گھر میں زر و دولت کے انبار نہ تھے، سیم و طلا کی تھیلیاں نہ تھیں۔ خوش حالی و فارغ البالی سے خانۂ نبویؐ کوسوں دور تھا۔ ہمیشہ فقر و فاقہ ہی میں بسر ہوتی تھی۔ غرض آپؐ کو انھی مختلف الخیال، مختلف المزاج اور مختلف الطبائع بیویوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا پڑتی تھی، اور علی الخصوص فقر و فاقہ ہی نہیں، اس عالم میں کہ ایک طرف آپؐ دنیا کو بانٹ اور کھلا رہے تھے، زندگی کا ہر لمحہ قیمتی تھا اور صد ہا ملکی، ملی، قومی، تمدنی، معاشرتی اور حربی ذمہ داریاں بھی آپؐ کے دوشِ مبارک پر تھیں۔

اُمّ المومنین
خدیجۃ الکُبریٰ رضی

سرورِ کائنات سردارالانبیا خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پچیس برس کی عمرِ مبارک میں حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کی، جو مکّہ کے ایک ممتاز و متموّل خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ اس سے پیشتر آپ دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ شادی کے وقت آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ بہت بڑی تاجرہ تھیں۔ مال دار اتنی تھیں کہ بقول طبقات ابنِ سعد جب کاروانِ تجارت مکّہ سے روانہ ہوتا تھا تو تنہا ایک ان کا مالِ تجارت تمام مکّہ والوں کے سامانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا۔

آپؐ چوں کہ پہلے ان کے تجارتی نمائندے رہ چکے تھے اور ان کا مالِ تجارت لے کر بصرہ اور شام تشریف لے جایا کرتے تھے اس دوران اور اس تعلق میں انھیں آپؐ کی شرافت و دیانت اور بزرگی و نیک مزاجی کا کچھ ایسا تجربہ ہوا کہ بہت متاثر ہوئیں اور خود نکاح کا پیغام بھجوایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کر کے نکاح کا پیغام منظور کر لیا اور پھر آپؐ کے ساتھ ان کی شادی ہو گئی۔

چوں کہ دونوں میاں بیوی کی عمروں میں کافی تفاوت تھا اس لیے بہت کم لوگوں کو توقع تھی کہ یہ بے جوڑ شادی دونوں کی زندگی کے لیے عنوانِ سعادت و مسرت ثابت ہوگی۔ شوہر غریب اور بیوی دولت مند،

Marfat.com

بیوی کی عُمر چالیس برس اور شوہر پچّیس برس کے سن میں۔ آپؓ تو خیر آپ ہی تھے مگر حق یہ ہے کہ اس دولت مند اور شریف خاتون نے بھی وُہ فداکاری دکھائی اور اس والہیت اور فدائیت کا ثبوت دیا جس کی نظیر اس عہد میں تو کیا غالباً کسی عہد میں بھی کہیں ڈھونڈے نہ مل سکے گی۔

جب حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اعلانِ نبوّت فرمایا، تو عورتوں میں سب سے پہلے آپ ہی حضور علیہ السّلام پر ایمان لائیں۔ آپ ہی نے نبوّت کی تصدیق کا شرف سب سے پہلے حاصل کیا اور پھر سَرد و گرم زمانہ میں ایسی خدمت، ایسی دل جوئی اور ایسی محبّت کی کہ زمانہ متحیّر رہ گیا۔

آپ کی وفات پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بہت صدمہ ہوا۔ جب کبھی یاد آجاتی تھیں تو آپؐ کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ بعض اوقات تو حضرت بی بی عائشہ صدّیقہؓ چڑ جاتی تھیں اور فرمانے لگتی تھیں کہ :

"کیا آپؐ ایک بوڑھی عورت کو یاد کیا کرتے ہیں ؟"

اس پر آپؐ فرماتے :

"عائشہ! تم انھیں کیا سمجھ سکتی ہو۔ انھوں نے اُس وقت میرا ساتھ دیا جب دُنیا میں کوئی میرا نہ تھا۔ اُس وقت میری دلجوئی کی جب کہ کائناتِ ارضی کا ذرّہ ذرّہ میرے لیے کانٹا بن چکا تھا اور مَیں اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کر رہا تھا۔"

واقعی آپ نے اپنا عیش، اپنا آرام، اپنی دولت غرض کہ سب کچھ آپ پر نثار کر دیا۔ اتنی مال دار و ممتاز خاتون مگر غریب شوہر کے سامنے زندگی بھر کبھی اُف تک نہ کی۔ ساری عمر انتہائی اطاعت و فرماں برداری میں گزار دی۔

مصیبت میں تو سایہ بھی انسان سے جدا ہو جاتا ہے لیکن اس شریف و پاک باز خاتون کے لیے راحت و مسرت اور سرد و گرم دونوں ایک تھے۔ کبھی تیوری پر بل نہ آیا اور کبھی جادۂ ثبات سے قدم کو لغزش نہ آئی۔ جوں جوں مصیبت بڑھتی جاتی اور تکالیف و آلام میں اضافہ ہوتا جاتا تو ادھر آپ کا جوشِ اطاعت و محبت بھی بڑھتا چلا جاتا اور آپ اس میں گم ہو کر رہ جاتیں۔

آج کے دور میں بیویوں، شریف اور جنّتی بیویوں کے لیے حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک اور محبت سے بھرپور زندگی ایک بہترین نمونۂ عمل ہے۔

حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا

آپ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی بڑی لاڈلی بیٹی تھیں۔ تفسیر و حدیث ادب و انساب اور اسرارِ شریعت میں کامل و اکمل تھیں۔ اکثر شعرا کے تمام قصائد انھیں ازبر تھے۔ (مسند ابن حنبل)

خطابت و تقریر میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھیں۔ خلافت راشدہ میں برابر فتوے دیا کرتی تھیں۔ آپ کی اس علمی فضیلت کا مشاہیر علماء کو

اعتراف رہا ہے۔ آپ بلاشبہ اپنے وقت کی ایک عالمہ و فاضلہ تھیں۔ انھیں صفات کی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری بیویوں سے زیادہ آپ سے اُلفت و محبت تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نو سال کی عمر میں شادی ہوئی تھی اور اٹھارہ برس کی عمر میں بیوہ ہوگئیں۔ چھیاسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا اور اڑتالیس سال بیوگی کی حالت میں گزارے۔ آپ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اُم المومنین حضرت سودہؓ

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد دوسری شادی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ سے کی تھی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ آپؐ نے تیسری شادی کی تھی۔

یہ سکران بن عمرو بن عبدِ وُد کے نکاح میں تھیں۔ یہ پہلے ایمان سے مشرف ہوئیں اور پھر ان کی ہدایت اور ترغیب سے سکران حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ پھر انھوں نے اپنے خاوند کے ساتھ مع اپنی والدہ کے حبش کی طرف ہجرت کی۔ سکران نے حبش ہی میں انتقال کیا تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مصائب کو جلد ختم کرنے کی غرض سے سنہ ۱۰ نبوی میں بعد از وفات خدیجۃ الکبریٰؓ ان سے نکاح کر لیا تھا۔

انھوں نے چند سال بعد اپنی باری کا وقت بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دے دیا تھا یعنی اپنی ذات پر اپنے محبوب کی محبوبہ کو تقدیم دی تھی۔

عشق میں ایثار ان ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔

اُم المومنین حضرت حفصہؓ

آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لختِ جگر تھیں۔ ان کا پہلا نکاح خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی السّلمی سے ہوا تھا جو سابقین میں سے تھے انھوں نے دو مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل کی تھی یعنی پہلے ہجرتِ حبشہ کی اور پھر ہجرتِ مدینہ بھی کی۔ بدر کی جنگ میں شریک ہوئے اور جنگِ اُحد میں زخمی ہو کر مدینہ شریف میں وفات پائی۔

جب حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ ہو گئیں تو کچھ عرصہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرتِ صدّیقؓ سے اپنی بیٹی کا ذکر کیا۔ وہ خاموش رہے جس کا مطلب انکار تھا۔ حضرت عمرؓ کو بڑا صدمہ ہوا۔ پھر آپؓ نے حضرت عثمانؓ سے یہی بات کہی کیوں کہ ان کی بیوی سیّدہ رقیہ بنت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فوت ہوتے تھوڑا عرصہ گزرا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں ابھی دوسری شادی نہیں کرنا چاہتا۔ اب تو حضرت عمرؓ کا دل ٹوٹ گیا اور کسی تیسرے سے ذکر کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ دل برداشتہ ہو کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت آمیز لہجہ میں دونوں حضرات کا واقعہ بیان کیا۔

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے واقعہ سن کر ارشاد فرمایا:

"حفصہ کی شادی اُس شخص سے ہوگی جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کا نکاح اُس لڑکی سے ہوگا جو حفصہ سے بہتر ہے۔"

Marfat.com

اس کے بعد آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کر لیا اور اپنی دوسری بیٹی اُم کلثومؓ کی شادی حضرت عثمان غنیؓ سے کر دی۔ حضرت حفصہؓ کے مزاج میں ذرا تلخی تھی لیکن نرم دلی میں بھی ممتاز تھیں۔ بہت زیادہ عبادت گزار تھیں اور اکثر روزہ سے رہتی تھیں۔ بہت پُر شکوہ اور باوقار تھیں۔ انھوں نے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں انتقال فرمایا۔

اُمّ المومنین حضرت زینبؓ

ان کا پہلا نکاح طفیل سے ہوا۔ ان کے بعد دُوسری شادی عبیدہ سے ہُوئی۔ یہ دونوں حضرات نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا حارث بن عبد المطلب کے بیٹے تھے۔ تیسری شادی عبداللہ بن جحش سے ہوئی جو آپؐ کے عم زاد بھائی تھے۔ یہ جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے تب حضورؐ نے خود ان سے نکاح کر لیا لیکن یہ نکاح کے بعد صرف تین ماہ زندہ رہیں۔ یہ خزیمہ کی بیٹی تھیں۔

اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ

ان کا اصلی نام ہند تھا۔ سلمہ ان کے ایک بیٹے کا نام تھا اسی کی نسبت سے اُمِ سلمہ مشہور تھیں۔ ان کی شادی عبداللہؓ بن عبدالاسد سے ہوئی تھی جو ابو سلمہ کے نام سے مشہور تھے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حقیقی پھوپھی برّہ کے فرزند تھے۔ دونوں میاں بیوی نے حبش کی طرف ہجرت کی اور پھر واپس مکّہ لوٹ آئے۔ دُوسری مرتبہ یہ دونوں اپنے بیٹے سلمہ کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو سلمہ کے دادا نے سلمہ کو چھین کر اپنے پاس رکھ لیا اور اُمِ سلمہؓ کو ان کے والدین نے نہ جانے دیا۔ آخر کار ابو سلمہؓ اکیلے ہی ہجرت کر کے مدینہ

Marfat.com

پہنچ گئے۔ اُمِّ سلمہؓ اور ان کا بچّہ مکّہ ہی میں رہے۔ ایک سال تک شوہر کی جُدائی میں متواتر آنسو بہاتی اور گریہ زاری کرتی رہیں۔ آخر کار عزیزوں کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا ہُوا تو بچّے کے ساتھ انھیں مدینہ جانے کی اجازت دے دی گئی اور عثمان بن طلحہ کلید بردار بیت الحرام نے جو ابھی اسلام نہ لائے تھے ان دونوں کو مدینہ میں پہنچا دیا اور خود واپس لوٹ آئے۔

ابوسلمہؓ اپنی ہمدرد و غم گسار بیوی اور معصوم بچّے کی واپسی پر بہت خوش ہوئے اور پھر جنگِ اُحد میں زخمی ہو کر شہادت پا گئے۔ اُمِّ سلمہؓ بیوہ ہو گئیں۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں یعنی چار معصوم بچّے تھے۔ عزیزوں سے دُور تھیں۔ کوئی سہارا نہ تھا۔ اِس خیال سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نکاح فرمالیا اور ان کے چاروں بچّوں کی پرورش اور تربیت آپؐ ہی کے زیرِ سایہ ہوئی۔

نہایت غیرت مند اور شریف خاتون تھیں۔ اپنی فیّاضی اور دریا دلی کے باعث "اُمّ المساکین" مشہور ہو گئی تھیں۔

ان کی وفات مدینہ منوّرہ میں ۵۹ھ کو ہوئی۔ عمر ۸۴ سال تھی۔

اُمّ المومنین زینبؓ بنتِ جحش

باپ کا نام جحش بن ایاب بن یعمر تھا اور ماں کا نام امیمہ بنتِ عبدالمطّلب جو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی تھیں۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ آزاد کردہ غلام تھے اور آپؐ نے ان کی پرورش کر کے اپنا لے پالک قرار دے دیا تھا اور انھیں زید بن محمدؐ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ آپؐ نے بڑی کوششوں سے زید کے ساتھ حضرت زینبؓ کا نکاح کرا دیا تھا جب کہ نہ زینبؓ راضی تھیں اور نہ

ان کے والدین اس شادی کے لیے رضامند تھے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے خیال سے اِس نکاح پر سب کو راضی ہونا پڑا، لیکن ہُوا وہی جس کا انھیں خدشہ تھا یعنی دونوں میاں بیوی میں ہر وقت ناچاقی رہنے لگی۔ آخر تنگ آکر زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مُطابق خُود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ شادی کرنا پڑی۔

بات دراصل یہ تھی کہ اُس دَور میں اگر کوئی شخص کسی لے پالک کو اپنا بیٹا بنا لیتا تھا تو پھر اس کی بیوی کو اپنی بہو سمجھتے ہوئے بیٹے کی موت کے بعد بہو سے شادی نہیں کرتا تھا بلکہ اسے اپنی بیٹی سمجھتا تھا۔ لیکن اس تبنیّت کی وجہ سے بے شمار جھگڑے پیدا ہو جاتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ کو یہ رسم ختم کرنا مقصود تھا۔ اس کے ختم کرنے کے لیے مثال بھی ایسی ہی مستحکم اور زبردست درکار تھی جس قدر کہ یہ رسم مضبوط اور قدیم تھی۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اِس مستحکم مثال کے لیے اور کون مَوزوں ہو سکتا تھا۔ تو بس حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپؐ کے شادی کرنے کی اصل وجہ یہی تھی۔

حضرت زینبؓ حسن و جمال میں بے نظیر تھیں اور زُہد و اتقا میں بھی مُمتاز تھیں۔ آپؐ کے ساتھ بہت محبت کرتی تھیں۔ عبادت و ریاضت میں بہت انہماک تھا۔ جو کچھ پاس ہوتا اور جو کچھ ملتا سب راہِ خُدا میں خیرات کر دیتی تھیں۔ انھوں نے بہ عمر ۵۲ سال ۲۰ھ میں وفات پائی۔

اُمّ المومنین حضرت جویریہؓ

الحارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں جو یہود کے ایک قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا۔

غزوۂ مریسیع کے جنگی قیدیوں کے ساتھ اسیر ہو کر مدینہ آئیں۔ اسلام قبول کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زوجیت سے مشرف ہوئیں۔ ان کی پہلی شادی مسافح بن صفوان مصطلقی سے ہوئی تھی۔

انھوں نے جب اُمّ المومنین کا شرف حاصل کر لیا تو صحابہ کرامؓ نے بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا یہ کہہ کر کہ یہ اب رسول کریمؐ کے رشتہ دار ہو گئے، اس لیے انھیں قیدی بنا کر نہیں رکھا جا سکتا۔

حضرت جویریہؓ کے دو بھائیوں عبداللہ اور عمروؓ بن الحارث نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ایک بہن عمرہؓ بنت الحارث بھی مشرف بر ایمان ہوئیں۔

انھوں نے ربیع الاوّل ۵۶ھ ہجری میں انتقال کیا۔

اُمّ المومنین اُمّ حبیبہؓ

رملہ نام تھا۔ ابوسفیان بن امیہ بن عبد شمس کی بیٹی تھیں۔ والدہ کا نام صفیہؓ تھا جو ابوالعاص بن امیہ کی دختر تھیں۔ بہت پہلے اسلام لے آئی تھیں۔ ہجرت حبش کے وقت ان کا شوہر عُبیداللہ بن جحش بھی ہمراہ تھا جو ہر وقت شراب کے نشے میں رہنے والا اور آوارہ مزاج تھا۔ حبش میں جب اس کا میل جول عیسائیوں کے ساتھ بڑھ گیا تو اس نے خود بھی عیسائیت قبول کر لی۔ اُم حبیبہؓ چوں کہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان خاتون تھیں اس لیے انھوں نے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد عُبیداللہ مر گیا تو یہ بیوہ ہو گئیں۔ پردیس میں تنہا رہ

Marfat.com

جانے سے ان کی پریشانیوں میں اضافہ ہو گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بے سہارا ہو جانے کا علم ہوا تو حبش وفد کو نجاشی کے نام دعوتِ اسلام کا مکتوبِ مبارک دے کر حبش روانہ کیا اسی وفد کے ذریعے ایک خط حضرت اُمِّ حبیبہؓ کو بھی ارسال فرمایا جس میں شادی کا پیغام تھا۔ نجاشی کو اپنا وکیل مقرر فرما کر وہیں نکاح پڑھانے کی اجازت بھی فرما دی تھی۔ چنانچہ نجاشی نے آپؐ کا نامہ مبارک پڑھتے ہی پہلے تو خود اسلام قبول کیا اور پھر بڑے ادب و احترام کے ساتھ اپنی ایک لونڈی کے ذریعے آپؐ کا یہ پیغام حضرت اُمِّ حبیبہ تک پہنچایا جو اُنھوں نے فوراً قبول کر لیا۔ اور نجاشی نے اپنے محل میں اراکینِ وفد اور ان مہاجرین کو جو ہجرت کر کے حبش پہنچے تھے اور ابھی تک یہیں مقیم تھے بُلا کر خود نکاح پڑھایا اور مہر کی رقم بھی خود ہی اُمِّ حبیبہؓ کو ادا کی اور جملہ حاضرین کو اس خوشی میں کھانا بھی کھلایا۔

کچھ دنوں کے بعد تمام مہاجرین اور حضرت اُمّ المومنین اُمِّ حبیبہؓ کو وفد کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ کیا اور بے شمار تحفے بھی خدمتِ اقدس میں ہدیہ کیے۔

آپؓ حمیدہ صفات، پاکیزہ ذات، نہایت جواد و عالی حوصلہ خاتون تھیں۔ آپ کی وفات ۴۴ھ مدینہ میں ہوئی۔

اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ کا نام حیّ بن اخطب بن شعبہ ہے اور آپ سبطِ ہارون علیہ السلام سے ہیں۔ آپ کا باپ قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا لہٰذا آپ یہودی النسل تھیں۔ والدہ کا نام برّہ بنت سموال تھا پہلے آپ کی

شادی سلام بن مشکم سے ہوئی۔ اس کے دوسری شادی کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوئی۔ کنانہ جنگِ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور اسیرانِ خیبر میں آپ بھی تھیں۔ ایک صحابی حضرت وحیہ کلبیؓ نے ایک لونڈی کی آرزو کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسیر عورتوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان میں سے لے لو۔ حضرت وحیہ کلبیؓ نے حضرت صفیہؓ کو پسند کیا لیکن اس میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ لوگوں نے کہا کہ صفیہؓ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سیدہ ہیں لہٰذا ان کو ایسے آدمی کے سپرد کرنا چاہیے جو ان کے شایانِ شان ہو کیونکہ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان سے بھی ہیں۔ کافی بحث مباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ ایک نبی کے خاندان سے ہونے کی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی حضرت صفیہؓ سے شادی کرنے کے مجاز ہیں۔

چنانچہ آپ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کرکے حلقۂ اسلام میں داخل کیا اور نکاح فرما لیا۔ آپؐ ان کی بہت دل جوئی فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کو ان کے ساتھ بہت محبت تھی۔

ایک مرتبہ آپ نے ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو پوچھا:

"کیا بات ہے صفیہؓ۔ کیوں رو رہی ہو؟"

آپؓ نے عرض کیا:

"حفصہؓ فخریہ کہتی ہے کہ ہمارا نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے اور مجھے حقیر سمجھتی ہے اور یہودی النسل ہونے کا طعنہ دیتی رہتی ہے۔ آج بھی اُس نے مجھے یہی طعنہ دیا ہے۔"

Marfat.com

آپؐ نے بڑے پیار سے مسکرا کر فرمایا :

"تم نے کیوں نہ یہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے بہتر کیوں کر ہو سکتی ہو جب کہ میرے باپ ہارونؑ ہیں اور میرے چچا موسیٰؑ ہیں اور یہ دونوں نبی تھے اور میرے شوہر محمدؐ ہیں اور یہ بھی نبی ہیں"۔

پھر ارشاد فرمایا :

"اچھا ہم آج ہی حفصہؓ سے بازپرس کریں گے اور تمہاری حیثیت خود اسے بتائیں گے اور اس وقت تک اس سے کلام نہیں کریں گے جب تک وہ تم سے معافی مانگ کر تمھیں راضی نہ کرے گی"۔

پھر جب تک حضرت حفصہؓ نے معافی مانگ کر حضرت صفیہؓ کو راضی نہ کر لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن سے راضی نہ ہوئے۔

حضرت صفیہؓ نے رمضان المبارک ۵۰ھ میں وفات پائی۔

اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ

آپ الحارث بن بجیر بن محرم بن رُوَیبہ کی بیٹی تھیں ــــ آپ کا نکاح ابی رہم بن عبد العزیٰ سے ہوا۔ اس سے پہلے آپ حویطب بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۷ ہجری میں عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ پہنچے تو یہ دوسری مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ حضرت عباسؓ عم النبی صلعم نے ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اور نکاح کا مشورہ دیا ان کی بہن اُمّ الفضل لبابۃ الکبریٰ حضرت عباسؓ کی بیوی تھیں۔ چناں چہ آپؐ نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ آپ کی وفات

Marfat.com

۱۵ سنہ ہجری میں ہوئی۔ اُس وقت آپ کی عمر اسّی سال تھی۔

بیویوں سے آپؐ کا سلوک

بشریّت سے کوئی بھی خالی نہیں۔ ازواجِ مطہّرات کو اکثر شکایات پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ باہمی چشمک بھی بسا اوقات رہتی تھی اور رشک بھی ہوتا تھا۔ یہ نہیں کہ آپ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اُن کے حُسن و جمال اور دوشیزگی کے باعث زیادہ محبّت کرتے تھے حالاں کہ اِس صفت میں تو حضرت زینبؓ اور حضرت صفیہؓ دونوں ہی ممتاز تھیں اور حضرت صفیہؓ تو حُسن و جمال میں تمام ازواجِ مُطہّرات سے بڑھ کر خوب صورت تھیں بلکہ وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ صدّیقہؓ اجتہادِ فکر اور علم و فضل میں یگانہ تھیں۔ اِس وجہ سے آپؐ ان سے زیادہ اُلفت و محبّت رکھتے تھے۔ دُوسری بیویوں کو ان سے رشک پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ اور دُوسری مرتبہ حضرت زینبؓ کو جنھیں ہر اعتبار سے ان سے دعوئ ہمسری تھا اپنا وکیل بنا کر بارگاہِ نبوی میں بھیجا اور انھوں نے اپنے نزدیک یہ ثابت بھی کر دیا کہ حضرت عائشہ صدّیقہؓ اِس رُتبہ کی ہرگز مستحق نہیں جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو دے رکھا ہے۔

پہلے تو حضرت عائشہ صدّیقہؓ خاموش بیٹھی سب باتیں سُنتی رہیں۔ پھر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اشارہ کرنے پر کھڑی ہوئیں اور وہ معرکۃ الآرا تقریر کی کہ وُہ سب لاجواب ہو کے رہ گئیں۔

آپؐ نے خوش ہو کر فرمایا:

"آخر تو ابو بکرؓ کی بیٹی ہے نا!"

آپؐ ہر روز تھوڑی دیر کے لیے اپنی ہر بیوی کے حجرے میں ضرور جاتے اور پھر شب کو باری باری ایک ایک کے حجرے میں آرام فرماتے۔ سب کچھ تھا مگر رشک نے مناقشت یا منافرت کی صورت کبھی اختیار نہ کی تھی ورنہ ازواجِ مطہراتؓ کے لیے اپنی سوت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے واقعہ افک سے بڑھ کر بدلہ لینے کا اور کون سا موقع موزوں ہو سکتا تھا اور پھر حضرت زینبؓ بنتِ جحش حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سب سے زیادہ حریف تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ افک کے بارے میں ان کی رائے دریافت فرمائی تو انھوں نے جواب دیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہؓ سے لاکھ اختلاف ہو وہ بات الگ ہے اور جہاں تک اس قبیح واقعہ کا تعلق ہے وہ میں حلفیہ اور قسمیہ یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ یہ اُس کی ذات پر صریح تہمت ہے۔ عائشہؓ نیک سیرت اور پاک طینت ہے۔"

سبحان اللہ یہ ایک سوت کے اپنی سوت کے متعلق خیالات ہیں۔ آخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات تھیں۔

آپؐ ہر معاملہ میں اپنی تمام بیویوں سے یکساں سلوک کرتے تھے۔ ان کا یکساں خیال رکھتے تھے۔ ان کے لباس و طعام بھی یکساں ہوا کرتا تھا اور ان کے ہاں آمد و رفت میں بھی کوئی امتیاز نہ تھا۔

اخلاقِ نبویؐ کی شانِ کرم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ بے حد خلیق اور نرم طبیعت تھے اس لیے

Marfat.com

ازواجِ مطہراتؓ بعض اوقات نازک مزاجی بھی دکھا دیتی تھیں لیکن آپ طرح دے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی باری کے دن حضرت صفیہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک پیالے میں کچھ کھانے کے لیے بھجوا دیا کیوں کہ حضرت صفیہؓ کا کھانا آپ کو بڑا مرغوب ہوتا تھا لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس بات کو اپنی ہتک سمجھا اور غصے میں آکر وہ پیالہ توڑ دیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر معاملہ ٹال دیا۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کسی بات پر غصے اور طیش میں بھر گئیں اور برہم ہو کر بلند آواز سے بولنے لگیں۔ اسی اثنا میں حضرت ابو بکر صدیقؓ ملاقات کے لیے حجرے میں تشریف لے آئے۔ جب آپؓ نے اپنی بیٹی کو شوہر کے سامنے یوں گرجتے برستے دیکھا تو غصہ کے مارے بے تاب ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے تھپڑ مارنے کو آگے بڑھے کہ:

"رسول اللہ سے گستاخانہ بات کرتی ہے"

لیکن آپ عجلت سے اٹھ کر درمیان میں آ گئے اور انھیں بچا لیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے میں بھرے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر چھیڑنے کی غرض سے فرمایا

"کیوں عائشہ بچا لیا نا! ورنہ ابھی مزاج ٹھکانے آ جاتا"

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی مسکرا کر شرمندہ ہو گئیں

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ کو آپ کے سامنے تلخ بولنے پر ڈانٹ بتائی تھی۔

Marfat.com

ایک دفعہ آپؐ کے حجرے میں ازواجِ مطہرات میں سے چند ایک اکٹھی بیٹھی تھیں۔ ایک دوسری سے ہنسی مذاق کی باتیں کرتے ہوئے زور زور سے بول اور ہنس رہی تھیں۔ خود حضورؐ بھی ان کے ساتھ شامل تھے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ تشریف لے آئے۔ تمام ازواجِ مطہراتؓ نے چپ سادھ لی اور گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئیں۔ ان کی ایک دم یہ حالت دیکھ کر آپؐ کو ہنسی آگئی۔

حضرت عمرؓ نے مسکرا کر ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا :

"عمرؓ! یہ تم سے بہت ڈرتی ہیں۔ ابھی تمھارے آنے سے پہلے خوب ہنس کھیل رہی تھیں مگر اب انھیں دیکھو تو جیسے ان میں سے کسی کی بھی زبان نہ ہو۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ بولے :

"بے وقوفو مجھ سے تو ڈرتی ہو لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے نہیں ڈرتیں جن سے میں تو کیا سارے مسلمان ڈرتے ہیں۔"

آپؐ بیویوں کے ساتھ نہایت خُلق اور نرمی سے پیش آتے تھے ان سے ہنسی مذاق بھی کرتے تھے ان کے ساتھ مسجد کے دیوار گیر صحن میں آگے پیچھے دوڑتے اور تماشہ بھی دکھاتے تھے۔

اکثر بیویاں بڑے ناز و نعم سے پرورش ہوئی تھیں اس لیے آپؐ کی زوجیت میں آنے کے بعد بھی ان کا دل چاہتا تھا کہ اچھا کھائیں اور اچھا اور قیمتی کپڑا پہنیں۔ سونے کے زیورات استعمال کریں۔ اس شکایت

Marfat.com

پر آپؐ برہم ہوئے اور فرمایا کہ میرے یہاں دولت نہیں ہے۔ آپؐ نے ایلا کر لیا جس پر سب بیویاں سنبھل گئیں۔

آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی کبھی سونے کا زیور نہ پہننے دیا تھا ایک دفعہ انھوں نے سونے کے کنگن پہنے تو ناراض ہوئے اور فرمایا۔

"عائشہؓ! اگر تم ورس کے کنگن زعفران سے رنگ کر پہنتیں تو اچھا تھا"!

بہت تنگی سے گزر ہوتی تھی۔

خیبر فتح ہوا تو بیس وسق جَو اور اسّی وسق کھجوریں ہر ایک بیوی کے واسطے الگ الگ مقرر کر دیا۔

یہ تھی آقائے دو جہاں سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی گزر بسر اور طرز معاشرت کہ دو دو ماہ چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی ویسے سلوک سب ازواج مطہراتؓ سے اچھا تھا اور سب کے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔

حضورؐ کی دعائیں عکسی

آفسٹ طباعت ○ چھ رنگا خوبصورت ٹائیٹل، بمعہ پلاسٹک کور

○

مسنون دعائیں مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری

آفسٹ طباعت ○ چار رنگا خوبصورت ٹائیٹل

Marfat.com

شفیق باپ

اولاد و احفاد

باپ کی حیثیت سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہت شاندار اور بے حد محبت بھری زندگی تھی۔ آپؐ کے آٹھ بچے ہوئے:

چار بیٹے: قاسمؓ، ابراہیمؓ، طیبؓ اور طاہرؓ

چار بیٹیاں: فاطمہؓ، زینبؓ، ام کلثومؓ اور رقیہؓ

بیٹے تو شیر خوارگی ہی کے عالم میں داغِ مفارقت دے گئے تھے البتہ بیٹیاں پلی بڑھیں، جوان ہوئیں اور بیاہی گئیں۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے باقی سات بچے حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے تھے۔ شادی کے بعد پانچ سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی۔ پھر سب سے پہلے حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی مکہ ہی میں ابوالعاص بن ربیع بن عبدشمس بن عبد مناف بن قصی سے ہوئی تھی۔ ابوالعاص کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ سیدہ زینبؓ تو اپنی والدہ کے ساتھ ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی تھیں لیکن ابوالعاص نے جنگِ بدر کے بعد

Marfat.com

بلکہ صلح حُدیبیہ کے بھی بعد اسلام قبول کیا تھا۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی دوسری بیٹی ہیں۔ سیدہ زینبؓ کی پیدائش کے وقت آپؐ کی عمر مبارک تیس سال تھی اور سیدہ رقیہؓ کی پیدائش کے وقت تینتیس سال تھی۔ ان کا نکاح مکہ میں ابوجہل کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا۔ جب آپؐ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اسلام دشمنی کی وجہ سے عتبہ نے سیدہ رقیہؓ کو طلاق دے دی۔ پھر آپؐ نے سیدہ رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمان غنی بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ اُس وقت یہ بات مکہ بھر میں مشہور ہو گئی کہ

"سب سے اچھا جوڑا جو دیکھا گیا ہے وہ رقیہؓ اور عثمانؓ ہیں۔"

سیدہ رقیہؓ کو ۲ھ ہجری میں چیچک کا عارضہ لاحق ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم جنگِ بدر کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو اُس وقت سیدہ بسترِ مرض پر تھیں۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ اور اسامہ بن زیدؓ کو ان کی تیمار داری کے لیے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ دونوں حضرات غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت سے محروم رہے۔ پھر جس دن زید بن حارثہؓ فتح غزوۂ بدر کی خوش خبری لے کر مدینہ طیبہ پہنچے تو اُس وقت سیدہ رقیہؓ وفات پا چکی تھیں اور ان کی نعش مبارک کو دفن کیا جا رہا تھا۔ ان کے بطن سے ایک فرزند عبداللہ تھا۔ یہ ابھی چھ سال کے تھے کہ کھیلتے ہوئے ایک مرغ نے ان کی آنکھ کے نیچے ٹھونگ مار دی۔ زخم پک کر اتنا بڑھ گیا کہ اسی کی وجہ سے یہ بھی اپنی والدہ کے پاس جا پہنچے۔

Marfat.com

سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تیسری بیٹی ہیں۔ یہ پہلے آپؐ کے چچا ابولہب کی بہو تھیں۔ ان کی شادی اس کے بیٹے عتیبہ سے ہوئی تھی۔ اس نے بھی اسلام دشمنی کی وجہ سے سیّدہ اُمِّ کلثومؓ کو طلاق دے دی تھی۔ جب سیّدہ رُقیہؓ کا انتقال ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیّدہ اُمِّ کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے کر دیا گیا۔ اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو ذُوالنّورین کا خطاب ملا۔ کیوں کہ آپؐ کے جگر کے دو ٹکڑے یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کی زوجیّت میں دیئے گئے۔ سیّدہ اُمِّ کلثوم کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آپؓ کی وفات ۹ سنہ ہجری میں ہوئی۔

سیّدۃ النساء خاتونِ جنّت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

آپؓ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے سب سے چھوٹی اور چوتھی بیٹی تھیں۔ آپؐ کی عمرِ مبارک کے اکتالیسویں سال میں سیّدہ فاطمہؓ تولّد ہوئیں۔ آپؓ کی شادی جنگِ اُحد سے پیشتر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ہوئی۔

آپؐ سیّدہ فاطمہؓ سے بہت محبّت کرتے تھے اور انھیں بھی آپؐ کے ساتھ بے حد پیار تھا۔ آپؐ جب کسی سفر سے لوٹ کر آتے تو اوّل مسجد میں جا کر دو نفل شکرانہ کے ادا کرتے۔ پھر سیّدہ فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ ان کی خیر و عافیت دریافت کرتے۔ بچّوں کو گود میں بٹھا کر پیار کرتے اور اس کے بعد پھر اپنی اَزواجِ مطہّرات کے پاس جاتے۔

سیّدہ فاطمہؓ کی انتہائے اُلفت کا یہ عالم تھا کہ ابھی آپ بچی ہی تھیں جب ایک دن آپؐ خانہ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ کفّار میں سے عقبہ بن معیط نے اُونٹ کی اوجھ کہیں سے لا کر اُس وقت آپ کی پیٹھ پر رکھ دی جب آپؐ سجدہ گئے تب آپؐ کافی دیر سجدہ ہی میں پڑے رہے اسی اثنا میں سیّدہ فاطمہؓ دوڑتی ہوئی آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی پشتِ مبارک سے اوجھ کو زمین پر گرا دیا اور عقبہ کے لیے بددُعا فرمائی۔

سیّدہؓ کے پانچ بچے ہوئے۔

حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، زینبؓ، اُمِّ کلثومؓ، ان میں سے محسنؓ بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ باقی آپؓ کی وفات کے بعد تک زندہ رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کا غم آپؓ کی برداشت سے باہر تھا۔ آپؐ کے چھ ماہ کے بعد انتیس سال کی عُمر میں غمِ پدری کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال فرما گئیں۔

حضرت زینبؓ کی طرح سیّدہ فاطمہؓ بھی آپؐ کی آنکھوں کا تارا تھیں اور پھر یہ تو وہ بیٹی تھیں جو مدینہ میں آپؐ کے نزدیک ہی رہتی تھیں اور آخر میں آپ کی تمام اولاد سے ایک یہی باقی رہ گئی تھیں اس لیے محبتِ پدری کی مرکز بنی ہوئی تھیں۔ آپ برابر ان کے گھر جاتے آتے رہتے تھے ذرا سی تکلیف کا بھی سُنتے تو بے تاب ہو جاتے تھے اور ہمیشہ اس سعی و کوشش میں رہتے تھے کہ بیٹی آرام اور سکون سے رہے اور زوجین کے تعلّقات میں کوئی ناخوشگواری اور تلخی پیدا نہ ہونے پائے۔ اگر کبھی حضرت علیؓ

Marfat.com

اور سیدہ فاطمہؓ میں باہم کوئی رنجش بھی ہو جاتی تھی تو آپ بہ عجلت اُن کے گھر پہنچ کران میں صُلح صفائی کرا دیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپؐ ان دونوں میں صلح کرانے کے بعد باہر تشریف لائے تو چہرۂ انور فرطِ مسرّت سے شگفتہ ہو رہا تھا۔ بہت خوش تھے اور بہت مسرور حالت میں جب اپنے گھر پہنچے تو حضرت عائشہ صدّیقہؓ نے اِس غیر معمولی خُرمی و شادمانی کی وجہ دریافت کی۔

فرمانے لگے :

"اِس وقت اُن دو میں صُلح کرا کے آ رہا ہوں جو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔"

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے کچھ سختی کی۔ سیدہ فاطمہؓ کو ناگوار گزرا اور آپؓ ناراض ہو کر گھر سے نکلیں اور سیدھی باپ کے پاس آ پہنچیں۔ حضرت علیؓ کی شکایت کی۔ اتنے میں حضرت علیؓ بھی پیچھے پیچھے آ پہنچے۔

رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بڑی حکمتِ عملی سے حضرت علیؓ کی حمایت کی لیکن درحقیقت اس جملے میں حضرت علیؓ کے لیے بے حد شفقت آمیز سرزنش تھی۔ آپؐ نے فرمایا :

"بیٹی غور کرو، اور ہوش مندی سے کام لو، کوئی شوہر ہے جو بیوی کے پاس سے خاموش اُٹھ کر چلا آئے۔"

سیدہ فاطمۃ الزہرؓا تو خاموش رہیں مگر حضرت علیؓ پر اس ایک جملے کا اتنا اثر ہوا کہ وہ اس جُملے کی نصیحت آموز اور میٹھی چبھن کو محسوس کیے

بغیر نہ رہ سکے اور پھر خود ہی سیّدہؓ سے کہنے لگے
"اب میں کبھی کوئی بات آپ کے خلافِ مزاج نہ کروں گا کہ اس سے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی بہت دُکھ ہوتا ہے۔"
ایک مرتبہ آپؐ نے کسی سے سُنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم دُوسری شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ سُنتے ہی بے چین ہو گئے اتنے بے چین کہ اسی وقت گھر سے اُٹھ کر مسجد میں تشریف لائے۔ چند صحابہ کرامؓ صحنِ مسجد میں بیٹھے اور وہیں حضرت علیؓ بھی موجود تھے۔ آپؐ نے سب کو مخاطب کر کے تقریر شروع کی اور اس میں اپنی برہمی و خفگی کا اظہار کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ:
"لوگو! یاد رکھو! فاطمہؓ میری جگر گوشہ ہے جس نے اُسے دُکھ پہنچایا پس جان لو کہ اُس نے اللہ کے رسُولؐ کو دُکھ پہنچایا۔"
حضرت علیؓ اشارہ سمجھ گئے۔ لرزکر رہ گئے۔ دُوسری شادی کا ارادہ اُسی وقت ترک کر دیا اور پھر جب تک حضرت فاطمۃ الزہراؓ زندہ رہیں انھوں نے کبھی شادی یا عقدِ ثانی کا بھُول کر بھی ارادہ نہ کیا۔
آپؐ نے کبھی سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ کو ڈانٹ نہیں بتائی تھی۔ کبھی ان کی طرف غصّے سے ترچھی نگاہ کر کے نہیں دیکھا تھا۔ جو کچھ انھیں کہنا ہوتا بڑے پیار سے بڑی شفقت سے سمجھا کر کہہ دیا کرتے۔ ہر روز جا کر انھیں دیکھتے۔ خیر و عافیت دریافت فرماتے اور نہایت شفقت کے ساتھ بات چیت فرماتے تھے۔

Marfat.com

بیٹی کی عزت اور نواسوں سے محبت

اس محبت و شفقت کے باوجود آپؐ دُنیوی نمود و نمائش کو نہ اپنے لیے رَوا رکھتے تھے اور نہ اپنی اولاد کے لیے۔ زیورات نہ اپنی بیویوں کو پہننے دیتے تھے اور نہ اپنی بیٹیوں کو۔

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت سیدہ فاطمہؓ کے گلے میں طلائی ہار دیکھا تو بڑی نرمی سے سمجھاتے ہوئے فرمایا :

"بیٹی! کیا تو لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہے کہ رسول اللہؐ کی بیٹی آگ کا ہار پہنتی ہے؟"

سیدہ فاطمہؓ نے ہار فوراً گلے سے اُتار کر رکھ دیا۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ ہار اُتار دیا ہے تو آپؐ بے حد خوش ہوئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب آپؐ سیدہ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ دیواروں کو خوب صورت اور قیمتی پردوں سے سجایا گیا ہے اور نواسوں کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن پہنائے گئے ہیں۔

یہ دیکھ کر آپؐ بہت مکدّر ہوئے۔ دانش مند بیٹی نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا کہ گھر میں داخل ہوتے ہی کس کس چیز نے پیارے بابل کے دل پر بوجھ ڈالا ہے۔ فوراً پردے کھینچ کر اُتار دیئے اور بچوں کے ہاتھوں سے کنگن بھی اُتار لیے۔ جب یہ سامان علیحدہ کر دیا گیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

"میں اپنے اہلِ بیت کو زخارفِ دُنیوی سے آلودہ نہیں دیکھنا چاہتا۔"

Marfat.com

پھر حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا :

"اس کے بدلے میں میری فاطمہؓ کے لیے عصیب کا ایک ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن لا دو۔" (نسائی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو بھی اپنے خاندان سے اتنی محبّت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تھی۔ جب کبھی سیّدہ فاطمہؓ حاضرِ خدمت ہوتیں تو آپؐ کھڑے ہو جاتے۔ پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر انھیں بٹھاتے۔ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت امامہؓ سے آپؐ کو بے حد محبّت تھی۔ دوشِ مبارک پر سواری کیے کیے ہی سو جاتے۔ آپؐ انھیں پیار کرتے اور فرماتے :

"یہ میرے گلدستے ہیں۔"

اس قدر محبّت و شفقت کے باوجود جب کوئی مذہبی و دینی معاملہ ہوتا تو آپؐ محبتِ اولاد کی ہر گز پروا نہ کرتے۔ آپؐ دُنیا کو تو جواہر لُٹا رہے تھے لیکن بیٹی کے گھر فاقہ ہوتا تھا اور وُہ چکّیاں پیستی تھیں۔ ایک دفعہ سیّدہ فاطمہؓ نے اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں کے چھالے دکھا کر عرض کیا کہ

"ایک لونڈی گھر کے کام کاج کے لیے عطا فرمائیے۔"

اس پر باپ نے ارشاد فرمایا :

"بیٹی! پہلے میں غریب مسلمانوں کا انتظام کروں گا۔ اُن سے بچ رہے گا تو پھر کسی کو دے گا لیکن میں اپنے گھرانے کے لیے پھر بھی کچھ نہیں چاہتا۔"

احادیثِ صحیحہ سے بہ تواتُر ثابت ہے کہ ایک روز علیؓ مرتضیٰ نے ابنِ عبدالواحد

سے فرمایا کہ :

"مَیں تجھ سے فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات کہوں جو سارے کنبہ میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیاری تھیں۔"

ابنِ عبدالواحد نے کہا : "فرمایئے !"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

"فاطمہؓ نے اتنی چکی پیسی اتنی چکی پیسی کہ ہاتھوں میں نشان پڑ گئے۔ پانی کے لیے مشک اٹھاتے اٹھاتے گردن پر نشان پڑ گیا۔ گھر میں جھاڑو دیتے ہوئے کپڑے میلے ہو جاتے تھے۔ انھیں دنوں میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مالِ غنیمت آیا جن میں کچھ عورتیں بھی تھیں۔ مَیں نے فاطمہؓ سے کہا کہ تم اپنے ابا جان کے پاس جاؤ اور اپنے لیے ایک خادمہ مانگ لو۔ یہ موقع ہے۔ چناں چہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ خدمتِ اقدس میں جا حاضر ہوئیں مگر وہاں ہجوم تھا۔ ملاقات نہ کر سکیں اور یا پھر شرم و حیا کے مارے حرفِ مدعا زبان پر لانے کی جرأت نہ کر سکیں۔ فارغ ہوتے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے آئے اور فرمایا :

"بیٹی ! کیا بات تھی ؟ تم آئیں بھی اور بغیر کچھ کہے سُنے لوٹ آئیں۔"

سیدہ فاطمہؓ چپ رہیں لیکن مَیں نے عرض کیا حضورؐ مَیں بتاتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے ہیں اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے گردن پر بھی نشان پڑ گیا ہے۔ مَیں نے دیکھا تھا کہ حضورؐ کے پاس کچھ اسیر عورتیں آئی ہیں اس لیے مَیں نے ہی فاطمہؓ سے

Marfat.com

کہا تھا کہ حضورؐ کے پاس جائیں اور ایک خادمہ کے لیے عرض کریں تاکہ اس تکلیف سے نجات مل جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے فاطمہؓ! تقویٰ اختیار کرو بیٹی! فرائضِ الٰہی ادا کرو اپنے کنبہ کے اعمال کو اپنا دستور بناؤ اور جب بسترِ خواب میں لیٹو تب ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھو۔ یہ پورا سو ہو گیا۔ یہ عمل تیرے لیے خادمہ حاصل کرنے سے کہیں بہتر ہے۔"

تھوڑی دیر توقف کے بعد پھر ارشاد فرمایا کہ:

"اے فاطمہؓ! یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو، اور اس بہترین وظیفہ کو میری وصیت سمجھ کر پڑھا کرو۔"

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ "میں خدا سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حال پر خوش ہوں۔"

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:

"تو اے ابن عبدالواحد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ کی زبان سے حسبِ توقع جواب سن کر خوش خوش تشریف لے گئے لیکن سیدہؓ کو کام کاج کرنے کے لیے خادمہ نہیں دی۔"

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ کو اولاد سے ہزار محبت ہو

Marfat.com

مگر آپ کی محبت اندھا دھند محبت نہیں تھی۔ واقعی ایسے شفیق باپ دنیا میں کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس کا ہر ایک شعبہ دیکھیے اور ان کی زندگی کے ہر ایک دور پر نظر ڈالیے تو پتہ لگتا ہے کہ آپ بلاشبہ ایک اکمل اور مکمل انسان تھے جس کی نظیر دنیا آج تک نہ پیش کر سکی ہے اور نہ آئندہ کر سکے گی۔

حضرت رقیہؓ اور عثمانؓ کی ہجرتِ حبش

فی الواقع آپ کو سیدہ فاطمہؓ سے خصوصیت تھی مگر شفیق باپ تھے کسی اولاد کی طرف سے غافل نہ تھے۔ حضرت زینبؓ، حضرت فاطمہؓ حضرت ام کلثومؓ اور حضرت رقیہؓ سب کے ہمدلو تھے۔ سب سے محبت کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبش کی طرف ہجرت کر کے گئے ہیں تو حضرت رقیہؓ بھی آپؓ کے ساتھ گئیں۔ رقیہؓ سیدہ کی مفارقت کا آپؐ کے دل پر بہت اثر تھا۔ آپؐ کا جی تو نہ چاہتا تھا کہ بیٹی کو آنکھوں سے اوجھل کریں لیکن زمانہ ہی نازک تھا۔ حالات ہی کچھ ایسی پیچیدگی اختیار کر گئے تھے کہ اس کے سوا مفر ہی نہ رہا تھا۔ اس کے بعد جب تک اُن کی خیریت نہ معلوم ہو جاتی برابر پریشان و سراسیمہ رہتے۔ کہیں ایک عورت حبش سے آئی۔ آپؐ کو پتہ چلا تو فوراً اسے بلوایا۔ خیریت دریافت کی۔ اس نے عرض کیا:

"حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم وہ دونوں میاں بیوی بہ خیر و عافیت ہیں۔"

آپؐ کے دل کی تڑپ اور محبت ملاحظہ ہو۔ بڑی بے چینی کے ساتھ

Marfat.com

اُس عورت سے دوبارہ پُوچھتے ہیں :

"تم اُن دونوں کو دیکھ کر بھی آئی ہو یا نہیں ؟"

عرض کیا : "جی حضورؐ میں مل کر اور انھیں دیکھ کر آئی ہوں۔"

یہ سُنتے ہی آپؐ کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لُوطؑ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر ہجرت کی ہے۔

حضرت ابراہیمؓ سے محبت

آپ کو اپنی تمام اولاد سے محبت تھی اس میں صغیر و کبیر کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ابراہیمؓ پیدا ہوئے تو بہت خوشی ہوئی۔ سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماریہؓ خاتون ہیں جو قبطی النسل تھیں۔ آپؐ کی یہی ایک بیوی ہیں جن کے بطن سے صرف ایک ہی لڑکے سیّدنا ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ دوسرے سات بچّے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے تھے۔ باقی کسی بیوی کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کے ہم عصر شاہِ مصر نے اپنی بیٹی شہزادی ہاجرہ خاتونؑ کو ہدیۃً نذر کیا تھا اور خلیل اللہؑ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہم عصر شاہِ مصر نے اپنی بیٹی شہزادی ماریہ قبطیہ خاتونؓ کو خدمتِ نبویؐ میں بھیجا اور آپؐ نے ان سے نکاح فرمالیا اور ان کے بطن سے شہزادہ ابراہیمؓ نے جنم لیا۔ ولادت کی خوش خبری سُنانے والے ابورافع کو آپؐ نے ایک غلام انعام میں بخش دیا۔ شہزادے سے آپؐ کو والہانہ محبت تھی۔ ان کی دایہ کے

Marfat.com

ہاں لوہارے کے کام ہونے کی وجہ سے ان کا گھر دُھوئیں سے لبریز رہتا تھا تاہم آپ حوالی مدینہ میں انھیں دیکھنے کے لیے برابر جایا کرتے اور شہزادہ کو گود میں لے کر دیر تک برابر پیار کرتے رہتے تھے۔ شہزادہ ابراہیمؓ بیمار ہو گئے اور ان کی بیماری طُول پکڑ گئی۔ بیماری کی اطلاع پا کر آپؐ فوراً پہنچے۔ آپؐ کے ہمراہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے۔ نزع کی حالت دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ شہزادہ کا شیر خوارگی کا عالم تھا۔ ابھی ڈیڑھ ہی سال کی عُمر تھی۔ آپؐ نے ان کو گود میں اٹھا لیا اور فرمایا :

"ابراہیمؓ! حکمِ الٰہی کے سامنے ہم تیرے کس کام آسکتے ہیں کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ موت تو امرِ حق اور وعدۂ صدق ہے ہم جانتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والے بھی پہلے جانے والوں کے ساتھ جا ملیں گے اگر ایسا نہ ہوتا تب ہم ابراہیمؓ کا غم اس سے زیادہ کرتے لیکن آنکھ میں نم ہے دِل میں غم ہے مگر ہم کوئی بھی بات ایسی نہ کہیں گے جو ہمارے رب کو پسند نہ ہو۔"

اتفاق یہ ہُوا کہ سیّدنا ابراہیمؓ کی وفات جس روز ہُوئی اسی روز سُورج گرہن بھی لگا۔ قدیم عرب کا اعتقاد ہے کہ کسوف و خسوف کسی بڑے آدمی کی موت سے ہُوا کرتا ہے۔ اب اس واقعہ سے متأثر ہو کر بعض مسلمان بھی کہنے لگے کہ واقعی سُورج ابراہیمؓ کی وفات کے سوگ میں گہنا یا گیا ہے لیکن نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سُنا تو یہ خُطبہ ارشاد فرمایا :

"اے لوگو! یاد رکھو! سُورج اور چاند کسی بھی انسان کی موت

Marfat.com

سے نہیں گہناتے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جب تم گہن دیکھو تو نماز پڑھا کرو۔"

جب آپؐ اپنے لختِ جگر کو نزع کے عالم میں گود میں لیا تو ان کے چند آخری سانس باقی تھے جو جلد ہی ختم ہو گئے اور شہزادہ ابراہیمؓ عالی مقام اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور آپؐ کی آنکھوں سے چند آنسو بہ نکلے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے دل میں خیال آیا کہ آپؐ نے تو کسی کی موت پر رونے سے منع فرمایا ہے لیکن خود رو رہے ہیں۔ آپؐ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی جانب دیکھا تو ان کے چہرے پر سے استفساری علامات بھانپ لیں۔ ارشاد فرمایا :

"میں نے کسی کی موت پر مکروہ الفاظ میں بَین کرنے اور بال نوچنے، چھاتی پیٹ کر ماتم کرنے اور چیخ چلا کر رونے سے منع کیا ہے اور یہ تو محبت و رحمت کے آنسو ہیں جو خاموشی سے بہ نکلے ہیں کہ دل پر کس کو قابو رہتا ہے!"

ذرا غور کیجیے کہ اصلاحِ عقیدہ کا فرض کس قدر جلد بیٹے کی مفارقت کے غم پر غالب آجاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتنی عجلت سے وعظ و نصیحت کرنے لگ جاتے ہیں جب کہ ایسی مصیبت کے وقت لوگ عام طور پر اپنے آپ کو غم کا شکار سمجھ کر ماتم کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔

حضرت زینبؓ کا غم

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تو سیدہ زینبؓ اپنے شوہر ابو العاص

کے پاس مکہ ہی میں رہ گئی تھیں اور دشمنوں میں گھری ہوئی تھیں کیوں کہ ان کے شوہر ابوالعاص ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ غزوۂ بدر میں ابوالعاص کو فدیہ لیے بغیر صرف اس لیے چھوڑ دیا گیا تھا کہ انھوں نے وعدہ کیا تھا مکہ پہنچ کر سیدہ زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔ آپؐ کو زینبؓ خاتون کی طرف سے برابر تشویش رہتی تھی۔ ابوالعاص نے وعدہ کے مطابق سیدہ زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دیا۔ جب راستے میں ہبار بن اسود نے نیزہ مار کر سیدہؓ کو زخمی کر دیا اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ حملے کی یہ اطلاع پاکر آپؐ بے حد پریشان ہوئے اور یہ اسی حادثے کا اثر تھا کہ فتح مکہ کے بعد آپؐ نے ہبار بن اسود کے متعلق حکم دے دیا تھا کہ ہبار بن اسود جہاں کہیں بھی ملے اسے قتل کر دیا جائے لیکن ہبار بن اسود نے اسلام قبول کر لیا اور خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کی ملتجیانہ انداز میں معافی چاہی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم انکار نہ کر سکے اور فوراً اُس شخص کو معاف کر دیا جو اُن کی بیٹی کا قاتل تھا لیکن ساتھ ہی یہ ارشاد فرما دیا کہ:

"میرے سامنے نہ آیا کر کہ تجھے دیکھ کر مجھے میری بیٹی سیدہ زینبؓ یاد آجاتی ہے اور میرا صدمہ بڑھ جاتا ہے۔"

بیٹی کے ہار پر آنسوؤں کے قطرے

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر ابوالعاص غزوۂ بدر میں گرفتار ہو گئے۔ دونوں میاں بیوی کی آپس میں بڑی محبت تھی۔ گو وہ مسلمان نہ تھے لیکن انھوں نے اپنی بیوی کو کبھی کوئی تکلیف نہ دی تھی۔ ابوجہل اور ابولہب

Marfat.com

کے بیٹوں نے سیدہ رقیہؓ اور سیدہ اُمِ کلثومؓ کو طلاقیں دے دی تھیں۔ انھوں ابوالعاص کو بھی مجبور کیا کہ وہ بھی سیدہ زینبؓ کو طلاق دے دیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں ایک گھاؤ اور لگایا جا سکے لیکن نیک طینت اور شریف النفس ابوالعاص نے طلاق دینے سے صاف انکار کر دیا اور پہلے سے بھی زیادہ سیدہ زینبؓ سے محبت کرنے لگے۔ چوں کہ باپ اور بہنوں ماؤں کے مدینہ چلے جانے سے آپؓ ہر وقت اُداس اور غم گین رہتی تھیں تو ابوالعاص ان کی دل جوئی کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتے تھے۔

جب سیدہ زینبؓ کو علم ہوا کہ ابوالعاص گرفتار ہو گئے ہیں اور اب اُن کی رہائی کے لیے زرِ فدیہ کی ضرورت ہے۔ تو زرِ نقد تو ان کے پاس تھا نہیں اس لیے اپنے گلے کا قیمتی ہار اُتار کر مدینہ بھجوا دیا کہ اسے زرِ فدیہ کے طور پر قبول کر کے میرے شوہر ابوالعاص کو رہا کر دیں۔

جب یہ ہار خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا تو ہار کو دیکھتے ہی آپؐ کی آنکھیں ڈب ڈبا آئیں۔ صحابہ کرامؓ سے فرمایا :

"اگر آپ سب کی مرضی ہو تو میں یہ ہار اس کے شوہر سمیت اپنی بیٹی سیدہ زینبؓ کو واپس کر دوں کیوں کہ یہ وہ ہار ہے جو خدیجۃ الکبریٰؓ نے شادی کے وقت سیدہ زینبؓ کو جہیز میں دیا تھا اور اب وہ اسے اپنی ماں کی نشانی سمجھ کر اپنے سینے سے لگائے رکھتی ہے۔"

بھلا صحابہ کرامؓ کو کیا عذر ہو سکتا تھا انھوں نے فوراً اجازت دے دی۔ آپؐ نے ہار ابوالعاص کو دے دیا کہ اسے سیدہ کو لوٹا دینا اور خود ابوالعاص

Marfat.com

کو اس وعدے پر رہا کر دیا کہ وہ مکہ پہنچ کر سیدہ زینبؓ کو مدینہ بھجوا دے گا۔

چوں کہ ابوالعاص سیدہؓ سے ہمیشہ شفقت و محبت کا سلوک کرتے تھے اس لیے جب آپؐ یہ سنتے تھے کہ ابوالعاص کا سلوک اپنی بیوی کے ساتھ نہایت شریفانہ ہے تو آپؐ بہت خوش ہوتے تھے۔ اتنے خوش کہ بار بار ابوالعاص کی تعریف کرتے تھے اور سب کے سامنے کرتے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کو اپنی اس بیٹی کے ساتھ بھی کیسی بلند پایہ گہری اور کتنی والہانہ محبت تھی۔

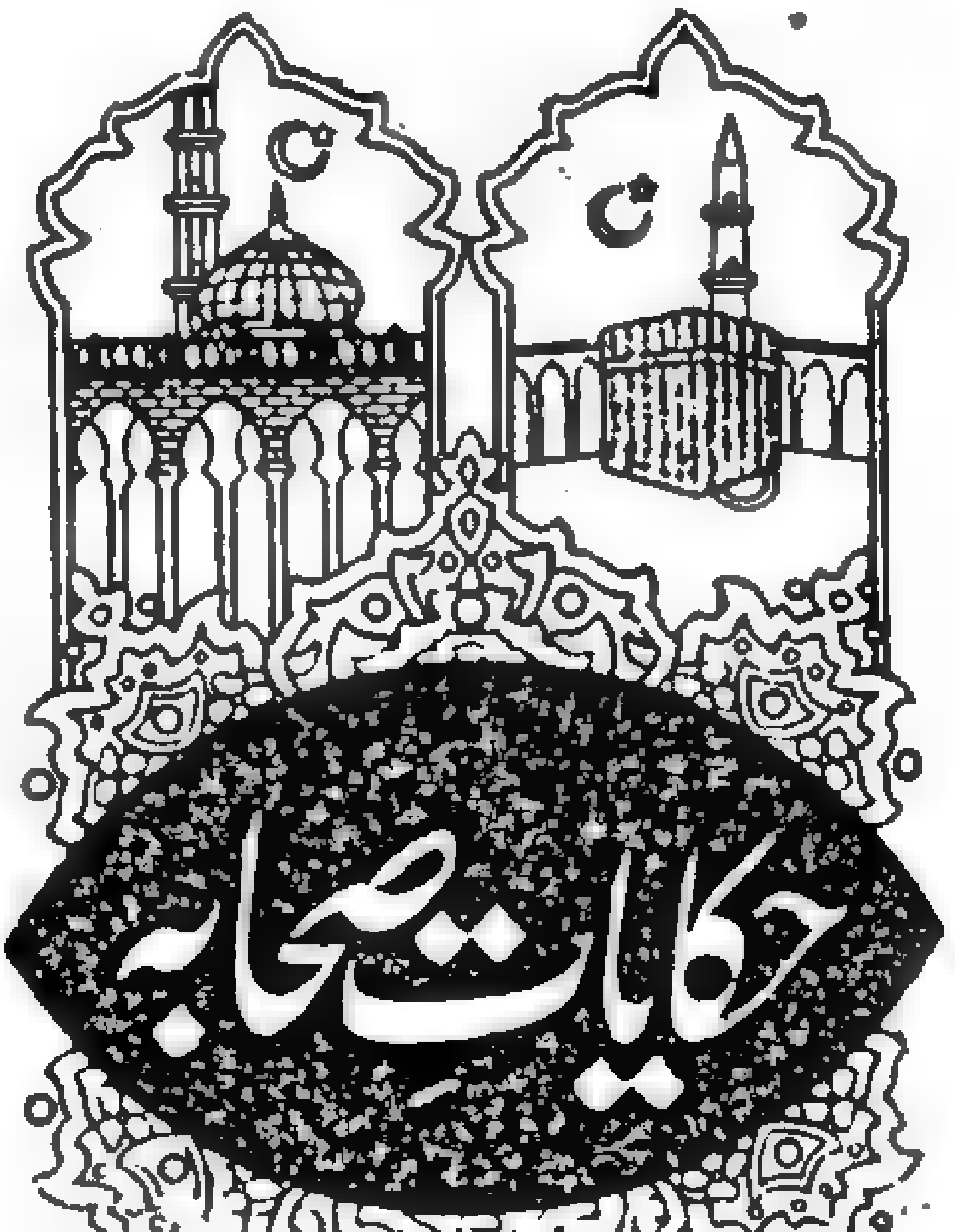

مرکز نوادر
کتب خانہ شانِ اسلام
۱۰ راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

مہربان آقا

غلامی کی نوعیت

غلامی کے بہت سے مدارج ہیں اور بہت سی اقسام۔ غلامی بُری بھی ہے اور اچھی بھی اور اسے ایک گونہ مراحل تمدّن کا ایک مرحلہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

آخر غلامی ہے کیا؟

یہی کہ ایک شخص اپنی جملہ حیثیات میں اپنے ہی جیسے دُوسرے شخص کا مُطیع کر دیا جائے اور اس کی مرضیات تمام تر دُوسرے کی مرضیات کے تابع ہو جائیں اور بس۔ لیکن کُل کا جزو بھی کُل ہی کا نمایندہ ہوتا ہے۔ روٹی کا ایک ٹکڑا، مکان کا ایک حصّہ، زمین کا ایک قطعہ آخر روٹی مکان اور زمین ہی تو ہے۔ اسی طرح جزئی غُلامی بھی غلامی ہی ہے لیکن ایسی غلامی جس کے بغیر قیامت تک کام نہیں چل سکتا اور نہ اس سے کوئی تمدّن کسی عہد اور کسی دَور میں عہدہ برآ ہو سکتا ہے اور اگر ہو جائے تو نظامِ عالم سارے کا سارا درہم برہم ہو کر رہ جائے اور دُنیا میں کوئی کام نہ ہو سکے۔

آپ حیران نہ ہوں غلامی ہی نہیں کُل غلامی بھی دُنیا کے لیے اُتنی ہی ضروری اور اتنی ہی اہم ہے۔ والدین اور اولاد، میاں اور بیوی، سپہ سالار و سپاہ

راعی ورعایا میں باہم جو تعلق ہے اُسے آپ ہرگز جزئی غلامی نہیں کہہ سکتے۔ وُہ سراسر کُلّی غلامی ہے اور نہایت ضروری غلامی ہے جو نہ صرف والدین و شوہر اور سپہ سالار وراعی کے لیے مُفید ہے بلکہ اولاد بیوی اور سپاہ و رعایا ہی کے لیے نہیں بلکہ مدنیت و تہذیب کے لیے بھی ضروری ہے۔ اولاد والدین کی غلامی نہ کرے تو آئندہ تمام نسلیں تسفّل میں مُبتلا ہوجائیں۔ بیویاں شوہروں کی غلامی سے اِبَاہ و اعراض برتنے لگیں تو دُنیا میں یہی نہیں کہ حیاتِ معاشری کے تمام چمن اُجڑ کررہ جائیں بلکہ ہرجگہ وُہی ابتذال اور سراسیمگی و بے کیفی و اضطراب نظر آنے لگے جو آج مغرب میں نظر آرہا ہے۔ یہی صُورت دُوسرے رشتوں کی سمجھیے اور یہ ذہن نشین رکھیے کہ یہ غلامی جُزئی نہیں کُلّی غلامی ہے۔ اب آپ اس کا نام اطاعت و فرماں برداری رکھ لیں یا کچھ اور' بہرکیف ہے یہ غلامی ہی۔ غلامی یہی تو ہے کہ کسی معاملہ میں دوسرے کی رائے لی جائے مگر کتنے والدین' شوہر' راعی اور سپہ سالار ہیں جو عمل و اقدام میں سپاہ' رعایا' بیوی اور اولاد سے رائے لیتے ہیں۔ نام کے لیے نہیں' برائے نام نہیں بلکہ حقیقی رائے۔

غلامی کی اساس و بُنیاد

دفتروں' کارخانوں' باغوں اور کھیتوں میں لاکھوں کروڑوں ملازم ہیں۔ یہ اپنی ملازمت میں واقعی جزئی طور پر آقاؤں کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں۔ ان کی رائے کی بھی کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ گو یہ ملازمت اصلاً حیثیت تو جزئی غلامی ہی کی رکھتی ہے مگر ہے اصلاً یہ بھی کُلّی غلامی ہی۔ کیوں کہ زمانے کی اقتصادی

Marfat.com

حالت نے انھیں بہت مجبور کر دیا ہے اور آقاؤں کا دائرہ اثر اُن کی زندگی کے ہر پہلو پر برابر حاوی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کوئی آقا ناجائز و ناروا بھی حکم دے تو یہ امر مجبوری ماننا اور تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ اگر ملازم کہنا نہ مانیں اور ماتحت آقا کی نہ سُنیں تو بھی کام نہیں چل سکتا۔ اسی لیے ہم نے اسے معاشرت اور تمدّن کا ضروری جزو بتایا ہے۔

ابتدا میں یہ دستور تھا کہ ایک انسان اگر دوسرے انسان کو سنگِ راہ محسوس کرتا تھا یا جو جماعت ایک جماعت کو رکاوٹ خیال کرتی تھی تو وہ اپنی حفاظت و ترقّی کے لیے دوسری جماعت سے لڑتی اور مخالفین کو بلا دریغ قتل کر ڈالتی تھی اور جو باقی رہ جاتے تھے انھیں گرفتار کرنے کے بعد موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا تھا اور اس فعل و اقدام کو کوئی بُرا بھی نہ سمجھتا تھا۔ اس قتل و غارت گری میں عورتوں اور بچّوں کے لیے بھی امان و پناہ نہ تھی۔

جب دُوسرا دَور شروع ہُوا اور اخلاقی قدریں کچھ بلند ہُوئیں تو اتنی اِصلاح ہو گئی کہ سب کو بلا تمیزِ نیک و بد قتل نہ کیا جائے۔ خطرناک عناصر کو تو ضرور ہلاک و تباہ کر دیا جائے مگر باقی دشمنوں کو زندگی کی مراعات دی جائیں۔ قید خانے اس دَور میں تھے نہیں، اور دشمن کے افراد کو گھروں میں نہ بھیجا جا سکتا تھا اور نہ انھیں کُھلا ہی رکھا جا سکتا تھا۔ پھر یہ بھی ایک مسئلہ تھا کہ اگر انھیں پابند رکھا جائے تو اُن کے مصارف کہاں سے لائے جائیں۔ کافی سوچ بچار کے بعد یہ راستہ نکالا گیا کہ انھیں نگرانی میں رکھنے کے عوض اُن سے محنت مشقّت کا کام لیا جائے لہٰذا اس مقصد کے لیے ان قیدیوں کو مختلف لوگوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ جو ان سے

Marfat.com

اپنی مرضی کے مطابق کام بھی لیتے تھے اور ان کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ اس دوران ان اسیرانِ جنگ میں سے اگر کوئی بھاگ جاتا یا بھاگنے کی کوشش کرتا تھا یا بھاگنے کا ارادہ کرتا یا منصوبہ بناتا تھا تو اُسے فوراً قتل کر دیا جاتا تھا کیوں کہ خیال یہ ہوتا تھا کہ یہ بھاگ کر اور دشمنوں کے ساتھ مل کر پھر سے ہمارے مقابلے پر نکل آئے گا اس لیے اُن کا یہ خیال اور یہ فعل مُہذّب نقطۂ نظر سے بھی چنداں معیوب نہ تھا۔

غلامی و صنائع

آپ متعجب ہوں گے کہ غلامی اور صنائع کے مابین کیا تعلق ہے۔ جنگ و جدل کا سلسلہ اُس وقت سے قائم ہوا جب کہ انسان ابھی محض شکار اور جنگل کے پھلوں پر گزارا کرتے تھے۔ اس کے بعد بھی مدت تک صرف زمین کی پیداوار ہی پر گزارا رہا۔ غلہ و گوشت کھا لیا اور درختوں کے پتوں سے ستر پوشی کر لی۔ اب جو غلاموں اور قیدیوں کی فراوانی شروع ہوئی تو اس کے ساتھ قتل کرنا بھی مسدود ہو گیا تب ان کے لیے کام کرانے کی تجویز ذہن میں آئی تو گویا صنعت و حرفت کی بنائیں قائم ہوئیں اور مختلف پیشے ان کے سپرد ہوئے تاکہ یہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے دن بھر کام کرتے رہیں۔ رفتہ رفتہ تمام پیشے غلاموں ہی کے سپرد ہو گئے۔ یہ اسی قدیم الایام رواج کا نتیجہ ہے کہ اب تک پیشے ذلیل سمجھے جاتے ہیں اور مسلمانوں میں بھی نافہم عنصر گجروں، قصائیوں، دھنیوں اور جلاہوں کو کمین سمجھتا ہے حالاں کہ بعد کو یہ پیشے آزاد لوگوں کے ہاتھ میں آ گئے اور ترقی عالم کے لیے مفید ثابت ہوئے لیکن ابتدا میں چوں کہ پیشہ ور سب کے سب قریب قریب غلام یا غلاموں کی اولاد تھے اس لیے وہ روایات و دستور آج تک جہل کے تون

قائم ہیں۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ غلامی کی بنیاد ستم و جور پر نہیں بلکہ گو نہ رحم و انسانیت نوازی پر رکھی گئی تھی لیکن بعد کو اس نے درحقیقت ایک خوفناک صورت اختیار کر لی۔ پہلے لوگوں کا مقصد تو اپنی حفاظت اور ان کی شریفانہ نگرانی و پرورش تھا لیکن بعد میں انھیں جلبِ منفعت کا ذریعہ بنا لیا گیا اور اسی وقت سے ان پر ظلم و جور کے آرے چلنے لگے۔

غلاموں کی منظّم تجارت

حضرتِ انسان تو عجیب چیز ہے! خدا کا خوف نہ رہے تو وہ ظلم و درندگی کرنے لگتا ہے جو بھیڑیوں اور درندوں کے تصوّر میں بھی نہیں آ سکتی۔ اس نے دیکھا کہ غلام تو پیشوں اور حرفتوں میں خوب دولت اور نام پیدا کرنے لگے۔ آقاؤں کے لیے آمدنی کا ایک نیا ذریعہ پیدا ہُوا۔ اچھی اور خاصی رقمیں مُفت میں ہاتھ آنے لگیں اور وہ بھی ایسے ذرائع سے جس میں نہ خرچ تھا اور نہ محنت۔ تو اس کی نیت بگڑی۔ ایک طرف تو اس نے غلاموں پر زیادہ سے زیادہ محنت کرانے کے لیے ظلم و جور شروع کیے اور دوسری طرف یہ سعی کی کہ اور بھی جس قدر زیادہ غلام ہاتھ لگیں حاصل کر کے رکھ لیے جائیں۔ ضرورت اور خواہش ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ لوگ دشمنوں کے مُلک میں جاتے اور اِدھر اُدھر سے جو لڑکے اور لڑکیاں ہاتھ لگتیں پکڑ کر ان ضرورت مندوں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے۔ رفتہ رفتہ غلاموں نے ایک جائیداد کی صورت اختیار کر لی اور ہزار ہا روپیہ ان سے پیدا کرنے لگے۔

یہ رُجحان برابر ترقّی کرتا گیا اور خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلنے

لگا اور ہر ملک و قوم میں اس کا رواج پھیل گیا کیوں کہ بہت نفع خیز چیز تھی۔
یوں تو غلامی ہر جگہ فروغ پا رہی تھی لیکن جو منظم صورت اسے مغرب کے سفید فام مہذب افراد نے دی اس کی نظیر دنیا بھر میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گی۔ انھوں نے تو اسے ایک عالمگیر اور اجتماعی تجارت کی صورت عطا کر دی۔ مغرب والے افریقہ میں نکل جاتے، امریکہ پہنچتے اور وہاں جتنے لوگ ملتے پکڑ کر جانوروں کی طرح جہاز میں بھر لیتے۔ انھیں کوئی پروا نہ ہوتی تھی کہ ان میں کتنے مرتے ہیں اور کتنے زندہ رہتے ہیں۔ کسی کو روٹی ملی ہے یا نہیں، کوئی پیاسا ہے یا بھوکا۔ ان میں سے سینکڑوں دم گھٹ کر مر جاتے تھے مگر ان کی بلا سے۔ افریقہ گویا غلاموں کا جنگل تھا۔ سارے کے سارے تاجر یہیں آتے، یہیں سے لوگوں کو پکڑ کر غلام بناتے اور پھر یورپ میں لے جا کر منہ مانگے داموں پر فروخت کر دیتے کیوں کہ وہاں تو غلاموں کی بڑی بڑی منڈیاں قائم ہو گئی تھیں اور یہ تجارت اس عہد کی سب سے بڑی تجارت بن گئی تھی۔ ان ظالموں اور بے دردوں نے بستیوں کی بستیاں تباہ و برباد کر دیں، شہر کے شہر اجاڑ دیئے، گاؤں کے گاؤں ویران کر دیئے اور ان جگہوں سے حاصل کیے ہوئے غلاموں کی فروخت سے مالا مال ہو گئے۔

روما اور ہندوستان کے غلام

سلطنتِ روما کی تہذیب کے بڑے گن گائے جاتے ہیں مگر اس نے بڑے آئین ان غلاموں کے قتل کو بھی جائز قرار دے دیا تھا اور آقاؤں کو اپنے غلاموں کے مال و جان، اور گوشت و پوست پر پورا اختیار دے دیا تھا۔

Marfat.com

وہ ان سے سخت سے سخت کام لیتے۔ ذراسی کوتاہی پر کوڑے مار مار کر کھال اُدھیڑ کے رکھ دیتے۔ کبھی زندہ آگ میں جھونک دیتے۔ بُری طرح سزائیں دیتے مغرب کی یہ تجارت آج سے دو ڈیڑھ صدی پہلے تک یورپ میں اپنی بے پناہ ہولناکیوں اور خوف ناکیوں کے ساتھ جاری تھی جسے یورپ میں سب سے پہلے فرانس نے ۱۷۹۴ء میں اور پھر انگلستان نے ۱۸۳۳ء میں بذریعہ آئین ختم کیا اور غلاموں کی آزادی کا قانون منظور ہو گیا۔ حکومتِ انگلستان کو تو یہ لعنت ختم کرنے کے لیے غلاموں کے آقاؤں کو غلاموں کے آزاد کرنے کے سلسلے میں تیس کروڑ روپیہ بھی ادا کرنا پڑا۔ ہندوستان میں غلامی کا جو ڈھنگ پڑا ۔۔ ایک طرح سے اپنی نوعیت میں سب سے شدید اور سب سے ہولناک تھا۔ یہاں تو آریہ قوموں نے غلاموں کو کچھ اس طرح جکڑا کہ قیامت تک بھی اُنھیں رہا ہونے کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی۔

ایک طرف تو انھیں اپنا ہم مذہب قرار دے دیا اور دُوسری طرف اُنھیں عام مُلکی سیاسی تمدّنی اور معاشرتی حقوق سے یکسر محروم کر کے اجتماعی طور پر اُن سے چھُوت برتنے لگے۔ جتنے ذلیل ترین پیشے اور کام تھے وُہ اُن کے سپرد کر دیے گئے۔ اُنھیں علم سے بے بہرہ رکھا گیا اور اُن کے سائے تک سے پرہیز و اجتناب کرنے لگے۔ پانی استعمال کرنے کے لیے اُن کے کنوئیں بھی علیحدہ کر دیے گئے اور رہائش کے لیے ان کے محلّے بھی الگ الگ رکھے گئے۔ ان ہی وجوہات و اسباب کی بنا پر یہ لوگ پستی و ذِلّت کی انتہائی گہرائیوں تک پہنچ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کسی کو بھی نہ سُوجھی اور کہیں بھی

یہ خیال نہ کیا گیا کہ یہ سب کچھ ان بے گناہ انسانوں پر بہت بڑا ظلم ہے، بے انصافی ہے۔ ان کے لیے یہ سزا قتل سے بھی بدتر تھی کہ نسلوں تک ابھر ہی نہ سکیں اور ہمیشہ ان پر لعنت اور مار ہی پڑتی رہے۔

غلامی اور تاریخ

افریقہ تو غلاموں کا رسالدار تھا ہی۔ پھر غلامی کا سب سے بڑا منبع میدان ہائے جنگ ہی تھے۔ مفتوحوں کے زن و فرزند اور شہر و قصبے سب فاتحوں کی ملکیت بن جاتے تھے اور فتح مندانہ جوش میں مفتوح قوم کے جتنے عورت و مرد میدان ہائے جنگ اور مفتوح شہروں سے ہاتھ لگتے تھے وہ سب اسیران جنگ ہی سمجھے جاتے تھے۔ یہ تمام قیدی اُمرائے سلطنت اور اعیانِ حکومت میں تقسیم کر دیے جاتے تھے جو بعد میں سوداگروں کے ہاتھ فروخت ہو کر مختلف ملکوں کے بازاروں اور منڈیوں میں پہنچ جاتے تھے جہاں سے جس کا جی چاہتا اُن کو خرید کرلے جاتا۔ ڈاکو بھی قافلوں میں سے لڑکوں اور نوجوانوں اور نوخیز لڑکیوں اور عورتوں کو لُوٹ لیتے تھے اور کسی شہر کی منڈی میں لے جا کر ان کو فروخت کر دیتے تھے اور ان پر پھر سے انسانیت کی تمام آسائشیں حرام ہو جاتی تھیں اور آزادی کا تصوّر بھی ان کے لیے کوئی حقیقت نہ رہ جاتا تھا۔

غرض یہ کہ!

غلامی ہر ملک اور ہر قوم میں پوری قساوت اور خوفناکی کے ساتھ موجود تھی۔ تاریخ قدیم کے مطالعہ سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہود غیر مذاہب کے قیدیوں اور اسیرانِ جنگ کو آگ میں زندہ جلا دیتے تھے۔

Marfat.com

اور چند ایک کو حسب ضرورت بچا کر غلام اور کنیزیں بنا لیتے تھے۔

مجمع الامثال کرمانی میں آتش پرستوں کے متعلق بھی لکھا ہے کہ ایران کے اندر اسیران جنگ کو قتل کرنے کے علاوہ نذر آتش بھی کیا جاتا تھا اور بعض اوقات انھیں قید کر کے غلام بھی بنا لیا جاتا تھا۔

عرب میں بھی یہی دستور تھا۔

لین پول لکھتا ہے کہ اہل کسٹائل کی یہ حالت تھی کہ یہ لوگ وحشی اور تند لٹیروں کی طرح جو شہر اور قصبے فتح کرتے تھے وہاں کے باشندوں کو بلادریغ قتل کر ڈالتے اور جو بچ رہتے انھیں غلام بنا کر لے جاتے۔

ہندوستان کے اندر ٹیکسلا غلاموں کی خرید و فروخت کی بہت بڑی منڈی تھی۔ ان غلاموں میں بڑے بڑے لائق اور شریف زادے بھی ہوتے تھے یہاں تک کہ افلاطون جیسا فلاسفر بھی اس داغ سے نہ بچ سکا۔ بخت نصر کی تو یہ حالت تھی کہ وہ تنہا ایک بیت المقدس سے ایک لاکھ غلام پکڑ کر لے گیا تھا۔ عرب میں کوئی نام و نمود کا حامل شخص یا خاندان ایسا نہ تھا جس کے پاس غلاموں کا ہجوم کا ہجوم موجود نہ ہو۔ ان غلاموں کی غلامی کا مقصد وہ نہ تھا جو ابتدا میں قائم ہوا تھا بلکہ اب یہ مفاد اور آمدنی کا ذریعہ سمجھے جاتے تھے۔ کھیتوں باغوں اور گھروں میں سارے کام ان ہی سے لیے جاتے تھے۔ اُنہیں بہت زیادہ محنت اور مشقت کرنا پڑتی تھی۔ ان کی زندگی اپنے آقاؤں کے رحم و کرم پر ہوتی تھی جو کوڑوں سے ان کی کھالیں اُدھیڑ کر رکھ دیتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر ان کے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا کہ

Marfat.com

جو حیوانوں کے ساتھ بھی کوئی رَوا نہیں رکھتا۔

غُلاموں کے ساتھ دُنیا کا سُلوک

دُنیا میں بے شُمار بزرگ حکیم، فُضلاؔ اور دردمند انسان پیدا ہُوئے مگر ان غُلاموں کی رات کو کوئی دن نہ بنا سکا۔ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گردوپیش ان غُلاموں کی حالت دیکھی تو آپؐ کو بہت دُکھ ہُوا۔ اپنے گھر اور خاندان ہی میں بیسیوں غُلام موجُود تھے۔ پھر وُہ سلوک بھی دیکھا جو ان مظلُوم غُلاموں اور کنیزوں کے ساتھ رَوا رکھا جاتا تھا جو ابتدا میں مُشرّف بہ اِسلام ہوئے تھے۔ اُنھیں گرم ریت پر لِٹا کر سینے پر وزنی پتھر رکھ دیے جاتے تھے۔ ان کے جسموں کو گرم اور تپتے لوہے سے داغا جاتا تھا۔ گلے میں رسّی ڈال کر سڑکوں پر گھسیٹا جاتا تھا۔ یہ سب کُچھ دیکھ دیکھ کر آپؐ کا دل مجرُوح ہوتا تھا مگر دُعا کے سوا کر ہی کیا سکتے تھے؟

آخر وُہ زمانہ بھی آگیا جب آپؐ کو اقتدار نصیب ہُوا لیکن اب ایک اور مُشکل سامنے تھی کہ غلاموں پر لوگ روپیہ خرچ کر چکے تھے۔ ان کے ذریعہ ان کا کاروبار فروغ پا رہا تھا۔ اگر اس وقت غُلاموں کی آزادی کا حُکم جاری کر دیا جاتا تو تنہا عرب کے اندر ہی لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپے کا خسارہ لوگوں کو اُٹھانا پڑتا اور اس حکم کی تعمیل لوگوں پر گراں گزرتی اس لیے آپؐ نے اس ضمن میں قدم تو اُٹھایا مگر نہایت عقل و دانش کے ساتھ۔

آپؐ نے سب سے پہلے یہ حکم نافذ فرمایا کہ کسی آزاد انسان کو فروخت کرنے والا واجب القتل ہے۔ اس طرح غُلامی کی اِس صنف کا اِستیصال کیا

Marfat.com

جو کسی قوم کے بچوں اور لوگوں کو پکڑ کر زبردستی غلام بنا لینے کی صورت میں دنیا میں موجود تھی چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی حکم کے تحت حضرت عمرؓ نے اُن غلاموں کو آزاد کرا دیا تھا جو نجد کی چند نواحی قوموں نے پکڑ لیے تھے۔ کیوں کہ نجد کے عیسائیوں نے آپؓ سے شکایت کی تھی کہ ان لوگوں نے ہمارے بہت سے آدمی جنگ کے بغیر زبردستی پکڑ لیے ہیں۔ ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر یہ جرم اسلام سے پیشتر کا نہ ہوتا تو میں ضرور پکڑنے والوں کو قتل کی سزا دیتا۔

رسولِ کریمؐ کا انسدادی اقدام

دوسرے محض غلام بنانے یا مال و دولت لوٹنے کے لیے ہمسایہ قوم پر حملہ کر دینے کو ممنوع قرار دیا۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا۔ (سورۂ حجرات)

اگر مومنین میں سے دو قومیں مقاتلہ پر آمادہ ہو جائیں تو ان میں صلح کرا دو۔ اگر صلح ہو جانے پر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے اُس وقت تک برابر جنگ کرتے رہو جب تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ نہ آئے اور راہِ راست پر نہ آجائے راہِ راست پر آجانے کے بعد پھر فریقین میں صلح کرا دو، اور اس صلح میں

اس امر کا پورا خیال رکھو کہ کسی کے ساتھ رعایت یا زیادتی نہ ہونے پائے۔

گویا یہ صورت بھی اسلام نے ختم کر دی۔

گویا آپؐ نے پہلے ہی کسی آزاد شخص کو زبردستی پکڑ کر غلام بنا لینے یا کسی پر محض جلبِ منفعت کے لیے بلاوجہ حملہ کرنے اور انھیں غلام بنا لینے کی یعنی غلامی کی دونوں صورتوں کو مسدود کیا نیز خود کو یا اپنے بچوں کو اپنی مرضی سے فروخت کر دینے کی بھی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی۔ اس طرح سے دنیوی اور باہمی جنگوں کا تو قطعی خاتمہ کر دیا اور قرار دے دیا کہ ان کا فیصلہ ہمیشہ صلح پر ہونا چاہیے اور کوئی نہ مانے تو تمام مسلمانوں کو مل کر اس سے منوانا اور دونوں کو صلح پر مجبور کرنا چاہیے۔

رہ گئیں مذہبی جنگیں!

تو یہاں بھی کسی پر زور نہیں اور مسلمانوں کو اجازت نہیں کہ وہ زبردستی بلاوجہ کسی پر حملہ کر دیں لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔ البتہ اگر ان پر کوئی حملہ کرے یا یوں سمجھیے کہ ہندوؤں پر عیسائی حملہ آور ہوں تو وہ یقیناً ہندوؤں کو کمزور ہی سمجھ کر حملہ آور ہوئے ہوں گے۔ اب کمزوروں کے لیے اجازت ہے کہ وہ جنگی قیدیوں کو فروخت کر دیں۔ ہونا چاہیے تھا کہ وہ اپنی کمزوری کے سبب نہ ان کے مصارف کا بار اٹھا سکتا ہے اور نہ انھیں آزاد کر کے اپنے لیے مزید خطرات کا سامان فراہم کر سکتا ہے۔

اس وقت مسلمانوں کی یہی حالت تھی۔ وہ بہت کمزور تھے اس لیے انھیں اسیرانِ جنگ کے فروخت کرنے کی اجازت دی گئی لیکن کسی صورت

Marfat.com

میں جب کہ وہ اپنا فدیہ یا تاوانِ جنگ ادا کرنے کے قابل نہ ہوں کیوں کہ اگر کوئی شخص اپنا فدیہ دینے کے لیے تیار ہے تو مسلمان پھر اسے کسی صورت میں بھی اپنا غلام بنا کر نہیں رکھ سکتے کیوں کہ اسلام میں تو دو ہی صورتیں ہیں۔ مذہبی جنگ میں کوئی قید ہو تو یا تو اسے بطورِ احسان چھوڑ دو یا فدیہ لے کر رہا کر دو۔ تیسری کوئی صورت ہے ہی نہیں۔

غور کیجیے اور ان تدریجی احکام کی سود مندی پر نظر رکھیے کہ غلامی کے تمام مناقد اور تمام سرچشمے ایک ایک کر کے بند کیے جا رہے ہیں۔ نہ کسی آزاد کو پکڑو، نہ پکڑنے کے لیے کسی پر بلاوجہ حملہ کرو، نہ خود کو اور نہ اپنے بچّوں کو فروخت کرو اور مذہبی جنگوں میں جو قیدی پلّے پڑیں انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دو یا بطورِ احسان چھوڑ دو غرض یہ کہ چھوڑ ضرور دو۔ مارنا اور جلانا تو ایک طرف یہاں تو قید رکھنا بھی گوارا نہیں!

مغربی فاضل کا اعتراف

اگر کوئی شخص اپنا فدیہ پیش کر رہا ہو تو مسلمانوں کو اسے پھر قید میں رکھنا جائز ہی نہیں۔ اب ایک اور صورت ہے کہ نہ قیدی میں فدیہ ادا کرنے کی طاقت ہے اور نہ مالک میں بغیر فدیہ چھوڑنے کی سکت کہ اسے کچھ معاوضہ جنگ تو ملنا چاہیے۔ اس صورت میں حکم ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ط

Marfat.com

"قیدیوں میں سے جو قیدی اپنی آزادی کے لیے (زرِ فدیہ کی) قسطیں مقرر کرنا چاہتے ہوں تو مقرر کرلو بشرطیکہ تم سمجھتے ہو کہ وہ روپیہ کمانے کی اہلیت رکھتے ہیں یہی نہیں بلکہ ایسے لوگوں کی مال سے بھی مدد کر دو کہ وہ اس کے ذریعہ سے روپیہ پیدا کر کے اپنا فدیہ ادا کر دیں۔"

دیکھیے کتنی رعایت ہے اور کتنی عدیم النظیر فیاضی!

سر ولیم اپنی کتاب "لائف آف محمد" کے باب نمبر ۳۷ صفحہ نمبر ۵۲۲ پر لکھتے ہیں کہ:

"اسلام سے تین سب سے بڑے عیوب پیدا ہوئے جو ہر ملک اور ہر زمانہ میں رائج رہے اور اس وقت تک برابر قائم رہیں گے جب تک کہ مسلمانوں کے ایمان کی بنیاد قرآن پر ہے: اوّلاً کثرتِ ازدواج، ثانیاً طلاق، ثالثاً غلامی ـــ یہ وہ مسائل ہیں جو اخلاقِ عوام کی جڑ پر تبر کا حکم رکھتے ہیں۔ معاشری و منزلی زندگی کو مسموم بناتے ہیں اور سوسائٹی کے نظام کو تہ و بالا کرتے ہیں۔"

کثرتِ ازدواج اور طلاق کے متعلق تو ہم بہ شرطِ فرصت کسی اور جگہ بحث کریں گے اور دکھائیں گے کہ اسلام سے پیشتر تمام دنیا میں یہ دونوں چیزیں ایجابی یا سلبی طور پر اپنی پوری خوفناکیوں کے ساتھ موجود رہی ہیں اور اسلام ہی نے آکر ان میں توازن قائم کیا اور پھر اب تو عیسائی بھی طلاق کو اختیار کر چکے ہیں اور تعدادِ ازدواج پر جنگِ عظیم کے بعد تمام مغربی ممالک میں غور و خوض شروع ہو گیا تھا۔ بہ ہر کیف اس وقت ہمیں بحث غلامی سے

Marfat.com

ہے۔ ہم اپنی زبان سے سرِدست کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ ان کے ہم مذہبوں اور فاضل مغربیوں ہی کی زبان سے انھیں جواب دِلوانا چاہتے ہیں۔

۱۔ نیز الیسٹ کی ایک فاضل مضمون نگار مس بیٹ لکھتی ہیں کہ :

"عرب کا غلام دراصل غلام نہیں بلکہ وُہ عرب کا لاڈلا بیٹا تھا۔"

۲۔ آرنلڈ صاحب لکھتے ہیں کہ :

"مسلمانوں میں غلاموں کی حالت عیسائیوں کے غلاموں سے بالکل جُداگانہ تھی۔"

۳۔ سرایڈورڈ گبن لکھتے ہیں کہ :

"غلامی جسے کہتے ہیں وُہ عرب سے بالکل مفقود ہو چکی تھی۔"

جانے دیجیے اسے بھی اور یہ دیکھیے کہ سرولیم صاحب خود ہی اپنی اسی کتاب میں دُوسری جگہ کیا فرماتے ہیں :

۴۔ "صحابہ کرام خود پیدل چلتے انہیں اُونٹوں پر سوار کر لیا۔ آپ بھُوکے رہتے اور انھیں کھلاتے اور ان کی طرف سے ذرا برابر غفلت نہ برتتے۔"

اسے کہتے ہیں جادُو کا سر چڑھ کر بولنا۔ تسلیم ہے کہ خود بھُوکے رہتے اور انھیں کھلاتے اور پھر بھی اسلامی غلامی پر اعتراض ہے اور وُہ بھی اس رنگ میں گویا غلامی اور کسی مذہب میں نہیں اور یہ صرف اسلام ہی کا نصیب ہے

غلاموں پر آقایانہ کرم

مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ جو غلام اُن کے پاس رہ بھی جائیں اُنھیں وُہ جو خُود کھائیں وُہ کھلائیں جو خود پہنیں وُہ پہنائیں۔ اُنھیں جسمانی سزا نہ دیں۔ جو کام خود نہ کر سکتے ہوں اُن سے بھی نہ کرائیں۔ جس کام سے خود کو کراہت آتی ہو وُہ کام غلام سے بھی نہ کرایا جائے۔ اگر غلام فدیہ دے کر آزادی کا مطالبہ کرے تو فوراً اُسے آزاد کر دیا جائے۔ یکمُشت زرِ فدیہ ادا نہ کر سکتا ہو تو قسطیں کر لو۔ ہو سکے تو سرمایہ سے اُس کی امداد بھی کرو۔

دُنیا کے کسی مذہب اور کسی مُلک کا نام لے سکتے ہو تو بتاؤ! جس میں غلاموں سے حُسنِ سلوک پر اِتنا زور دیا گیا ہو، اور کیا ایسے شخص کو غلام کہا بھی جا سکتا ہے جو اپنے آقا ہی جیسا کھاتا پہنتا ہو، اور آقا ہی کی طرح زندگی بسر کرتا ہو۔ طاقت و قُوت سے زیادہ کام نہ کرنا پڑتا ہو؟

یقیناً نہیں اور ہرگز نہیں!

اسلام کا غلام بقول مسز بیٹ غلام نہیں بلکہ عرب کا لاڈلا بیٹا تھا اور بقول سر اڈیورڈ گبن جسے غلامی کہتے ہیں اسلامیوں میں اِس کا وجود باقی نہ رہا تھا۔ اِسلام کے غلام تو دراصل گھر کے ایک رُکن کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اِس پر بھی اگر کوئی مؤرّخ اسلام پر اعتراض کرے تو یہ اُس کا نہیں اُس کے فہم کا قصور ہے۔

رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے غلاموں سے وُہ سلوک کیا کہ وُہ گھر وطن تو کیا اپنے والدین تک کو بھول گئے۔

Marfat.com

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تو غلام ہی تھے۔ باپ فدیہ کی رقم لے کر انھیں آزاد کرانے آیا تو رو کر کہنے لگے کہ مجھے اس غلامی میں آزادی سے زیادہ عیش و آرام ہے۔ مَیں آزاد رہنا نہیں چاہتا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں دس سال تک حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی غلامی میں رہا مگر اس تمام عرصہ میں رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے کبھی تیوری چڑھا کر نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی غصّہ سے بات کی تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاشانۂ نبوی علیہ السّلام کے مہتمم رہے اور حضرت عمرؓ نے آپ کو آقا کے نام سے مخاطب کیا۔

ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت ابوسعیدؓ انصاری کو دیکھا کہ اپنے غلام کو کھڑے زدوکوب کر رہے ہیں۔ حضرت ابوسعیدؓ کو اپنے پیچھے سے آواز سُنائی دی:

"ابوسعید جانتے ہو کہ جتنا اختیار تمھیں اس غلام پر ہے اُس سے کہیں زیادہ اختیار تم پر خدا کو ہے۔"

مُڑ کر دیکھا تو رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لا رہے تھے۔ یہ سُن کر اور دیکھ کر لرز گئے اور عرض کیا کہ حضورؐ مَیں نے اسے آزاد کیا۔

آپؐ نے فرمایا کہ بہتر کیا۔ آزاد نہ کر دیتے تو دوزخ کی آگ تمھیں چھُو لیتی۔

اللہ رے کرم!

اسی طرح آپؐ نے ایک مرتبہ ایک کنیز کو پٹتے دیکھا تو فوراً آزاد کرا دیا۔

Marfat.com

آپ نے غلاموں کو آزاد کرانے کا یہ ڈھنگ اختیار کیا تھا کہ ان کی آزادی کو ثوابِ عظیم بتایا اور بعض گناہوں کا کفّارہ ہی غلاموں کی آزادی کو قرار دیا، اور غلاموں کو اختیار دیا کہ وہ آزاد ہونا چاہیں تو ایک مقررہ رقم کما کر ادا کریں اور آزاد ہو جائیں۔ اسی طرح ہزارہا قیدی بلاجبر آزاد ہو گئے اور جو رہ گئے وہ مساویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

بھلا مادرِ گیتی اس شفقت و کرم کی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ آپ نے تاکیدی احکام صادر کیے تھے کہ کوئی شخص اپنے غلام کو "میرا غلام" اور اپنی لونڈی کو "میری لونڈی" ہرگز نہ کہے بلکہ "میرا بچہ" اور "میری بچی" کہے۔ انتہا یہ ہے کہ آخری وقت میں بھی آپ کو غلاموں کا برابر خیال رہا۔

جنگی قیدیوں پر بارشِ ابرِ رحمت

جنگی قیدی آخر جان و مال کے دشمن ہی تو ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ اس سے پہلے کسی نے بھی انسانیت کا سلوک روا نہ رکھا تھا لیکن اب دیکھیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کیا سلوک روا رکھتے ہیں۔

غزوۂ بدر کے قیدی وہی تو تھے جنھوں نے تیرہ برس تک مکّہ میں ظلم و جور کی انتہا کر دی تھی اور جان و مال اور عزّت و آبرو کے دشمن بنے رہے تھے مگر یہی خوں خوار دشمن جب گرفتار ہو کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو اور تو اور خود یہی سمجھتے تھے کہ بس اب جان کی خیر نہیں۔ اب ہم سے ضرور انتقام لیا جائے گا۔ موت کے نقشے سب کی آنکھوں کے سامنے کھنچ کر رہ گئے تھے۔ اس لیے کہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ انھوں نے

Marfat.com

اپنے قابو کے زمانے میں کون سی کسر اُٹھا رکھی تھی جو انھیں کسی کرم و احسان کی توقع ہوتی۔

مُلک کا دستور بھی یہی تھا کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا اور اس وقت دُنیا میں کوئی بھی ایسی قوم نہ تھی جو بیٹھے بٹھائے اپنے اُوپر چڑھ دوڑنے والوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی زندہ رہنے دیتی۔ مگر نہیں آپؐ تو رحمۃ اللعالمین تھے اس لیے رحمت و کرم سے کام لیا۔ ابرِ رحمت گرج اُٹھا اور پھر ان قیدیوں پر عفو و کرم کی مُوسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

آپؐ نے حکم صادر فرمایا کہ :

"فدیہ لے کر انھیں آزاد کر دو۔" اور یہ بھی فرمایا کہ "جو فدیہ ادا نہ کر سکیں اُن میں سے ہر ایک قیدی دس دس مسلمانوں کو لکھنا سکھا دے اور آزاد ہو جائے۔"

قیدیوں میں سے ایک شخص عُمرو بولا کہ مَیں بہت غریب ہوں عیال دار ہوں یہاں قید رہا تو میرے بال بچے بھوکوں مر جائیں گے۔

آپؐ کو اس پر رحم آ گیا اور اسے بغیر فدیہ لیے ہی رہا کر دیا۔

ایک اور قیدی نے کہا :

"مَیں گھر جا کر فدیہ کی رقم ارسال کر دُوں گا۔"

واہ سُبحان اللہ! اس شخص کو اس کے صرف اتنے سے وعدے پر اعتبار کرتے ہوئے اُسے فوراً رہا کر دیا۔

پُوری دُنیا کی مکمل تاریخ مَوجُود ہے۔ بتا سکتے ہوں تو بتائیے کہ کسی فاتح نے ایسے تشنہ خُون دشمنوں سے ایسا روادارانہ اور بے حد فیاضانہ سلوک روا رکھا ہو

Marfat.com

پھر بھی جو قیدی رہا ہونے سے رہ گئے تھے اُن کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک بھی مثالی تھا کہ مسلمان خُود بھُوکے سو رہتے لیکن قیدیوں کو کھانا ضرور کھلا دیتے۔

قبیلہ بنی ہوازن کے چھ ہزار قیدی سب کے سب اُن کی اُن میں رہا کر دیئے حالاں کہ یہ سب وُہ تھے جو بلا وجہ مقابلہ پر اُتر آئے تھے۔ مگر دریائے کرم کی رَوانی دیکھیے کہ اِس رَوانی کو کون روک سکتا تھا۔

دُنیا والو!

ہزار برس بھی سعی کرو گے تو اِس الطاف وکرم کی مثالیں کہیں نہ پا سکو گے کیا آپ انھیں غُلام کہیں گے جو ہندوستان کے نائب السلطنت بنے اور جنہوں نے فرماں روایانِ اسلام کی لڑکیوں سے شادیاں کیں۔

رُوم میں، چین میں، ایران میں، غرض یہ کہ کہیں بھی کسی غلام کو کوئی عُہدہ ملا؟ لیکن مسلمانوں کے غلاموں نے تختِ سلطنت پر جلوس کیے اور تاج پہنے۔

دُنیا رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اِس احسان کو بھُولنے کی سعی بھی کرے تب بھی تا قیامِ قیامت نہ بھُول سکے گی۔

ہر قسم کے قرآن مجید عکسی مترجم و مترا، تاج کمپنی اور دیگر اداروں کی اسلامی کتب تھوک و پرچون

ہم سے طلب کریں

جنت کا منظر

منگوانے کا پتہ

موت کا منظر

کتب خانہ شانِ اسلام

راحت مارکیٹ

اردو بازار ۰ لاہور

Marfat.com

حوصلہ مند تاجر

آبا و اجداد کی تجارت

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں کئی پشتوں سے تجارت کا پیشہ چلا آتا تھا۔ آپؐ کے والدِ ماجد، چچا، دادا، اور پردادا سب تاجر ہی تھے۔ ان میں ہاشم تو اتنے بڑے ذی وقار اور اس قدر اولوالعزم انسان گزرے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ وہ مکّہ کے ایک اولوالعزم تاجر تھے بلکہ پورے عرب اور ہمسایہ ممالک میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ سب سے اہم یہ کہ اُن کی اولوالعزمی اور لیاقت سے اُنھیں ہی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ قریش کی تجارت چمک گئی اور عربوں کے کاروبار کو بہت وُسعت ہوئی۔ اس سے پہلے بھی عرب تجارت کرتے تھے لیکن ایسی تجارت جسے کوئی نمود و شکوہ نصیب نہ تھا۔ ہاشم نے میدانِ عمل میں اُترتے ہی عرب کی تجارت کا نقشہ بدل دیا۔ پہلے تو اُنھوں نے یہ کیا کہ قیصرِ رُوم، شاہِ حبش اور فرماں روائے یمن سے خط و کتابت کی اور کچھ اس قابلیت کے ساتھ کی کہ اُن سے فرمان حاصل کر لیے کہ عربوں کے مالِ تجارت پر کوئی محصول عاید نہ کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ جب تجارت کُھلے بندوں ہونے لگے اور نہ مالِ تجارت پر اپنے مُلک میں کوئی محصول دینا پڑے اور نہ دُوسرے مُلک میں تو اس صُورت میں کاروبار

کو لا محالہ ترقی ہی ہوگی اور ہوئی بھی!

اس سے نہ صرف سارے قریش میں بلکہ تمام عرب میں ان کی لیاقت اور کارکردگی اور نفوذ و اثر کی دھوم مچ گئی۔ تمام عرب ممنونِ احسان ہوگئے۔ اب انھوں نے دیکھا کہ عرب کی تجارت اُس وقت تک وُسعت پذیر نہیں ہوسکتی جب تک کہ قبائل کی دست بُرد کو نہ روکا جائے اور راستے پُرامن نہ ہوجائیں۔ چناں چہ یہ اولوالعزمانہ ارادے کے ساتھ مکّہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ عرب کے گوشے گوشے میں پھرے۔ سرداروں سے ملے۔ تقریریں کیں اور قبائل سے معاہدے کرلیے کہ وُہ قریش کے کاروانِ تجارت کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے جس کے صلہ میں قریش کا کارواں اُن کی ضروریات کی چیزیں لے کر خود اُن کے پاس پہنچتا رہے گا اور اُن سے خرید و فروخت کرے گا۔

اَب تو قریش کے کارواں مشرق میں عراق و بحرین تک، شمال میں شام و ایشیائے کوچک تک، اور جنوب میں یمن و کویت تک پہنچنے لگے۔ چند ہی برسوں میں مُلک کی حالت ہی بدل گئی۔ قریش مالامال ہوگئے اور دُور دُور تک ان کی دھاک بیٹھ گئی۔

ہاشم چوں کہ نہایت ذی اثر، اولوالعزم اور وجیہ انسان تھے، مناصب حرم بھی انھیں کے پاس تھے۔ کافی دولت مند بھی تھے اور ایامِ حج میں حجّاج کی میزبانی کے فرائض بھی نہایت سیرچشمی کے ساتھ انجام دیا کرتے تھے۔ اس لیے ان کا سکّہ بیٹھ گیا۔

اور تو اور خود قیصرِ رُوم ہاشم کی بہت زیادہ عزّت و توقیر کرنے لگا۔ مدھر

Marfat.com

جلتے عزت ہوتی۔ ایک طرف تو یہ ملک التجار ہو گئے اور دوسری طرف ان کی سرداری قریش ہی پر نہیں پورے عرب پر مسلّم ہو گئی۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر قریش میں کوئی اتنا حوصلہ مند ذی رسوخ اور با اثر پیدا نہ ہوا تھا۔ یہ بڑے طمطراق و دبدبہ کے ساتھ رہتے تھے۔ آپؐ کے دادا عبد المطلب بھی آخر ہاشم ہی کے بیٹے تھے۔ ان کا کاروبار بھی بہت وسیع رہا اور انھوں نے بھی بڑے عزت و عظمت اور اقتدار کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آپؐ کے چچا ابوطالب، ابولہب، حضرت عباسؓ و حمزہؓ کی وہ شان تو نہ رہی تھی پھر بھی سب کے طالع بخت آور تھے اور یہ کافی دولت مند تھے۔ آپؐ کے والدِ محترم حضرت عبداللہ بن عبد المطلب نے بھی تجارت ہی شروع کی تھی مگر وہ سترہ سال ہی کی عمر میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؎

رسولِ کریم کی تجارتی ایجنسی

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم یتیم و یسیر تھے۔ بچپن میں تو ابوطالب کفیل رہے مگر پھر آپؐ کو اپنے لیے خود راستہ پیدا کرنا پڑتا تھا۔ آپؐ کو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ تجارتی سفروں کے سلسلہ میں ایک سے زیادہ مرتبہ شام جانا ہوا تھا۔ گھر اور باہر تجارتی رنگ دیکھے تھے مگر کم سن تھے پہلے بکریاں چراتے رہے۔ سنِ رشد کو پہنچے تو پاس پیسہ نہ تھا۔ ابوطالب کی ایسی حالت نہ تھی کہ وہ کوئی سرمایہ آپؐ کے لیے علیحدہ کر سکتے اور نہ آپؐ ہی نے انھیں تکلیف دینا گوارا کیا۔ آپؐ کی شرافت و پاکیزگی اور امانت و دیانت کی دھوم مچ ہی چکی تھی اس لیے آپؐ نے تجارتی ایجنسی کا ارادہ فرمایا۔

Marfat.com

اُس زمانہ میں عرب کے اندر یہ دستور تھا کہ لوگ کسی متدین سرگرم اور تجربہ کار شخص کو شریکِ کار کر لیتے تھے بدیں شرائط کہ یہ اُن کا مال لے کر باہر جائے اسے فروخت کرے اور اس کے نفع میں ایک مقررہ مقدار کا حق دار رہے تو یہ طریق کار گویا تجارتی الجنسی کی شکل تھی۔

آپؐ کو کسی سے کہنے اور استدعا کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ لوگ آپؐ کی شہرتِ دیانت و سرگرمیِ کار سے متاثر ہو کر خود ہی آپؐ کے پاس آنے اور اپنا مال فروخت کے لیے آپؐ کے حوالے کرنے لگے۔ لوگوں کو آپؐ کی ذات سے زیادہ نفع ہونے لگا تو اور شہرت بڑھی اور لوگوں کا رجحان آپؐ کی طرف اور زیادہ ہو گیا۔ عبداللہؓ بن ابی، حضرت سائبؓ، قیس بن سائبؓ مخزومی اور حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ وغیرہ آپؐ کے شرکائے کار تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن ابی کا بیان ہے کہ میں نے بعثتِ نبوی سے پیشتر ایک مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ طے ہو گیا تھا اور کچھ طے پانا باقی تھا کہ اسی سلسلے میں مجھے گھر جانے کی ضرورت پڑ گئی۔ میں آپؐ سے یہ کہہ کر گھر چلا گیا کہ ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں۔ گھر جا کر میں کسی اور کام میں مصروف ہو گیا۔ مجھے بالکل یاد نہ رہا کہ مجھے آپؐ کے پاس واپس بھی جانا ہے۔ بات ذہن سے ایسی محو ہوئی کہ تین دن تک مجھے خیال نہ آیا کہ آپؐ سے کوئی وعدہ یا لین دین کیا تھا۔ تیسرے روز اُسی جگہ پہنچا تو یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا کہ آپؐ اُسی جگہ پر کھڑے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نادم ہوا لیکن آپؐ کی تیوری پر بل تک نہ آیا البتہ صرف اتنا فرمایا کہ "تم نے مجھے بہت زحمت دی"۔

کاروباری امور میں وعدہ کو کتنی اہمیت حاصل ہے اور پابندِ عہد تاجر کو کس وقعت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے حضرت سائب فرماتے ہیں کہ آپؐ میرے شریکِ تجارت تھے لیکن معاملہ ہمیشہ صاف رہا۔

حضرت قیس بن سائب کا بیان ہے کہ شرکائے تجارت کے ساتھ آپؐ کا معاملہ ہمیشہ صاف رہتا تھا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی سے کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش آیا ہو۔

ظاہر ہے کہ معاملہ کی صفائی، عہد کی پابندی، راست بازی کاروبارِ تجارت کے لیے کتنی اہم اور بنیادی چیزیں ہیں۔ انھی سے ساکھ قائم ہوتی ہے، اور تجارت میں ساکھ اتنی بڑی چیز ہے کہ جو کام اس سے نکلتے ہیں وہ لاکھوں روپے سے بھی نہیں نکلتے۔ آپؐ کی ساکھ تمام عرب میں قائم ہوگئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ الحسار تک کے لوگ آپؐ سے شرکت کے لیے آتے تھے۔ آپؐ جوش کر سرگرمی اور محنت سے کام کرتے تھے اور معاملات میں دیانت و صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے اس لیے مال بھی زیادہ بکتا تھا اور نفع بھی ضرورت سے زیادہ ہوتا تھا

رسولِ کریمؐ ملک التجار کی حیثیت میں

اُس وقت تاجرانِ عرب میں حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کو امتیازی درجہ حاصل تھا۔ ہزار ہا روپیہ کا کاروبار کرتی تھیں اور ان کی تجارت اس وقت قریش میں سب سے بڑی تجارت تھی اور آپ کی قابلیت، اہلیت اور تاجرانہ بصیرت کا اعتراف سارے قریش کو تھا۔ آپ ذاتی حیثیت سے نہایت نیک نفس ستودہ صفات اور پاکیزہ اخلاق بیوی تھیں اور اتنی متمول تھیں

کہ جب تجارتی قافلہ مکّہ سے روانہ ہونے لگتا تھا تو تنہا آپ کا مالِ تجارت تمام قریش کے مالِ تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ غرض یہ کہ اُس وقت مکّہ میں آپ کے نام کا طوطی بول رہا تھا۔ سینکڑوں آدمی ملازم تھے۔ شدہ شدہ آپ کے کانوں تک بھی رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شُہرت کے چرچے پہنچے۔ کاروباری افراد کو تو تجربہ کار اور لائق آدمیوں کی تلاش رہتی ہی ہے اور وُہ ان کی قدردانی و امداد کو اپنے کاروبار کے لیے بُہت ضروری سمجھتے ہیں۔ چناں چہ آپ نے رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پیغام بھیجا کہ:

"آپؐ اس مرتبہ تجارت کے لیے میرا مال لے کر جائیں۔ مَیں جتنا معاوضہ اوروں کو دیتی ہوں چوں کہ آپؐ بے حد لائق تجربہ کار اور صاحبِ شُہرت و شرافت ہیں آپؐ کو اس سے دوگنا دوں گی۔"

اُس وقت حضرت بی بی خدیجہؓ کا کام کرنا بڑی عزّت اور شان کی بات تھی۔ آپ بُہت نیک سیرت اور عالی نسب خاتون تھیں۔ دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ بڑی شریفانہ اور پُروقار زندگی گزار رہی تھیں۔ لوگ آپ کو طاہرہ کے نیک نام سے پکارا کرتے تھے۔ ان کا دامن ہر قسم کی آلودگیوں سے مُبرّا تھا۔

آپؐ کے چچا ابو طالب نے جب بی بی خدیجہؓ کے کاروباری پیغام کے بارے میں سنا تو آپ بہت خوش ہوئے اور حضُور صلّی اللہ علیہ وسلّم پر زور دیا کہ وُہ بی بی خدیجہؓ کے مال پر تجارت کرنا منظور کرلیں چناں چہ آپؐ راضی ہو گئے اور مالِ تجارت لے کر ایک قافلہ کے ساتھ بصرے کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ اِس پہلے ہی سفر میں آپؐ کو کثیر نفع ہوا حضرت بی بی خدیجہؓ خوش ہو گئیں۔ تین ماہ تک آپؐ محنت اور سرگرمی سے تجارت کا کام کرتے رہے۔

Marfat.com

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ سے شادی

ایک طرف تو کاروباری منافع و وسعت کا خیال اور دوسری طرف آپ کے گوش گزار ایسی صفات و محاسن ہوئیں کہ آپ نے خود پیغام دے کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد کر لیا۔

اب تک تو کام گونہ اجنبی کے طور پر ہو رہا تھا اس کے بعد گویا آپؐ کو مالکانہ حیثیت حاصل ہو گئی۔ کام اپنا ہو گیا۔ تجارت اپنی ہو گئی۔ معاملہ اپنا ہو گیا آپؐ نے اپنی تمام تر توجہ کاروبار کی طرف مبذول کر دی۔ اب تو گویا قافلہ کا قافلہ ہی آپؐ کی زیر قیادت ہوتا تھا۔ ایک موسم میں شام بصرہ اور ایشیائے کوچک کی طرف اور دوسرے موسم میں یمن بحرین الحسا کویت اور مسقط تک جاتے اپنا مال فروخت کرتے اور وہاں کا مال خرید کر لے آتے۔

اس دور میں جب کہ وسائلِ نقل و حمل اور ذرائع آمد و رفت کی سہولتیں مفقود تھیں آپؐ دور دراز ولایتوں اور علاقوں میں مالِ تجارت لے کر جاتے۔ مشہور منڈیوں میں پہنچتے۔ تجارتی مرکزوں میں جاتے۔ وہاں اپنا مال ہی فروخت نہ کرتے بلکہ بازار اور خرید و فروخت کا رنگ بھی دیکھتے۔ گویا شام میں آپؐ نے بحرِ مردار کے سواحل اور بندرگاہوں کی بھی سیر کی اور خلیج فارس کے مشہور شہروں اور وہاں کی بحری تجارت اور اس کے آئین و عنوان کو بھی مشاہدہ کیا۔

نبوّت کے بعد بحرین سے عبدالقیس کا جو وفد آیا اس سے آپؐ نے اس طرح بحرین کے حالات پوچھنے شروع کیے کہ ایک ایک مقام کا نام لیتے گئے اور وہاں کے حالات دریافت کرتے گئے اہلِ وفد آپؐ کی یہ واقفیت دیکھ کر بہت

Marfat.com

متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ تو ہمارے ملک کا حال ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں فرمایا ہاں! میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔

یاد رہے کہ بحرین عرب کا ایک نہایت زرخیز اور زرریز خطّہ ہے جو خلیج فارس کے ساحل پر واقع ہے۔

ابنِ سیّد النّاس نے لکھا ہے کہ:

"آپؐ جاشہ تشریف لے گئے تھے جو ایک دُور دراز مشہور مرکزِ تجارت تھا۔ جرش کی منڈی میں بھی آپؐ جایا کرتے تھے جو یمن میں واقع تھی۔ عرب کا چمڑا اور کھالیں دُنیا بھر میں اچھی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں اور یہ تمام تر تجارت قریش کے ہاتھ میں تھی۔ آپؐ مکّہ سے کھالیں چمڑا اور اُون جمع کر کے شام و یمن اور بحرین کی طرف لے جاتے اور وہاں سے غلّہ لاد کر مکّہ لے آتے اس کے علاوہ آپؐ یمن و شام سے کپڑا، یمنی چادریں، ظروف اور موتی وغیرہ بھی لاتے اور انھیں مکّہ اور دیگر اقطاع میں فروخت کر دیتے۔"

بہرکیف چودہ برس تک آپؐ پوری کامیابی و سرگرمی کے ساتھ تجارت کرتے رہے اور آپؐ نے عرب اور مکّہ میں ایک ممتاز درجہ حاصل کر لیا۔ درحقیقت اس وقت آپؐ عرب کے ملک التجار تھے۔ لاکھوں روپیہ پیدا کرتے اور غریبوں ضعیفوں بیواؤں اور یتیموں مسکینوں کی امداد دل کھول کر کرتے۔ گو تولیتِ حرم دادا کی وفات کے بعد بنو امیّہ کے ہاتھ میں چلی گئی تھی اور قریش کی سرداری انھی کے خاندان میں تھی پھر بھی آپؐ کی شرافت و پاکبازی اور دولت مندی و فیاضی کی بدولت جو بات آپؐ کی تھی وہ کسی کی نہ تھی۔

Marfat.com

جدوجہدِ معاش کی اہمیت

اعلانِ نبوت کے بعد آپؐ کے اس تمام اقتدار و دولت مندی کا خاتمہ ہوگیا اور سارا اثر و اقتدار زائل ہوگیا لیکن اس کے بعد جب پھر زمانہ نے پلٹا کھایا تو آپؐ تو آپ آپ کے غلام بھی ملک التجار تھے اور آپؐ کے فرقِ مقدس پر تاجِ رسالت جگمگا رہا تھا۔

آپؐ چوں کہ توفیقِ ایزدی سے ابتدا ہی سے نہایت سرگرم اور محنتی تھے۔ کاروباری منافع و دیانت کا تجربہ کر چکے تھے اور خدائے تعالیٰ کو بھی یہی منظور تھا اس لیے آپؐ نے منصبِ رسالت پر فائز ہوتے ہی مسلمانوں کو معاش و محنت اور تجارت و کاروبار کی طرف حسبِ حکمِ خداوندی متوجہ کرنا شروع کر دیا اور سب سے پہلے فرمایا:

اَلْعِبَادَةُ سَبْعُوْنَ جُزْءًا وَّاَفْضَلُهَا طَلَبُ الْحَلَالِ۔

یعنی: "عبادت کے ستر جزو ہیں جن میں سے افضل ترین جزو کسبِ حلال ہے۔"

آپؐ سے پہلے دُنیا میں کسی نے بھی معاش کو اتنی اہمیت نہ دی تھی۔ مگر آپؐ نے تو اسے عبادت کا درجہ دے دیا۔ ایسا درجہ جو فریضۂ الٰہی کے بعد سب سے اہم و ضروری درجہ ہے:

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِیْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ۔

یعنی: "فریضۂ الٰہی کے بعد حلال روزی کا طلب کرنا سب سے اہم فریضہ ہے!"

Marfat.com

پھر ارشاد فرمایا :

طَلَبُ الْحَلَالِ جِهَادٌ وَّ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْکَسْبُ الْحَلَالِ

یعنی : "حلال روزی پیدا کرنا جہاد کے برابر ہے اور تمام اعمال میں افضل حلال روزی کے لیے سعی وجہد کرنا ہے۔"

اس سے بھی زیادہ یہ کہ جو شخص حلال روزی کی سعی وجہد میں تھک کر سوئے گا اللہ تعالیٰ اس سے خوش رہے گا اور جو اس حالت میں مر جائے گا بخشا جائے گا۔

رسولِ کریم صلعم کی تجارتی تعلیم

معاش ومعیشت میں سب سے اہم چیز تجارت ہے۔ اس کے متعلق آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "دیانت دار تاجر بروز حشر شہدا و صدیقین اور انبیاؑ کے ساتھ اُٹھے گا۔" آخرت کی یہ تجارتی کامگاریاں واضح کر کے فرمایا کہ "تم تجارت ضرور کرو کہ اس میں رزق کے دس حصّوں میں سے نو حصّے رزق اسی میں ہے۔" یعنی دُنیا میں جتنا رزق وروپیہ اللہ نے بندوں کے لیے وقف کیا ہے اس کے دس حصّوں میں سے نو حصّے تو صرف تجار ہی کے لیے وقف ہیں اور آخرت میں یہ فائز المرامی کہ شہدا و انبیاؑ کے ساتھ حشر ہو گا۔ گویا دارین اور دُنیا و آخرت کی منفعتیں تجارت ہی میں مرکوز ہیں۔ افسوس ہے کہ مسلمان ان احادیث کو پڑھتے ہیں اور پھر آنکھیں نہیں کھلتیں۔ یوں تو کہنے کو روز ہی کہتے ہیں کہ میاں کوئی آپ کی بات قرآن وحدیث سے جسے ضرور ہی سچ سمجھیں اور مان لیں لیکن حدیث سامنے موجود ہے اسے سب دیکھتے پڑھتے اور سمجھتے ہیں اور پھر یقین نہیں کرتے۔ یہی نہیں آپؐ نے تو انسان کے نفسیاتی اور روحی پہلو کو پیش نظر

Marfat.com

رکھ کے یہ بھی فرما دیا تھا کہ :

"دلیر تاجر کو رزق ملتا ہے اور بزدل تاجر محروم رہتا ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت اور ہمت کے مطابق رزق ملتا ہے۔"

سبحان اللہ! کتنی شاندار تعلیم ہے۔

صحابہ کرامؓ کی تجارتی دولت مندیاں

صحابیوں نے اس تعلیم کی صداقت کو تسلیم کیا۔ تجارت کی اور کروڑپتی بن گئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت طلحہؓ وغیرہ سب تاجر تھے اور تاجر بھی کروڑپتی جنہوں نے اپنے بعد کروڑوں ہی روپیہ ترکہ میں چھوڑا، اور کروڑوں ہی روپیہ اللہ کی راہ میں دیا۔ دنیا میں بھی عزت سے رہے اور آخرت کی فائز المرامیاں بھی حاصل کیں۔

مسلمانوں کے سامنے شاندار تجارتی لٹریچر، شاندار تجارتی ہدایات، اور شاندار تجارتی تعلیم موجود ہے۔ اپنے پیشوائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ عمل ہے۔ شاندار روایات ہیں۔ پھر بھی وہ تجارت میں سب سے پسماندہ ہیں۔ کاش مسلمان سمجھیں اور اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں کہ حقیقتاً ان کی بہتری، برتری اور عظمت و بلندی کا راز اسی میں مضمر ہے!

Marfat.com

حاملِ قرآن

عرب کی حالت

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے ملک ایسے شہر اور ایسی فضا میں آباد تھے جہاں ہر طرف بادہ نوشی اور جُوئے کا زور تھا۔ شاہد پرستی کا سیلاب اُمڈا ہوا تھا۔ جنگ و جدل کی گھٹائیں مسلّط تھیں۔ بُت پرستی کا زور شور تھا۔ بداخلاقیوں کی گندگیاں اُچھل رہی تھیں۔ خدا کو چھوڑ کر خدا کی مخلوق سے مُرادیں مانگی جا رہی تھیں۔ اللہ کے آگے جُھکنے والے سر بُتوں کے آگے جُھک رہے تھے۔ لات و عُزّٰی کے سامنے حاجت مندوں کے ٹھٹ لگے رہتے تھے۔ حُسن و عشق کا بازار گرم تھا۔ نہ کوئی آئین تھا نہ اصُول' نہ کوئی تہذیب تھی نہ تمدّن' نہ علم تھا اور نہ کوئی مذہب۔ جیسے ماں کے پیٹ سے نکلے تھے ویسے ہی تھے۔ جنگل کے خودرَو درخت تھے جو بڑھتے اور پھیلتے چلے جاتے تھے۔ وحُوش و طیُور تھے جو کھاتے پیتے گاتے اور مر جاتے تھے۔ ہر طرف آندھیاں اُٹھ رہی تھیں۔ مذہب تھے مگر نام کو اللہ کا نام لیا جاتا تھا لیکن عبث۔ خُدا کے بندے بُتوں کے بندے بنے ہُوئے تھے۔ بے حیائی' بے غیرتی' بے شرمی' بداخلاقی' بدوضعی' بداطواری' زناکاری' لواطت' مے خواری' قماربازی' حرام خوری' دغا فریب' کبر و غرُور

نخوت و رعونت، حسد و کینہ، غیبت و بدگوئی اور کذب و دروغ کے سیلاب اُمڈے ہوئے تھے۔ سب راعی تھے اور سب رعایا۔ نہ ڈر تھا نہ خوف، زیر دستوں پر زبردستوں کے ظلم ہمیشہ تیز رہتے تھے۔ فرعونوں اور سیاہ کاروں کی اس دُنیا میں مظلوموں کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ مخلوق متخاصم قبائل میں منقسم تھی۔

عرب کیا تھا؟

ایک سانحۂ عالم تھا۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس، جس کا جتھا اُس کی حکومت والا معاملہ تھا۔ ہر طرف تاریکی تھی جہاں روشنی کا ایک دیا بھی نہ ٹمٹماتا تھا!

چھٹی صدی عیسوی کے مذاہب

ایک عرب کیا دُنیا بھر کی یہی حالت تھی۔ ہر طرف بگولے اُڑ رہے تھے اور پوری کی پوری دُنیا الحاد و زندقہ، کفر و شرک اور ابتذال و تسفّل میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس وقت دُنیا میں بکثرت مذاہب موجود تھے جن میں یہودیت، عیسائیت، مجوسیت، بدھ مت، ہندو دھرم اور کنفیوشس قابلِ ذکر ہیں۔ ویسے آفتاب و ماہتاب کو پوجنے والے، ستارہ پرست اور بعض جانوروں کو خدا سمجھنے والے بھی موجود تھے۔ بدھ مت ہندوستان، چین اور جاپان میں وندنا رہا تھا، لیکن زوال پذیر تھا اور مہاتما بدھ کی تصویر ہر گھر میں موجود تھی جس کی پوجا کی جا رہی تھی۔ خُدا کا کوئی تصوّر ہی نہ تھا۔

دوسرا بڑا مذہب عیسائیت تھی جو تمام یورپ، تمام وایشیائے کوچک اور حبش میں پھیلی ہوئی تھی۔ عیسائیوں نے ایک خدا کے تین نام گھڑ لیے تھے۔

تیسرا بڑا مذہب مجوسیت تھی۔ یہ لوگ آگ کو پوجتے تھے۔ عیسائیوں نے

۵... آپس میں لڑنے والے

Marfat.com

ایک خدا کے تین ٹکڑے کر رکھے تھے اور مجوسیوں نے دو۔ اِن کا خیر کا خدا علیحدہ تھا اور شر کا علیحدہ۔ یزدان واہرمن ۔ تمام ایران، عراق، یمن، بحرین، شیراز، بلخ، بدخشاں، وسطِ ایشیا، ترکستان، ماوراء النہر اور کردستان وغیرہ میں انہی دو خداؤں کی حکومت تھی۔

ہندوستان اس وقت ہندو ازم اور برہمن ازم کے روپ میں تھا۔ اس کی وسعتوں کو بدھوں کی دراز دستیوں نے ختم کر دیا تھا اور اب یہ صرف صوبہ متحدہ اور ہندوستان کے چند اور اضلاع تک محدود ہو کر رہ گیا تھا مگر تھا اہم اور قدیم۔ کیا اس میں توحید تھی؟ ہرگز نہیں! ان کے مندر صد ہزار عجیب الہیئت بتوں سے پٹے پڑے تھے اور زن و مرد رات دن ان کے سامنے گڑگڑاتے اور سجدے کرتے تھے۔

جینی راجپوتانہ کو اپنا مرکز بنائے ہوئے تھے۔ یہ سرے سے خدا کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔

یہی حالت کنفیوشس ازم کی تھی جو چین کے دو ایک صوبوں تک محدود تھا۔

عرب میں سب کچھ تھا اور کچھ بھی نہ تھا!

ہاں رہ گئی یہودیت! گو یہ دنیا کا ایک بڑا مذہب تھا مگر اب مدینہ، خیبر اور اسی قسم کے چند اور شہروں تک محدود تھا۔ یہ لوگ انبیاء کے قتل اور سعیِ قتل کے جرم میں معتوب ایزدی تھے۔ اپنی تمام اہمیت کھو چکے تھے۔ تمام مذہبی اصولوں کو بھول چکے تھے اور بالکل مسخ ہو چکے تھے۔ توحید اِن میں کچھ باقی تھی مگر مشہور و پابند سرد ہی شرک و کفر میں مبتلا تھے اور انھوں نے اپنے پیشواؤں اور قائدین کی

خُدائی تسلیم کر لی تھی۔ غرض یہ کہ مذہبی اعتبار سے پوری کی پوری دُنیا زبُوں حالی میں گرفتار تھی۔

دینِ حنیف

مذکورہ مذاہب کے علاوہ عرب میں دینِ براہیمی بھی دینِ حنیف کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مذہب خالص توحید پر مشتمل تھا۔ یہ مذہب مرورِ زمانہ کے ہاتھوں حالتِ سقیم میں مُبتلا ہو چکا تھا۔ سارے ابراہیمی اصنام پرست ہو گئے تھے۔ حضرتِ خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد بتوں کے سامنے برہنہ رقص کرتی اور ان سے مُرادیں مانگتی تھی اور اس کا محض نام ہی نام باقی رہ گیا تھا۔ تاہم اس مذہب نے ظہورِ قُدسی سے کچھ ہی عرصہ پیشتر ایک وجدانی کروٹ لی تھی اور توحید کی طرف ایک قدم اُٹھایا تھا۔

عرب کچھ بھی تھے مگر اللہ کو اللہ ہی کہتے تھے۔ گو یہ بتوں کو پُوجتے اُن کی جے بولتے مگر ساتھ ہی اللہ کو اللہ بھی کہتے اور خود کو دینِ ابراہیمی سے متعلق بھی بتاتے اس لیے کہ جانتے تھے کہ خلیلؑ اللہ بُت شکن تھے مگر ان کے تعمیر کردہ اللہ کے گھر میں ان بدبختوں نے اکٹھے ۳۶۰ بُت پُوجنے کے لیے رکھ چھوڑے تھے۔

ایک دفعہ کہیں ایک میلہ تھا جو کسی بُت کے اعزاز میں ہر سال منعقد ہُوا کرتا تھا اور بڑا ہجوم ہُوا کرتا تھا اس میں اور لوگوں کے علاوہ ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحویرث، عبداللہ بن جحش اور زید بن عمرو وغیرہ بھی شریک تھے۔ اس بُت کے سامنے پرستارانہ رقص جو شروع ہُوا تو ان حضرات کو یکایک یہ خیال پیدا ہُوا کہ یہ تو ابتذال و پستی کی انتہا ہے کہ ہم صاحبِ عقل و اختیار ہو کر بے حس و بے اختیار اور خود تراشیدہ بُت کے سامنے سر جُھکائیں۔ انھیں جب کوئی راہ اور کوئی مذہب نہ

ملا جہاں ان کی تسکین ہوتی تو عبداللہؓ، ورقہ اور عثمان نے تو مذہب عیسوی قبول کر لیا جو اُس دَور کا سچا مذہب تھا مگر یہ بھی صنم پرستیوں کی آلودگیوں سے ملوّث ہو چکا تھا۔

زید مکّہ سے نکل کر شام پہنچے اور دینِ ابراہیمی کی تلاش شروع کر دی۔ یہ یہودی اور عیسائی عُلمآ اور فُضلآ سے ملتے اور گفت گو کرتے تھے۔ ان کے دل میں تو شعلۂ توحید پوری طرح بھڑک چکا تھا اور یہاں شرک کا لوث موجود تھا۔ کہیں تسکین نہ ہوئی تو واپس مکّہ لوٹ آئے اور صرف اس اجمالی عقیدہ پر اکتفا کر لی کہ مَیں دینِ ابراہیمی کا پیرو ہوں اور اسے قبول کرتا ہوں۔

ابراہیم بن ابی صلت نے بھی صنم پرستی ترک کر دی اور دینِ حنیفی اختیار کر لیا ابراہیمؒ نے اور بھی متعدد لوگوں کے نام گنائے ہیں جو دینِ حنیف کی تلاش میں تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ دینِ ابراہیمی کے مُجدّد کے ظہور کا وقت جو قریب تھا۔

یورپ اور ایشیا کی حالت

ایشیا میں اس وقت عام تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ایران کو اس وقت بڑا عروج و اقتدار حاصل تھا۔ کیانی سطوت پورے طمطراق پر تھا۔ ایک طرف افغانستان اور دُوسری طرف بحرین و یمن اور وسطِ ایشیا تک اس کی سَطوت کا سکّہ جما ہُوا تھا۔ آگ کی پوجا ہوتی تھی۔ واقعی یہاں کی مدنی حالت بہتر تھی لیکن غریبوں کی فریادیں عرشِ اعظم کو ہلا رہی تھیں۔ ظالمانہ حکومت تھی اور سب لوگ ٹیکسوں کے بار میں دبے ہُوئے تھے۔

ہندوستان میں خزائنِ علوم کے کلید بردار صرف برہمن اور بھونگی بنے ہُوئے تھے۔ اس وقت یہاں تمدن کے تمام آثار مٹ چکے تھے۔ رعیّت کی

حالت غلاموں سے بہتر نہ تھی۔ عورتوں کا کوئی رتبہ نہ تھا۔

سماٹرا، جاوا اور بورنیو میں قبائل حیوانوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے

چین اور جاپان میں بھی خاک اُڑ رہی تھی۔

افریقہ میں تاریکی و ظلمت کے سائے پوری طرح چھائے ہوئے تھے۔

ہندوستان کے تمدن کی حالت پر بابر نے جو تبصرہ کیا ہے وہ نہایت دلچسپ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو کھانے پینے تک کا سلیقہ نہ تھا۔ اگر ایشیا میں ایران تمدن و عروج کا حامل تھا تو یورپ میں سلطنتِ روما کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی جو نہایت وسیع اور مقتدر سلطنت تھی مگر اخلاقی حالت وہاں کی بھی خراب تھی۔ یہاں پوپ اور راہب علوم و فنون کے واحد اجارہ دار بنے ہوئے تھے۔ رعایا ظلم و ستم کی چکیوں میں پھنسی ہوئی بری طرح پس رہی تھی۔ غلامی یہاں شدت کے ساتھ اپنی پوری خوفناکیوں سے موجود تھی۔ عورتوں کی حالت زبوں و زار تھی۔

غرض یہ کہ کہیں بھی نیکی اور خیر خواہی کی روشنی نظر نہ آتی تھی۔ ہر طرف اخلاقی ظلمتیں ہی مسلط تھیں اور ہر جگہ معاصی و تباہی کا ایک طوفان برپا تھا۔

عرب کی تمدنی حالت

عرب میں جو علاقے شام و ایران سے متصل تھے اُن میں تہذیب و تمدن کی علامات نمایاں تھیں۔ کسی زمانہ میں یمن کی حکومت تو ایران اور سمرقند تک پھیلی ہوئی تھی اور اس وقت بھی ایران کی زیر سیادت یہ خاص ترقی کر رہا تھا۔ لیکن حجاز و نجد میں پوری سادگی تھی مگر مکہ میں کچھ نہ کچھ برتری کے آثار ضرور نمایاں تھے۔

بدویت کی یہ حالت تھی کہ گھروں میں چراغ تک نہ جلتے تھے۔ مکانوں میں چھلنیاں تک نہ تھیں۔ آٹے کی بھوسی پھونکوں سے اُڑاتے تھے۔ کھانے میں حشرات الارض تک کو کھا جاتے تھے۔ تعددِ ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ اخلاقی پستی کا یہ عالم تھا کہ حقیقی بہنوں تک سے شادیاں رچا لیتے تھے اور سوتیلی ماؤں کو باپ کا ترکہ اور ورثہ سمجھ کر ان کو بیویاں بنا لیتے تھے۔ بے حیائی اور بے غیرتی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ مکہ کا مشہور شاعر امراء القیس اپنی پھوپھی زاد بہن سے اپنی بدکاری کے واقعہ کو ایک قصیدے میں مزے لے لے کر بیان کیا کرتا تھا۔ کعبہ شریف کے گرد برہنہ طواف کیا جاتا تھا۔ مقتولوں کا خون پی جانا، دشمنوں کا عضو عضو کاٹ کاٹ کر رکھ دینا، مستورات کا پیٹ چاک کر ڈالنا، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا غرباء پر ظلم ڈھانا، کاروانوں کو لوٹ لینا، عورتوں کی ذلت کرنا، شرابیں پینا، جُوئے کھیلنا، دغابازی کرنا، بات بات پر جھگڑنا اور برسوں تک لڑتے رہنا یہ سب روزمرہ کے واقعات تھے۔ نہ کوئی قانون تھا نہ کوئی علم، نہ حکومت تھی نہ سڑکیں تھیں۔ نہ کوئی صنعت تھی نہ کاشت کاری۔

یمن، حیرہ اور شام کے علاقوں کے سوا کہیں کاشت نہ ہوتی تھی اور نہ کوئی تمدن تھا۔

بڑے بڑے شرفاء اور رؤسا بکریاں پالنے اور انھیں خود چرانے کا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھے۔

اونٹوں اور بکریوں کے گوشت اور کھجوروں پر گزارہ تھا۔

مدینہ، مکہ، طائف اور جدہ میں تو پھر کچھ روشنی تھی ورنہ اندرونِ ملک

Marfat.com

کے لوگوں کی زندگی تو بالکل خانہ بدوشانہ زندگی تھی۔ لوٹ مار پر گزارہ تھا۔ کھجوروں کے باغ، بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے غول ان کی جائیداد تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا تھا۔

البتہ!

قریش کا خاندان ایک ایسا خاندان تھا جو وسیع پیمانے پر تجارت کرتے تھے اور عرب بھر میں ان کی عزت بھی تھی اور وقار بھی تھا لیکن اخلاقی اور تمدنی حالت ان کی بھی بہت بگڑی ہوئی تھی۔

غرض یہ کہ!

پوری دنیا غرقِ جہالت و مناہی تھی۔

ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی!

اور!

ہر جگہ بداخلاقی، بدتہذیبی اور بدکاری کا دور دورہ تھا۔

مختصر یہ کہ!

عرب کی حالت اس قدر ناقابلِ بیان ہے کہ اس کی پستی و خرابی کا نقشہ کھینچنا بھی دشوار ہے!

غارِ حرا کا مجاہدہ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و شرافت تو مسلّم ہے حالاں کہ سر ولیم میور جیسے متعصب تاریخ دان کو یہ لکھنا پڑا کہ:

"ہماری تمام تصانیف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چال چلن کی بلندی

Marfat.com

اور کیریکٹر کی شرافت و پاکیزگی کے متعلق بالکل متفق ہیں۔"

پھر لکھتے ہیں کہ :

"غور و فکر کا مادہ آپ میں پہلے ہی سے موجود تھا جو عمر کے ساتھ ساتھ برابر بڑھتا گیا اور شوق و محویت زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ ایک والہانہ استغراق ہر طرف طاری رہتا تھا۔ عزلت گزینی کا شوق روز بروز مستزاد ہوتا چلا جاتا تھا۔ اپنے مکان کے کسی گوشے میں بیٹھ جاتے اور دیر تک آنکھیں بند کیے بیٹھے رہتے۔ آپ کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ یہ کیوں ہے ؟"

بہرکیف جب محویت و استغراق زیادہ ہوا تو اضطراب بھی بڑھتا گیا۔ اب گھر کے گوشے میں بھی سکون نہ ملتا تھا۔ قلب میں ایک نامعلوم کرید اور خلش تھی جو ہر وقت مضطرب رکھتی تھی۔ آخر کار آپ کسی گوشۂ سکون کی تلاش میں پہاڑ پر چڑھ گئے جہاں ایک غار نظر آیا۔ اندر اتر کر دیکھا تو شفاف و صاف جگہ نظر آئی باہر سے تو کچھ دکھائی نہ دیتا تھا مگر اندر اتنی مدھم روشنی تھی کہ جگہ نظر آجاتی تھی۔ آپ خوش ہو گئے۔

گھر تشریف لائے تو اپنی رفیقہ حیات سے فرمانے لگے کہ :

"یہاں سے تین میل کے فاصلے پر پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا غار ہے دل چاہتا ہے کہ کچھ روز اس غار میں تنہا بیٹھ کر مجاہدہ اور عبادت کروں۔"

اب وہاں کیا عذر ہو سکتا تھا بھلا۔ آپ کی رفیقہ حیات بھی راضی ہو گئیں۔ تب آپ نے اس غار میں پہنچ کر ذکر و شغل شروع کر دیا۔ بیوی کھانا دے آتیں اور

Marfat.com

کبھی تیسرے چوتھے روز آپؐ خود بھی تھوڑی دیر کے لیے گھر چلے آتے۔

کارلائل نے بھی لکھا ہے کہ :

"آپؐ کے قلب میں اپنی ہستی، دُنیا کی حقیقت اور نبوّت کے فلسفہ کے متعلق صدہا سوالات پیدا ہوتے تھے اور آپؐ ہر وقت غور و استغراق میں ڈوبے رہتے تھے۔"

نزولِ وحی

صُوفیائے کرام بھی اسی سُنّت کے اتباع میں مجاہدات کرتے رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد نورِ جمالِ ایزدی کے لیے جگہ تیار ہوتی ہے۔ جب تک تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب نہ ہو کسبِ ضیا کی اہلیت پیدا نہیں ہوتی۔ ہر مہمان کی آمد پر صفائی کی جاتی ہے۔ پھر اس "مہمانِ عزیز" کے قلب میں اس کی آمد سے پیشتر کیوں نہ اہتمام و صفائی کی جائے۔

تمام سیرت نگار اور مؤرخ اس امر پر متفق ہیں کہ غارِ حرا کی عبادت محض ایک غور و فکر کے سوا کچھ نہ تھی۔

عینی شرح بُخاری میں ہے کہ آپؐ کی غارِ حرا کی عبادت کے متعلق جب استفسار کیا گیا تو جواب دیا گیا کہ :

"غور و فکر و عبرت پذیری!"

جنھیں تصوّف و رُوحانیت میں چند منزل بھی جانا پڑا ہے وُہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سُلطان الاذکار کے بعد جو دُور شروع ہوتا ہے وُہ کیا ہوتا ہے؟ زبان خاموش ہوتی ہے اور قلب و دماغ ہوشیار۔ اِسے غور و فکر کہہ لیجیے یا

تصوّر یا مُشاہدہ اوّل ودوم فنا یا مُراقبہ۔ بہرکیف یہ بہت بڑی اور اہم چیز ہوتی ہے اور یہیں اسرار کُھلتے ہیں اور یہیں سے روشنی نُورِ جمال کچھ کچھ اس کی شعاعیں بیہ تو فگن ہونا شروع ہوتی ہیں اور وُہ محویّت و استغراق اور از خود رفتگی طاری ہوتی ہے۔ وُہ کیف و سرُور پیدا ہوتا ہے وُہ سرشاریاں رُونما ہوتی ہیں کہ انسان سب کچھ بھول جاتا ہے۔ خیر یہ تو قال کی نہیں حال کی حکایات ہیں بہرکیف صورت یہی تھی۔ روشنی نمودار ہوئی اور ہونی لازمی تھی۔

بارہا ایسا ہُوا کہ آپؐ شاد ہو ہو گئے اور غار بقعۂ نُور بن گیا۔ جب خوب تزکیہ ہو گیا تو جبریل امین علیہ السلام نمودار ہوئے۔ غار میں یکایک ایک تیز آفتابی روشنی پیدا ہو گئی اور کہا :

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ" ط

فرمایا: "مَیں پڑھنا ہی نہیں جانتا"!

جبریل امین علیہ السلام نے آغوش میں لے کر تنگ کھینچا اور کہا اب پڑھیئے۔ پھر آپؐ نے وہی کہا کہ مَیں پڑھنا ہی نہیں جانتا! اور جبریل امین علیہ السلام نے آپؐ کو دوبارہ آغوش میں لے کر پھر زور سے کھینچا اور کہا اب پڑھیئے! چنانچہ اس دفعہ آپؐ کی زبان پر وُہ الفاظ جاری ہو گئے۔

فرشتۂ غیب تو آنکھوں سے ایک دم غائب ہو گیا اور آپؐ کا سینہ روشن!

وحی بڑی عظمت کی چیز ہے۔ آخر تو اللہ کا کلام ہے۔

آپؐ دہشت سے لرزنے لگے۔ جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ سانس تیزی کے ساتھ چلنے لگی۔ آپؐ غار سے باہر نکلے اور جلدی جلدی گھر آ پہنچے۔

Marfat.com

جلالِ وحی کے اثرات

گھر پہنچتے ہی بیوی سے فرمایا کہ جلدی کرو مجھے کمبل اوڑھادو۔ شدّت کا جاڑا چڑھ رہا ہے۔ اُنھوں نے دوڑ کر کمبل لپیٹ دیا۔ سردی کم ہونے ہی پر نہ آتی تھی اور دہشت برابر بڑھتی جاتی تھی لیکن یہ اثر جاڑے کا ہوتا تو زائل بھی ہوجاتا۔ وُہ تو جلال و جبرُوتِ الٰہی اور عظمتِ وحی کا اثر تھا۔ بہ دقّت تمام سکُون ہُوا تو بیوی نے حالات پُوچھے اور استفسارِ حال کیا۔

آپؐ نے سب کیفیت تمام و کمال کہہ سُنائی لیکن کہتے کہتے پھر دہشت طاری ہوگئی اور آپؐ نے پریشانی و اضطراب کے عالم میں فرمایا کہ مجھے تو اپنی زندگی خطرے میں معلوم ہوتی ہے اور ایسی حالت ہے کہ اب بچتا نظر نہیں آتا۔ جاں نثار بیوی بولیں: گھبرایئے نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ آپؐ تو وُہ ہیں جو غریبوں اور مُحتاجوں کی دست گیری کرتے ہیں۔ اقربا نواز ہیں۔ دردمندوں سے محبّت کرتے ہیں۔ سب کو آپؐ سے فیض پہنچتا ہے۔ سب سے بہ اخلاق پیش آتے ہیں۔ مظلُوموں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ تسلّی رکھیے! مجھے تو آپؐ کی یہ حالت کسی فوزِ عظیم کا عنوان نظر آتی ہے۔ چلیے! مَیں آپؐ کو اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لیے چلتی ہوں۔ یہ سُن کر آپؐ کی ڈھارس بندھ گئی اور آپؐ ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچے۔

عیسائی عالم سے اظہارِ حال

ورقہ بن نوفل سے آپ نے تمام ماجرا کہہ سُنایا۔ ورقہ بن نوفل بُوڑھا آدمی تھا۔ انجیل کا عالم تھا۔ نیک طبع اور شریف النّفس انسان تھا۔ چوں کہ عیسائی تھا

Marfat.com

اس لیے انجیل کی تمام پیشین گوئیاں پیش نظر تھیں اس لیے پہلے تو وہ بڑے غور سے سُنتا رہا اور پھر نہایت پُرجوش طریق پر آپؐ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرنے کے بعد کہا

"محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ وُہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہُوا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ مَیں اب بُوڑھا بلکہ بہُت بُوڑھا ہو گیا ہُوں اور قطعی توقّع نہیں کہ مَیں اب زیادہ مُدّت تک جیُوں اور زندہ رہُوں گا لیکن یاد رکھ کہ تجھے تیری ہی قوم سے بہُت سی ایذائیں پہنچیں گی اور تیری قوم تجھے اِس شہر سے نکال دے گی۔"

یہ بات سُن کر آپؐ متعجب و حیران ہوئے اور حیرت سے پُوچھا کہ کیا میرے وطن والے واقعی مجھے مکّہ سے جلا وطن کر دیں گے؟

ورقہ بن نوفل نے کہا ہاں ایسا ہی ہوگا مگر تمہارے لیے یہ کوئی انوکھی اور نئی بات نہ ہوگی جتنے نبی بھی آج تک پیدا اور مبعوث ہوئے ہیں اُن سب کے ساتھ اُن کی قوم نے یہی سلوک کیا ہے۔ سب ہی اپنے ہم وطنوں کے ظلم و عناد کے شکار ہوئے ہیں لیکن اطمینان رکھو کہ اگر میری زندگی نے وفا کی اور مَیں اُس وقت تک موجود رہا تو ضرور تمہارا ساتھ دُوں گا۔"

لیکن یہ خوف کسی انسان کا خوف نہ تھا جس سے نفرت و وحشت پیدا ہوتی بلکہ یہ تو خوفِ نُورِ ربّی تھا۔ اور آپؐ میں ابھی برداشت کی قوت پیدا نہ ہوئی تھی اس خوف و دہشت میں بھی ایک شوق، ایک کیف اور ایک سرُور تھا جو آپؐ کو غار کی طرف پھر لیے چلا مگر اب وہاں کیا تھا۔ کئی معذ ماہ جو گزر گئے تو شدّتِ شوق نے

Marfat.com

پہلے مضطرب اور پھر مایوس کر دیا۔

کیا ہی پیاری تھی وہ دہشت جس کے فراق و انتظار میں آپؐ زندگی سے بے زار ہو گئے اور بے زار بھی ایسے کہ پہاڑ کی چوٹی پر سے خود کو گرا کر ہلاک کر دینے کے لیے اوپر چڑھ گئے اور گرنا ہی چاہتے تھے کہ جبریل امین علیہ السلام پھر نمودار ہوئے اور کہا:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہ کرو۔ تم خدا کے پیغمبر ہو۔ رسول اللہ ہو۔"

یہ سن کر اور جبریل امین علیہ السلام کو دیکھ کر آپؐ کو گونہ تسکین ہو گئی۔

انسانی محبت بھی بڑی چیز ہوتی ہے اور پھر یہ محبت تو محبتِ الٰہی تھی۔ اس کے اضطراب و اشتیاق کا کیا پوچھنا۔ آپؐ بار بار مایوس ہو جاتے، اور خودکشی کی سعی کرتے اور بار بار جبریل امین علیہ السلام نمودار ہو کر آپؐ کو تسکین دے جاتے اور آپؐ یہ کوشش پھر ترک کر دیتے۔

وحیِ قرآنی کے اسرار

آپؐ کا اشتیاق بھی بجا تھا اور وحیِ ربّانی کے تسلسل کا رکنا بھی درست تھا۔ جب پہلی ہی مرتبہ وحی کے نازل ہونے پر آپؐ کی دہشت کا یہ عالم تھا تو تسلسل کی صورت میں تو زندگی مشکل ہو جاتی۔ نورِ ربّانی اور وحی ایسی چیز تو نہ تھی کہ انسان دفعتاً اس کا متحمل ہو سکے۔ یہ تو بڑی عظمت و جلالت کی شے ہے جسے اہلِ نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اسی لیے استعداد دیکھ کر اس کا اجرا ہوتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ٹول میں ایک شخص صرف ایک لطیفہ کے اجرا ہی میں بے قرار ہو گیا تھا، اور "ہائے جلا ہائے مرا" پکارنے لگا تھا۔ ہمارے پیر بھائی شیخ محمد آفاق صاحب

رئیس اعظم کے کہیں یک بارگی چار لطائف ذاکر کر دیے گئے تھے تو اُن کے تمام جسم سے شرارے نکلنا شروع ہو گئے تھے۔ دماغ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہاتھی کے دماغ سے بھی بڑا ہو گیا ہے۔ یہ اس نور کی جلالت ہے جو پشتہا پشت میں منتقل ہو کر آ رہا ہے۔

اس سے اندازہ کیجیے اس نور کی شان و عظمت اور جلالت و سوزش کا جو براہِ راست نازل ہو رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئے تھے۔ یہ انبیاؑ ہی کا ظرف ہے کہ وُہ وحی کے متحمل ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم ہی کی اس آیت پر نظر کیجیے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

جس کے اثر سے پتھر اور پہاڑ پگھل کر پانی ہو جائیں اسے قلبِ انسانی کا برداشت کر لینا کتنا بڑا کام ہے۔ یہ تو انبیاؑ اور اولیاؑ اللہ ہی کا حوصلہ ہے کہ وُہ اس نور کے خُم کے خُم لنڈھا جاتے ہیں اور پھر بھی اُن کے ہوش بجا رہتے ہیں۔ عام انسان تو ایک ذرّۂ نور کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے خواب میں مشاہدے ہوتے رہے۔ پھر کبھی کبھی غارِ حرا میں روشنی نمودار ہوتی رہی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کے عادی ہو جائیں۔ پھر روشنی کے بعد حضرت جبریل امین علیہ السلام نمودار ہوئے اور ہوتے رہے اور پہلی اور دُوسری وحی میں کافی فصل ہو گیا اس کے بعد آخر میں بھی یہ حالت تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

Marfat.com

بیان کے مطابق جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو ایک خاص حالت طاری ہو جاتی تھی اور آپؐ پسینہ میں شرابور ہو جاتے تھے۔

لوگوں نے اس حالی چیز کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی اور اسے سمجھنے کی کوشش کی ہے مگر یہ تو وہ چیز ہی نہیں جسے عقل سے جانا اور سمجھا جائے بہرکیف بعد کو حالت تو طاری ہوتی پسینے تو آتے مگر دہشت کے وہ نمایاں آثار نابود ہو گئے تھے کیوں کہ استعداد پیدا ہو گئی تھی۔

وحی تھوڑے تھوڑے فصل کے بعد برابر نازل ہوتی رہی اور پھر ۹ھ ہجری میں یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

کامل مسلمان قرآن کی عظمت کو سمجھیں اور سوچیں کہ قرآن کیا چیز ہے؟
حاملِ قرآن کیا تھے؟

اور!

ہمیں اس سے کیا سبق حاصل کرنا چاہیے!

Marfat.com

مجاہد پیغمبر

معززین مکہ میں اسلام

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب منصب رسالت پر فائز ہوئے اور خفیہ تبلیغ کا آغاز کیا تو ابتداً آپؐ نے گھر سے شروع کی۔ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ نے دعوت حق سنتے ہی اسلام قبول کر لیا اس کے بعد آپؐ کے پروردۂ آغوش حضرت علیؓ اسلام لے آئے۔ اس کے بعد آپؐ نے پوری دانائی و ہوش مندی سے ان بزرگوں ہی تبلیغ شروع کی جنھیں آپؐ کے اخلاق و شرافت اور دیانت و صحبت کا پورا تجربہ تھا اور جو آپ کو راستباز اور امین سمجھنے میں خلوص و یقین کے تمام مدارج طے کر چکے تھے۔ ان میں حضرت صدیق اکبرؓ تھے جن سے معززین مکہ جملہ امور میں مشورے لیتے اور بہت عزت کرتے تھے جو نہایت فیاض، دولت مند، ذی عقل، شریف النفس اور ماہر انساب تھے۔ انھوں نے بھی آپؐ کی دعوت پر فوراً اسلام قبول کر لیا اور پھر انھی کی ترغیب و سعی سے حضرت سعد بن وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت طلحہؓ، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلوب نورِ ایمان سے روشن اور منور ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد)

Marfat.com

یہ سب بزرگ اپنی اپنی جگہ ذی اقتدار اور ذی اثر تھے اور اسلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے اُن کی لیاقت و ہوشمندی مسلّم تھی اور وہ زر و دولت میں بھی امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔

اس طرح آپؐ کے ساتھ صاحبِ عقل و ہوش بزرگوں کی بھی ایک مختصر سی جماعت ہو گئی۔ اِن میں سے ہر بزرگ اپنی جگہ ایک مبلّغ اسلام تھا جو مخفی طور پر اپنے کام میں سرگرمی کے ساتھ مصروف تھا۔ یہ اللہ کا کرم اور آپؐ کی تبلیغ کا اثر تھا کہ جو سُن لیتا تھا اور جس کے کان میں اسلام کا پیغام پہنچ جاتا تھا وہ فوراً اسلام لے آتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ اندر ہی اندر بڑھنے اور پھیلنے لگا اور حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت عمر بن عنبسہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت خباب بن الارتؓ، حضرت ارقمؓ، حضرت عبداللہ الاسد بن ہلالؓ، حضرت عامر بن فہیرؓ، حضرت سائب بن عثمانؓ، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہؓ، اور حضرت خالدؓ بھی زیرِ لوائے اسلام آگئے۔ یہ سب ممتاز صحابی ہیں۔

واضح رہے کہ ابھی تک اسلام کی تبلیغ پورے اخفا و احتیاط کے ساتھ کی جا رہی تھی۔ محرمانِ اسرار کے سوا کسی کو علم نہ ہونے پاتا تھا۔ نماز کا وقت آتا تو آپؐ سب کو لے کر کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہیں نماز ادا کی جاتی۔

سہ سالہ تبلیغ کے نتائج

ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کسی پہاڑ کے درے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ محویت

Marfat.com

یہ عالم تھا کہ آپ کے والد ابوطالب ادھر آنکلے مگر آپ کو کوئی خبر نہ ہوئی۔ وہ دیر تک کھڑے انھیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے رہے۔ جب حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے سلام پھیرا تو باپ نے دریافت کیا :

"بیٹے ! یہ کون سا دین ہے ؟"

آپ نے جواب دیا کہ یہ ہمارے دادا ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔

ابوطالب بولے کہ میں تو اِس دین کو اختیار نہیں کرسکتا لیکن تمھیں میری طرف سے اجازت ہے کوئی بھی تمھاری مزاحمت نہ کرسکے گا۔

تین برس تک اِس خُفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا اور اِس تمام مُدّت میں ہو سَوا سَو اَفراد نے اسلام قبول کرلیا۔ جب رحمت کاملۂ حق نے دیکھ لیا کہ جتنے لوگ شریف النّفس اور نیک نہاد تھے وُہ تقریباً سب کے سب اسلام لے آئے ہیں اور آفتابِ رسالت بھی بلند ہوچکا ہے تو علانیہ تبلیغ کا حکم صادر ہُوا۔ حضرت اُبوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصائل و اخلاق کے مُتعلق ہم ابھی ابھی اظہارِ خیال کرچکے ہیں۔ ایمان لانے کے وقت آپ کی دولت مندی کا یہ حال تھا کہ چالیس ہزار درہم نقد مَوجُود تھے۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ فطری طور پر صوفیانہ طبیعت رکھتے تھے اور بہت نیک نفس انسان تھے۔ شراب تو پہلے ہی ترک کرچکے تھے اسلام لانے کے بعد طبیعت اَور جوش میں آگئی اور آپ نے ترکِ علائق کا عزم کرلیا لیکن رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے روک دیا۔ صہیب رُومیؓ نے پہلے ہی شراب چھوڑ دی تھی۔

حضرت ابوذرؓ بھی وُہ تھے جو بُت پرستی ترک کرچکے تھے۔ رسُولِ کریم صلعم

Marfat.com

کی بعثت کا حال سنتے ہی حاضرِ خدمت ہوئے اور چند آیاتِ قرآنیہ سُن کر مسلمان ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی بڑے مدبّر، نیک نہاد اور با اثر بزرگ تھے حضرت سعدؓ فطرتاً نہایت شجاع و گراں مرتبت بزرگ تھے اور وقیع نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت زبیرؓ و طلحہؓ دونوں نہایت وجیہ اور مآل اندیش سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ بہت مال دار، خیر شیم اور بہت غیور بزرگ تھے۔ جناب صہیبؓ، ابو فکیہہؓ اور حضرت بلالؓ واقعی بہت غریب و نادار اور بے حیثیت افراد تھے لیکن باطنی اعتبار سے دیگر مسلمانوں کے ہمسر تھے۔

غرض یہ کہ جتنے نیک اور پاکیزہ خصائل افرادِ مکہ یا نواحِ مکہ میں موجود تھے وہ سب اس سہ سالہ تبلیغ میں زیرِ لوائے اسلام آ گئے۔

دامنِ کوہ میں حضرت جبریلِ روح الامین علیہ السلام نے وضو کر کے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی اور سکھائی بھی اور یہ توحید کا سب سے پہلا سبق تھا۔ سب مسلمان اسی طریق پر تین برس تک پہاڑ کی گھاٹیوں اور دروں میں نمازیں پڑھتے رہے۔ خدا کو یاد کرتے رہے اور توحید کی مضبوط چٹان پر قائم ہو گئے۔

علانیہ تبلیغ

تین برس کے بعد حکم صادر ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۔

یعنی: "تجھے جو حکم دیا گیا ہے اب علانیہ اس کی تعمیل کر اور اپنے رشتہ داروں کو خدا سے ڈرا!"

چنانچہ آپؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور کوہِ صفا پر چڑھ کر فرمایا:

Marfat.com

"اے قبیلہ قریش! اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر بڑھا چلا آرہا ہے تو کیا تم یقین کر لو گے؟"

سب نے کہا کہ بے شک ہم یقین کریں گے کیوں کہ ہم نے تجھے ہمیشہ سچ بولتے ہی دیکھا ہے۔

تب آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر شدید عذاب نازل ہوگا۔"

یہ سُن کر لوگ برہم ہوئے اور بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے۔

چند روز کے بعد ہی آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ ایک ایسی دعوت کا انتظام کرو جس میں تمام خاندان عبد المطلب مدعو ہو۔

اسلام کے پہلے شہید

دعوت کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ

"دیکھو میں ایک ایسا دین لے کر آیا ہوں جو دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و سعادت کا حامل ہے۔ بتاؤ اس کی تبلیغ میں کون کون میرا ساتھ دے گا؟"

حضرت علیؓ کے سوا اور کسی نے حامی نہ بھری۔ آخر کار آپؐ نے حرم پاک میں پہنچ کر توحید کا اعلان برملا کر دیا جس پر ہر طرف سے تلواریں پڑنے لگیں۔ آپؐ کے ربیب حارثؓ جو بچانے کے لیے آگے بڑھے تھے تلواروں کی زد میں آکر اسی وقت شہید ہو گئے۔

حضرت حمزہؓ و عمرؓ کا مبارک اقدام

اب اس طرف سے تو علانیہ تبلیغ شروع ہو گئی تھی اور اس طرف سے ظلم و ستم کا آغاز ہو گیا تھا۔ نہ تو آپ تبلیغ کے کام سے باز رہ سکتے تھے اور نہ

Marfat.com

کفار ظلم و جور سے ٹلتے تھے۔ گونہ گوں سختیاں ہونے لگیں۔ حضرت حمزہؓ آخر چچا تھے اور چچا بھی نہایت جری و دلیر۔ انھیں اپنی کنیز سے معلوم ہوا کہ ابو جہل نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ آج نہایت ظالمانہ سلوک کیا ہے اور پتھر مار کر انھیں زخمی بھی کر دیا ہے۔ سنتے ہی جوش اور غصہ آ گیا۔ بھاگم بھاگ ابو جہل کے پاس پہنچے اسے برا بھلا کہا اور اپنی کمان مار کر اس کا سر زخمی کر دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بولے:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بھتیجے! عمرو بن ہشام نے تیرے سر پہ پتھر مار کر تجھے زخمی کیا تھا میں نے اپنی کمان سے اس کا سر پھاڑ دیا ہے اب تو تو خوش ہے نا؟"

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس بات سے خوش ہو سکتے تھے وہ یہ تھی ۔

"میرے اچھے چچا! میں جانتا ہوں آپ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں مگر میں تو تب ہی خوش ہو سکتا ہوں جب آپ مسلمان ہو جائیں۔ اب تو عمرو کا صرف سر ہی زخمی ہوا ہے جو دو چار دن کے بعد بھر جائے گا لیکن آپ کے ایمان لے آنے سے اس کے دل پر ایسا گھاؤ لگے گا جو تا زندگی مندمل نہ ہو گا۔"

حضرت حمزہؓ نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر محبت اور پیار بھری نظروں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر بولے اچھا بھئی اگر تم یوں ہی خوش ہو سکتے ہو تو پھر میں تیار ہوں اور تم پر اور تمھارے خدا پر سچے دل سے ایمان لاتا ہوں۔ چناں چہ آپ نے اپنے مسلمان ہونے کا برملا اعلان کر دیا۔

حضرت عمرؓ بھی بہت غصہ ور تھے اور بہادر تھے۔ ایک روز مشتعل ہو کر

Marfat.com

اور برہنہ شمشیر ہاتھ میں لے کر چراغِ مصطفوی کو بجھانے چلے مگر لوٹ کر جو دیکھا، تو بہن اور بہنوئی دونوں شمعِ اسلام کے پروانے نظر آئے۔ بہت سختی کی۔ آخر کار توفیقِ ایزدی سے قرآن پاک کی چند آیات سن کر ایسے متاثر ہوئے کہ غلامانہ حاضرِ خدمت ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کا حوصلہ بڑھ گیا اور انھوں نے حرمِ پاک کے اندر جا کر علانیہ نماز پڑھی۔ پھر ہنگامہ ہو گیا مگر چوں کہ عاص بن وائل ایک دولت مند رئیسِ مکّہ نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو اپنی پناہ میں لے لیا اس لیے لوگ ہٹ گئے۔

سر ولیم میور بھی لکھتے ہیں کہ :

"اس چھبیس سالہ جوان کے اسلام لے آنے سے اسلام کو اتنی تقویت پہنچی کہ اس روز سے فرائضِ اسلام علانیہ ادا کیے جانے لگے حالاں کہ اس سے پیشتر فرائضِ مذہبی علانیہ طور پر ادا کرنے کی جرأت کسی کو نہ تھی۔"

مادّہ پرستوں کی مادّی پیشکش

اب کفار نے مقتدر اور ذی حیثیت افراد کو تو بڑی حد تک چھوڑ دیا مگر کمزوروں اور غریبوں پر اپنے قہر و غضب کی بجلیاں گرانی شروع کر دیں۔ مجبوراً مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت ہجرت کر کے حبش چلی گئی۔ کفار تعاقب کناں پیچھے گئے مگر کامیاب نہ ہوئے بلکہ وہاں بھی شعاعِ اسلام جگمگانے لگی۔ قریش نے دیکھا کہ اسلام تو ایک خوفناک صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے اور عرب و حبش میں لوگ برابر مسلمان ہوتے چلے جا رہے ہیں تو گھبرائے اور انھوں نے اپنا ایک

جلسۂ مشورت منعقد کر کے مکّہ کے ایک رئیس عتبہ بن ربیع کو اپنا نمائندہ مقرر کر کے آپؐ کے پاس بھیجا۔

عتبہ بن ربیع آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا :

" بھتیجے ! اگر تو زر و جواہر کا آرزو مند ہے تو ہم سب مل کر ابھی تیرے آگے ان کا ڈھیر لگائے دیتے ہیں اور اگر تو عزت و اعزاز کا متمنی ہے تو ہم تجھے اپنا سردار مان لیتے ہیں۔ اگر حکومت کا خواہش مند ہے تو عرب کا تاج حاضر ہے۔ خوب صورت اور مہ جمال نازنینوں کی معیت کا ارمان ہے تو جتنی اور جیسی لڑکیاں چاہے تیرے عقد میں دی جا سکتی ہیں اور اگر خلل دماغ ہے تو ہم بہتر سے بہتر علاج کرانے پر آمادہ ہیں مگر تو یہ کام چھوڑ دے اور بتوں کو برا نہ کہہ۔"

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے جواب میں قرآن کریم کی چند آیات پڑھ دیں جن کے سنتے ہی عتبہ بن ربیع مبہوت و ششدر رہ گیا اور اتنا متاثر ہوا کہ گھر جا کر دروازے بند کر کے بیٹھ رہا۔

کفار نبوت کے متعلق اور کیا خیال قائم کر سکتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سرداری و حکومت یا دولت و امارت ہی کے لیے یہ تکالیف اٹھائی جا رہی ہیں۔ اس لیے تنگ آ کر یہ سب کچھ بھی دینے پر تیار ہو گئے مگر وہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ان نعمتوں سے بڑھ کر بھی ایک نعمت ایسی ہے جس کے مقابلہ میں یہ تمام نعائم ہیچ ہیں اور جس کی لذت و سرشاری کا مقابلہ دنیا کی کوئی لذت نہیں کر سکتی۔

پیمبرانہ استقلال اور بے نیازی کا شاندار مظاہرہ

لوگ یہ سن کر حیران تھے کہ اتنی اہم و عظیم

Marfat.com

پیش کشوں کو کوئی انسان کیوں کر ٹھکرا سکتا ہے اور واقعی اس مادی دنیا میں کوئی بھی مادی خیالات کا حامل انسان انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا کہ مادی ترقی کی تو معراج ہی یہی چیزیں ہیں۔ غرض وہ اپنے نزدیک سب سے زیادہ موثر پیش کش اور موثر کارروائی میں ناکام ہو کر بہت تشویش و پیچ میں پڑے اور سب اکٹھے ہو کر پھر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟ اب تو کوئی مرحلہ باقی ہی نہیں رہا۔ جو کچھ ایک انسانی طاقت دے سکتی ہے وہ سب دینے کو تیار ہو گئے پھر بھی کوئی نہ مانے تو کیا کیا جائے۔ آخر قرار پایا کہ مکہ کے مقتدر و معزز ارکان کا ایک وفد ابو طالب کے پاس جائے۔

چناں چہ معززین مکہ کا ایک وفد ابو طالب کے پاس آیا اور کہا کہ:

"اب صبر کی انتہا ہو چکی۔ زیادہ عرصہ تک ہم اپنے بتوں اور اپنے خداؤں کی توہین گوارا نہیں کر سکتے۔ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھا لیجیے کہ وہ اس فعل و عمل سے باز آجائے۔ وہ جو چاہے وہ کرے مگر ہمارے بتوں کی توہین و تذلیل نہ کرے ورنہ ہم سب متحدہ طور پر اسے قتل کر ڈالیں گے۔ اس کی تکہ بوٹی کر کے رکھ دیں گے کیوں کہ یہ فیصلہ ہمارا انقطاعی فیصلہ ہے۔"

وفد کی دھمکی آمیز باتیں سن کر حضرت ابو طالب بہت پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ وفد اور وہ بھی مقتدر و معزز رؤسائے مکہ پر مشتمل، لڑا بھی جائے تو کس کس سے؟ اور زور بھی ڈالیں تو کس کس پر؟ سمجھ گئے کہ اب صورتِ حالات نے نزاکت اختیار کر لی ہے۔ میرے قابو کی بات نہیں رہی۔ آپ کو بلا کر ہر طرح سے سمجھایا اور نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ اس پر

Marfat.com

آپ نے جو جواب دیا وہ عشق، مقصد، عزم راسخ اور شیفتگی کار کا ایک ایسا مظہر ہے جسے آج بھی دنیا والے پڑھتے ہیں تو عش عش کر اٹھتے ہیں اور اسے عزیمتِ انسانی کا ایک لاثانی پیکر خیال کرتے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

"چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے ہاتھ پر ماہتاب ہی لا کر کیوں نہ رکھ دیں میں اپنے فریضۂ تبلیغ سے ہرگز باز نہ آؤں گا اور جسے حق سمجھ لیا ہے اس سے کبھی منہ نہ موڑوں گا۔ جان جائے یا رہے مجھے اس کی چنداں پرواہ نہیں ہے۔"

پھر یہ غلغلہ افروز اور فقید المثال الفاظ اس وقت کہے جب مکہ کا ذرہ ذرہ آپ کی جان کا دشمن ہو رہا تھا اور آپ کی زندگی کے لیے انتہائی اور یقینی خطرات پیدا ہو گئے تھے۔

قبائل اور میلوں میں تبلیغ

چچا خاموش ہو گئے اور آپ اپنے کام میں مصروف رہے۔ ظلم و ستم کا طوفان اور بڑھ گیا۔ قید و محصور ہوئے مگر آپ نے کسی تکلیف اور اذیت کی پرواہ نہ کی۔ قریش برافروختہ ہو کر سخت سے سخت اذیت دیتے مگر آپ کسی تکلیف کو خاطر میں نہ لاتے۔

آپ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور قبائل میں دورے شروع کر دیے۔ چنانچہ آپ عذرہ، بنو نضر، حضاریہ، کندی، بنو عامر، بنو سلیم

Marfat.com

بنو عبس، بنو کلب، بنو حارث، بنو مرہ، بنو محارب، بنو فزارہ، بنو کعب، اور بنو غسان وغیرہ قبائل میں پہنچے اور تبلیغ کی۔

قبیلہ بنو ذہل میں مفروق کے پاس گئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے آپ نے فرمایا کہ :

"اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور میں اُس کا پیغمبر ہوں"۔

پھر آپ نے چند آیاتِ قرآنی تلاوت فرمائیں جن کا مفہوم یہ تھا کہ "خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، والدین کی خدمت کرو، بچوں کو خوفِ افلاس و عسرت سے قتل نہ کرو کیوں کہ ہم انھیں اور تمھیں دونوں کو روزی دیتے ہیں۔ فواحش کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ اس کی نوعیت ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ کسی انسانی جان کو بھی ہلاک نہ کرو"۔

مفروق، مثنیٰ اور ہانی بھی رؤسائے قبائل تھے اُنھوں نے آپ کے کلام کی تعریف کی اور کہا کہ ہم اپنے قدیم اور خاندانی دین کو یکا یک ترک نہیں کر سکتے۔ دُوسرے ہمارا کسریٰ کے ساتھ معاہدہ بھی ہو چکا ہے اور ہم اُس کے زیرِ اثر آ گئے ہیں اس لیے بھی ہم مجبور ہیں۔

آپ نے اُن کی صاف گوئی کو سراہا اور دُعا دی۔

بنو عامر کے پاس گئے تو اُن کا رئیس فراس آپ کے جوش و استقلال کو دیکھ کر انگشت بہ دنداں رہ گیا اور کہنے لگا کہ اگر یہ اولوالعزم ہستی میرے ساتھ ہو جائے تو میں پورے عرب کو فتح کر سکتا ہوں۔ لیکن حمایتِ اسلام کا وعدہ اُس نے بھی نہ کیا۔ غرض قبائل کے دَورے سے کوئی ظاہری کامیابی نہ ہوئی

سوائے اس کے اللہ کا پیغام اُن کے کانوں تک پہنچ گیا۔ کامیابی اس لیے بھی نہ ہوئی کہ یہ قبائل قریش کے فرسودہ پروپیگنڈے سے کچھ متاثر تھے۔

اب آپؐ اکثر میلوں اور مختلف اجتماعات کے مواقع پر بھی جانے اور تبلیغ کرنے لگے۔ عکاظ میں عظیم الشان میلہ لگتا تھا۔ اس میں بھی آپؐ ہر سال جاتے۔ یمامہ اور طائف بھی پہنچے مگر ہر جگہ ستائے گئے اور کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی کیوں کہ ابولہب ہر جگہ برابر پیچھے لگا رہتا تھا۔ ہر سال حج کے مواقع پر بھی بڑا اجتماع ہوتا تھا اور دُور دُور سے قبائل آتے۔ آپؐ ان قبائل میں بھی برابر تبلیغ کرتے رہتے۔

مدینہ منوّرہ میں فروغِ اسلام

مدینہ سے حج کے لیے جو لوگ آئے پہلے ہی سال اُن میں سے چھ افراد نے اسلام قبول کر لیا اور پھر تین سال کے اندر یہ تعداد اسّی تک پہنچ گئی اور اُنھوں نے آپؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی۔ اب آپؐ کو تبلیغ کرتے ہوئے تیرہ سال ہو چکے تھے۔ اس مدّت میں اسلام کا نور حبش، مدینہ، مکہ اور انفرادی طور پر عرب کے مختلف حصّوں میں پھیل چکا تھا۔ اِکّا دُکّا تو برابر مسلمان ہوتے ہی رہتے تھے۔ جب تقریباً پانچ سَو افراد اسلام لے آئے تو ایک جمعیت توحید پرستوں کی پیدا ہو گئی۔ کفّار کو جو اس تعداد کا علم ہوا تو اُنھوں نے سمجھا کہ یہ سیلاب تو خوفناک صورت اختیار کر چکا ہے اور یہ کسی طرح روکے نہیں رُک رہا تو اُنھوں نے آپؐ کے قتل کا عزم کر لیا مگر آپؐ مدینہ ہجرت کر گئے۔ اسلام کی قوّت روز افزوں ترقّی کرتی رہی۔ اس کے بعد آپؐ نے ایک اہم قدم اُٹھایا اور فرماں روایانِ عالم اور گورنروں کو نامہ ہائے دعوتِ اسلام ارسال فرمائے۔ شاہِ حبش اور گورنر یمن

Marfat.com

اسلام لے آئے۔ شاہِ مصر نے سر جھکا دیا۔ فتح مکّہ کے بعد تو قریش کا بند ٹوٹ گیا اور اس کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

غرض یہ کہ پچیس سال کے اندر پورا عرب مسلمان ہو چکا تھا اور ابھی ایک صدی بھی نہ گزری تھی کہ مسلمان تمام دنیا کے مالک تھے۔ دنیا میں بہت سے انبیاء پیدا ہوئے مگر تبلیغ میں جو کامیابی رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نصیب ہوئی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

قریش کی مخالفت کے اسباب و وجوہ

اسلام اور تعلیم اسلام میں اتنی کشش تھی کہ اس کے پھیلنے اور فروغ پانے میں جتنا عرصہ لگا اتنا بھی نہ لگتا۔ مگر مذہبی وجوہ کے علاوہ اقتصادی سیاسی اور شخصی اسباب بھی سنگِ راہ ہو گئے جنہوں نے قدم آگے بڑھانے ہی نہ دیا۔ سب جانتے ہیں کہ عرب میں قریش کو ہمہ گیر رسوخ اور اثر و اقتدار حاصل تھا جس کا سب سے بڑا اور ہمہ گیر سبب تولیتِ حرم کا اُن کے قبضہ میں ہونا تھا۔ یہی نہیں کہ وہ مناصبِ حرم کے حامل تھے اور مکّہ میں رہتے تھے بلکہ وہ حجاج و قبائل کی فیاضانہ میزبانی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ یہ نظام کچھ اتنا پھیل چکا تھا اور اتنے مختلف شعبوں اور شاخوں پر منقسم ہو گیا تھا کہ ایک پوری ریاست معلوم ہوتی تھی۔ حجابہ، افادہ، سقایہ، مسودہ، دیات، منا، عقاب، قنبہ، سفارت، ازلام و ایسکر اور اموال، مناصب و محاکم تولیتِ حرم تھے جن کے فرائض علی الترتیب کلید برداری و تولیت، حجاج کی خبر گیری، آب نوشی کا انتظام، خوں بہا کا فیصلہ علمبرداری، خیمہ و خرگاہ کا انتظام، سواروں کی افسری، فیصلہ نزاعِ قبائل، انتظام

محکمہ مال اور اہتمام خزانہ تھے جو بالترتیب عثمان بن طلحہؓ عوف بن عامر (خاندان نوفل)، حضرت عباسؓ (خاندان بنوہاشم) یزید بن ربیعۃ الاسود (خاندان اسد) حضرت ابوبکرؓ (خاندان تیم)، ابوسفیان (خاندان بنوامیہ) ولید بن مغیرہ (خاندان مخزوم)، حضرت عمرؓ (خاندان عدی) صفوان بن امیہ (خاندان بنو جمح) اور حرث بن سعد (خاندان بنوسہم) کے پاس تھے۔

گویا قریش کے ہر ممتاز و مقتدر خاندان کو مناصب حرم سے حصّہ ملا ہوا تھا قریش میں جو رؤسا اس وقت مسندِ اقتدار و رسوخ پر فائز تھے وہ یہ تھے:

۱۔ ولید بن مغیرہ جو حضرت خالدؓ کا والد اور قریش کا سردار و رئیس اعظم تھا۔

۲۔ عاص بن وائل جو حضرت عمروؓ بن العاص کا باپ تھا اور نہایت ذی اثر اور دولت مند کثیر الاولاد تھا۔

۳۔ ابولہب جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ بہت بااثر اور دولت مند تھا۔

۴۔ ابوسفیانؓ بن حرب جو حضرت معاویہؓ کے والد تھے اور بے حد بارسوخ اور ذی اقتدار تھے۔

۵۔ عتبہ بن ربیعہ جو حضرت امیر معاویہؓ کا نانا تھا۔ رئیس اعظم اور نہایت درجہ شریف النفس انسان تھا۔

ان کے علاوہ اخنس، نضر، ابوجہل، اسود بن عبدالمطلب، اسود بن عبدیغوث ابی بن خلف اور عقبہ بن معیط بھی بہت بارسوخ اور ذی اقتدار خیال کیے جاتے تھے۔ تاہم چوٹی کے رئیس صرف ولید، عتبہ اور عاص ہی تھے جن کے پاس لاکھوں

Marfat.com

دراہم موجود تھے۔ کاروبار بھی وسیع تھا اولاد بھی زیادہ تھی اور جتھا بھی ساتھ تھا۔

مخالفت کا پُرپیچ جال

اب اگر بُت پرستی کا طلسم ٹوٹتا جسے اسلام توڑنا چاہتا تھا تو گویا اِن کے اور قریش کے ہمہ گیر اقتدار کا بھی اختتام ہو جاتا۔ جن لوگوں کو جتنا نقصان پہنچنے کا احتمال تھا وُہ اتنی ہی دُشمنی اور مخالفت کا اظہار کرتا تھا۔ پہلے قریش کا سردار و رئیسِ اعظم حرب بن اُمیّہ تھا اس کے بیٹے ابُوسفیان سے ولید بن مغیرہ نے یہ منصب حاصل کر لیا اور اس کے پاس صرف خاندانِ اُمیّہ کی سرداری رہ گئی۔ ابُوجہل ولید ہی کا بھتیجا تھا۔ ابُولہب بنو ہاشم کا سب سے با اثر اور بُوڑھا شخص تھا اور قبیلہ سہم کا سردار عاص نہایت دولت مند تھا انھی کے ہاتھ میں قریش کی عنان تھی اسی لیے ابُوسفیان، ابُوجہل، ابُولہب اور عاص ظلم و آزار میں پیش پیش تھے۔ عرب میں سیادت و سرداری کا معیار کثرتِ زر و سیم اور کثرتِ اولاد تھی اس لیے ان کے نقطۂ نظر سے اہل ولید، عاص، اُمیّہ بن خلف اور ابُومسعُود ثقفی تھے نہ کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے پاس نہ اب دولت تھی اور نہ اولادِ ذکور۔ اس کے علاوہ وُہ سمجھتے تھے کہ آپ نصرانیت قائم کرنا چاہتے ہیں اور قریش بیت اللہ پر ابرہہ کے اقدام کے باعث نصرانیوں سے سخت عداوت رکھتے تھے۔

بنُو ہاشم اور بنو اُمیّہ کی رقابت بھی ایک اہم وجہِ مخالفت تھی۔ عبدالمطلب نے اپنی ہوشمندی و لیاقت سے بنُو ہاشم کا سِکہ بٹھا دیا تھا اُن کے بعد اُن کی اولاد میں کوئی با اثر نہ رہا۔

ابُوطالب کے پاس دولت نہ تھی!

Marfat.com

ابُولہب بدچلن تھا۔

حضرت عباسؓ دولت مند تو تھے لیکن سخی و سیر چشم نہ تھے۔

اِس لیے بنُوامیہ کا پلّہ بھاری ہوگیا۔

اعلانِ نبوّت سے بنُوامیہ کو اندیشہ لاحق ہوگیا کہ بنُوہاشم پھر کہیں اُن پر غالب نہ آجائیں اِس لیے اِس خاندان والوں نے شدید سے شدید مُخالفت کی۔ ہندہ نے آپؐ کے عزیز از جان چچا حمزہؓ کا کلیجہ چبایا۔ ابُوسفیان کُفر و اِسلام کی تمام جنگوں میں لشکرِ کفّار کی سرداری کرتا رہا۔ عقبہ نے اُونٹ کا اوجھ گلُوئے مبارک پر رکھ دیا۔

رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نہ سرداری کے طالب تھے اور نہ تولّیتِ حرم کے آرزُومند اور نہ ہی آپؐ کا مقصد اپنے خاندان بنُوہاشم کو خاندانِ بنُوامیہ پر فوقیّت دینا تھا البتّہ بُت پرستی اور ذمائمِ اخلاق کو ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہ کرسکتے تھے۔ بداخلاقیوں میں سب کے سب ڈُوبے ہُوئے تھے اور آپؐ اِس پر شدید سے شدید حرف گیری کرتے تھے جس سے اُن کی ذِلّت ہوتی تھی اور وُہ چڑ جاتے تھے۔ قرآنِ کریم کی آیات میں تخاطب تو عام ہوتا تھا مگر سمجھنے والے سمجھ جاتے تھے۔ ولید بن مغیرہ رئیسِ اعظم قریش کے مُتعلق آیات کا نزول ہوتا رہتا تھا اور بڑے بڑے جبابرہ اور فراعنہ کو یُوں مخاطب کیا جاتا تھا کہ

"ہمیں اور اسے تنہا چھوڑ دو۔ ہم نے اسے پیدا کیا، دولت دی، اولاد دی، سامان دیا، اب اور چاہتا ہے پر اب ہم اسے ہرگز

نہ دیں گے۔ وہ آبرو باختہ ہے، تندخو ہے، چغلیاں کھاتا ہے، طعن مارتا ہے، جھوٹی قسمیں کھاتا ہے، جھوٹا نسب بتاتا ہے، حد سے بڑھ گیا ہے۔ وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے۔ تم اور تمھارے بت سب کے سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔"

اپنی اور اپنے خداؤں کی مذمت دیکھ کر انھیں بڑے بڑے جوش اٹھتے تھے لیکن حرب فجار نے نڈھال کر رکھا تھا۔ بنو ہاشم کے انتقام سے بھی ڈرتے تھے اس کے علاوہ انھیں اپنا اقتدار بھی خطرے میں نظر آتا تھا اس لیے صرف ترغیب و ترہیب سے اس طوفان کو روکنا چاہتے تھے لیکن تابہ کے! آخرکار سب نے مل بیٹھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کر ہی لیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا۔ فتح مکہ کے بعد چوں کہ یہ طلسم ٹوٹ گیا تو پھر میدان صاف تھا اور سارے کا سارا عرب مسلمان!

سوچیے تو ذرا!

رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کتنے خوف ناک سمندر حائل تھے اور آپ نے انھیں کس طرح عبور کیا۔

Marfat.com

جامعِ اوصاف قیدی

جابرہ قریش کا جلسۂ مشورت

سات سال تک قریش ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے اور اپنے قہر و غضب کی بجلیاں گراتے رہے مگر جب دیکھا کہ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پائے ثبات کو لغزش ہی نہیں ہوتی اور سیلابِ اسلام ہے کہ برابر اُمنڈتا اور بڑھتا چلا آتا ہے جس کی انتہا یہ ہے کہ قریش کے چوٹی کے دو خاندانوں بنو ہاشم اور بنو عدی کے نہایت جری، جانباز و ممتاز افراد حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ بھی اس رَو میں بہ گئے تو قریش کا پیمانۂ صبر و ضبط چھلک پڑا۔ اُنھوں نے ایک عظیم جلسہ کر کے باہم مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ تمام عمائدینِ قریش نے اپنی طرف سے اپنی اپنی بھرپور شیطنت کاریوں کا اظہار کیا اور اذیّت و مظالم کی جتنی بھی صورتیں اُن کے ذہن و دماغ میں پیش ہو سکتی تھیں وہ سب ایک ایک کر کے اُنھوں نے اس جلسہ میں پیش کر دیں۔ علانیہ قتل میں تو وہی بنو ہاشم کی طرف سے انتقام و جنگ کا خطرہ لاحق تھا۔ آخر اتفاق اس بات پر ہوا کہ نہ صرف رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم بلکہ آپ کے تمام خاندانِ نبوّت کو محصور و قید کر کے اُن سے جُملہ تعلقات منقطع کر لیے جائیں اور محاصرہ اس احتیاط و نگرانی کے ساتھ کیا جائے کہ رزق کا ایک دانہ

اور پانی کا ایک قطرہ تک اُن کے حلق تک نہ پہنچنے پائے۔

مُعاہدۂ فرعونی کی نوعیت

چوں کہ ایسی اور اس نوع کی قید میں موت یقینی تھی اس لیے پھر بنو ہاشم سے جنگ کا اندیشہ لاحق ہوا جس سے بچنے اور محفوظ رہنے کی یہ تدبیر سوچی گئی کہ اس معاہدۂ سزا میں تمام قبائلِ مکّہ شرکت کریں کیوں کہ بنو ہاشم تنہا تو سب کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ آخر کار مُعاہدہ مُرتّب ہو گیا اور اس پر تمام قبائل کے سرداروں کے دستخط کروا کر اُسے درِ کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا۔

اس مُعاہدہ کی اہم دفعات یہ تھیں کہ :

اَوّلاً : اِن لوگوں سے میل جول قطعی نہ رکھا جائے۔

ثانیاً : جو کوئی اِن سے تعلّق رکھے اُس کا بھی مقاطعہ کر دیا جائے۔

ثالثاً : اِن تک خورد و نوش کا کوئی سامان نہ پہنچنے دیا جائے۔

رابعاً : اِن کے ساتھ کوئی خرید و فروخت نہ کی جائے۔

خامساً : اُس وقت تک یہ مقاطعہ برابر قائم رکھا جائے جب تک یہ لوگ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو اپنی مرضی سے قتل کرنے کے لیے قریش کے حوالے نہ کر دیں۔

اس عہد نامہ کا کاتب منصور بن عکرمہ تھا۔

سہ سالہ قیدی کے ہولناک مصائب

حضرت ابو طالب کو قریش کے اس مقاطعہ کا جب علم ہوا تو وہ اپنے سارے خاندان کو لے کر دامنِ کوہ کے اپنے ایک وسیع و عریض مکان میں

Marfat.com

پناہ گزین ہو گئے۔ قریش تو خود اسی فکر میں تھے انھوں نے فوراً مکان کو محصور کر لیا اور ہر چہار طرف سخت پہرہ لگا دیا۔

کچھ دن تو جوں توں کر کے گزر گئے مگر پھر تو یہ حالت تھی کہ رنج وغم، اذیت و ابتلا اور مصیبت و تکلیف کی ایک قیامت برپا تھی۔ ادھر تو محاصرہ برابر طول کھینچتا چلا جاتا تھا اور اُدھر یہ حالت تھی کہ محصورین کے لیے گھاس اور پتے بھی باقی نہ رہے تھے کہ جنھیں کھا کر گزارہ کر لیا جاتا۔ مردوں کی شکلیں نڈھال ہو گئیں۔ عورتوں کے چہرے بے کسی کی تصویر بن کر رہ گئے۔ بچے بلکنے لگے۔ ماؤں کی چھاتیوں میں دودھ خشک ہو گیا۔

ابو طالب شدید تشویش و کرب میں مبتلا ہو گئے۔ نہ عزیز بھتیجے کی موت گوارا تھی، اور نہ اپنے خاندان بھر کی تباہی و بربادی انھیں منظور تھی۔ اپنی آنکھوں سے یہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جیل خانے کی کوٹھڑی میں تنہا ایڑیاں رگڑ کر مر جانا اور بات ہے اور اپنے سامنے گھر کے مردوں اور عورتوں کو تباہ ہوتے دیکھنا اور بچوں کا آنکھوں کے سامنے بلکنا دیکھنا اور بات ہے۔ یہ وہ ہوش ربا، حوصلہ سوز اور صبر آزما منظر تھا کہ پتھر بھی پانی ہو جاتے۔ حسب بیان حضرت سعد بن وقاص ایک رات کو کہیں سے چمڑے کا ایک سوکھا ہوا ٹکڑا ہاتھ لگ گیا اسی کو دھو کر آگ پر بھونا اور پانی ملا کر کھایا (روض الانف)۔ طلح کے پتے کھا کھا کر دن کٹتے تھے۔ محاصرین کی سنگدلی کا یہ عالم تھا کہ بچوں کے شدت جوع سے رونے اور بلکنے کی آواز باہر جاتی تو اسے سن کر قہقہے لگاتے اور خوشیاں مناتے۔ پورے تین سال اس قید میں گزرے۔

Marfat.com

استقامت پامردی کا فقید المثال مظاہرہ

دُنیا کی کوئی ہولناک سے ہولناک مصیبت ایسی نہ تھی جو اس مدت قید میں برداشت نہ کی ہو۔ سب کچھ تھا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم تھے۔ محصورین میں سے اگر کوئی سمجھانے کے انداز میں کچھ کہتا تو آپ بے تکلفی کے ساتھ فرما دیتے کہ:

"آپ جائیے اور مجھے مرنے دیجیے یا پھر خود ہی مجھے بے شک کفار کے حوالے کر دیجیے۔ خدا کی قسم وہ میرا یا کسی کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے البتہ تکلیف ضرور ہے مگر وہ بگاڑ تو کسی کا بھی کچھ نہیں سکتے۔"

آپ اس فرصت کے اوقات میں اپنا سارا وقت عبادت الٰہی اور نماز میں گزارتے تھے۔ واقعی یہ کچھ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کی قدرت ہی تھی جو تین سال کا طویل عرصہ بہ خیر و خوبی گزر گیا ورنہ حالات اس قدر نازک تھے کہ تین مہینے ہی میں سب کے سب محصورین ختم ہو گئے ہوتے۔

جب زمانۂ ابتلا پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے دشمنوں ہی کے اندر چند دوست بھی پیدا کر دیے۔

قبیلہ مخزوم کا ایک صاحب اثر رکن خفیہ طور پر کبھی کبھی محصورین بنو ہاشم کو غلہ بھیجتا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے حضرت زبیرؓ سے کہا:

"بڑے شرم کی بات ہے کہ تم خود تو دونوں وقت شکم سیر ہو کر کھاؤ اور تمہارا ماموں اور اس کا خاندان دانے دانے کو ترسے۔"

Marfat.com

انھوں نے جواب دیا کہ

"کیا کروں میں مجبور ہوں کوئی میرا ساتھ دینے والا ہو تو میں آج ہی اس معاہدہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں"

چناں چہ اب یہ دونوں مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ ان تینوں کی حمایت میں زمعہ بن الاسود بھی تن کر کھڑا ہو گیا۔ سب نے حرم پاک میں جا کر لوگوں سے کہا کہ بنو ہاشم بھی کوئی غیر نہیں ہیں کہ وہ تو ایک ایک دانہ کے لیے ترستے رہیں اور ہم پیٹ بھر کر کھائیں۔ خدا کی قسم آج یہ معاہدہ چاک ہو کر رہے گا۔

ابو جہل بول اٹھا :

"کس کی مجال ہے جو معاہدہ کو چاک کرے۔"

زمعہ بن الاسود گرج کر بولا :

"تو جھوٹ بکتا ہے۔ ہم تو پہلے ہی اس پر راضی نہ تھے۔"

اتنے میں مطعم بن عدی نے فوراً معاہدہ چاک کر دیا اور اس کے ٹکڑے ہوا میں اچھال دیے۔ پھر یہ چاروں مسلح ہو کر شعب ابی طالب میں گئے اور تمام محصورین کو عزت و تکریم کے ساتھ نکال کر باہر لے آئے۔

کیا اس ہمت و استقلال کی کوئی نظیر دنیا پیش کر سکی ہے یا آئندہ کر سکے گی کہ کسی نے اپنے خاندان سمیت اس طرح قید پائی اور کاٹی ہو، اور پھر اتنا ثبات دکھایا ہو ؟

Marfat.com

غم نصیب بھتیجا

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کا یہ کتنا الم ناک اور اندوہ خیز پہلو ہے کہ عرصۂ عالم میں قدم رکھنے سے پیشتر ہی شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور داغِ یتیمی پیشانی پر لیے ہوئے پردۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئے۔ ابھی چھ سال کی عُمر بھی نہ ہوئی تھی اور آغوشِ مادری کے لُطف بھی نہ اُٹھا سکے تھے کہ جاں نثار والدہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ پھر ابھی دو برس ہی پیکرِ محبت دادا کے دامن میں کھیلے تھے اور آٹھ ہی برس کی عُمر ہوئی تھی کہ دادا کے جنازے پر آنسو بہانا پڑے۔ اب شفیق چچا کے ہاتھ میں ہاتھ تھا جس کی والہانہ محبّت نے والدین اور دادا کا غم بُھلا دیا تھا اور جو سرد و گرم زمانہ میں پُشت و پناہ بنا رہا تھا۔ عین اُس وقت جب کہ ان کی موجودگی کی بہت ضرورت تھی وُہ بھی اُنھیں لاوارث چھوڑ گئے۔ غم گسار اور انیسِ حیات بیوی رہ گئی تھیں۔ جو رنج و راحت کی شریک تھی اور مُصیبت و اَلم کے وقت آنسو پونچھنے والی تھی وُہ بھی نہ رہی۔ اب کوئی اتنا نہ تھا جو آپؐ کو ڈھارس و ہمّت بندھائے اور اس تیرہ و تار و پُر آشوب زمانہ میں حوصلہ دے۔ جدھر نظر اُٹھا تے تھے دُشمن ہی دُشمن نظر آتے تھے۔ ایک ہی سال کے اندر دو گراں قدر گراں مایہ

عزیزوں کا انتقال اور وہ بھی تھوڑے وقفہ سے آپؐ کے لیے ایک ناقابلِ تلافی صدمہ تھا جس نے آپؐ کو بُری طرح سے غم گین بنایا۔ اسی لیے آپؐ اِس سال کو عام الحزن کہا کرتے تھے۔

چچا کے ہاتھ میں ہاتھ

محبت والے دادا نے مرتے وقت ابُوطالب کے ہاتھ میں جو ہاتھ دیا تھا اُنھوں نے اُسے اِس شان اور آن بان کے ساتھ نباہا کہ دُنیا متحیّر رہ گئی اور مکّہ والے حیران و ششدر تھے۔ حق تو یہ ہے کہ ابُوطالب نے بھتیجے کے ساتھ جیسی محبت کی اور جس شفقت کے ساتھ اُسے پرورش کر کے بڑا کیا، عرب تو کیا دنیا بھر میں اس کی مثالیں شاذ ہی ملتی ہیں اور باپ بھی اپنی اولاد سے اتنی محبت کم ہی کرتے ہیں۔ حقیقت میں عبداللہؓ بھی زندہ ہوتے تو شاید آپؐ کے ساتھ اتنی محبت نہ کر سکتے جتنی ابُوطالب نے کی۔ انھوں نے تو آپؐ کے مقابلہ میں اپنی اولاد کی بھی کوئی پرواہ نہ کی اور زندگی بھر آپؐ پر جان نچھاور کرتے اور خود تکالیف اُٹھا کر آپؐ کو آرام پہنچاتے رہے۔ کون یہ کر سکتا ہے۔ آپؐ کے پاس تو کوئی اثاثہ بھی نہ تھا۔ باپ نے گھر میں چند اُونٹوں، کچھ بکریوں اور ایک کنیز اُمِّ ایمن کے سوا اور چھوڑا ہی کیا تھا۔ ایسے نادار اور غریب اور پھر تبلیغ کے معاملہ میں کوئی بات نہ ماننے والے اور خاندان کو مُصیبت میں پھنسانے والے بھتیجے سے وُہ بے پرواہی بھی برتتے، ڈانٹتے ڈپٹتے اور ناراض بھی ہوتے تو حق بجانب تھے مگر اُنھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہر مرحلہ پر پیار ہی دیا۔

شفیق چچا کی پدرانہ شفقت

صغر سنی میں اپنے برابر سلاتے رہے ذرا بڑے ہوئے تو جہاں جاتے ساتھ لے جاتے۔ بارہ سال کی عمر تھی ابو طالب تجارت کی غرض سے شام کے سفر پر جانے لگے تو آپؐ دامن سے لپٹ گئے۔ ساتھ جانے کی ضد کی تو محبت جوش میں آگئی۔ گود میں اُٹھالیا۔ پیار کیا اور ہمراہ سفر پر لے گئے۔ وہاں بحیرا راہب نے آپؐ کو دیکھ کر آپؐ کی جو تعریف کی اور پیشین گوئی کی کہ یہ بچہ بڑا ہو کر "سیدالمرسلین" ہو گا تو آپ باغ باغ ہو گئے۔ آپؐ کی پاکیزہ اخلاقی، صدق و دیانت، آپؐ کا لقب "الامین" سے ملقب ہونا، نزاعِ تعمیرِ بیت اللہ کو پورے مدبرانہ طریق پر ختم کرنا پھر تجارت میں مختارِ عام کی حیثیت سے کمال حاصل کرنا، حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ سے عقد اور تجارت میں قابلِ رشک ترقی کرنا وہ امور تھے جنہوں نے ان کے قلب کو مسرتوں سے لبریز کر دیا۔ ان کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ وہ آپؐ کو محبت کے علاوہ عزت کی نظر سے بھی دیکھنے لگے۔ آپؐ کے نکاح کا خطبہ بھی خود ہی پڑھا۔ پھر ورق اُلٹا۔ اعلانِ نبوت ہوا تب بھی آپ نے مخالفت نہ کی اور بھائی کے دشمن اور آپ کے حامی عمائدینِ قریش کی ایک نہیں دو دو سفارتیں آئیں مگر آپ نے کسی کی پرواہ نہ کی اور صاف صاف کہہ دیا:

"جاؤ! اطمینان سے اپنا کام کیے جاؤ جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمھارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

آپؐ ہی کی خاطر تو تین سال تک ہولناک قید کے ہولناک الم اور دکھ سہے

Marfat.com

اپنے کاروبار کو تباہ کرلیا۔ باپ بھی ایسے نقصانات پر تنگ آکر بار بار پیشانی پر بل ڈال لیتا ہے۔ گھبرا جاتا ہے مگر حیرت ہے کہ آپ کبھی منغّص نہ ہوئے۔ بھتیجے کو کبھی بُرا بھلا نہ کہا۔ کفّار قتل کرنے کے لیے آپؐ ہی کو تو چاہتے تھے لیکن ابوطالب نے خاندان بھر کی قید کو گوارا کرلیا مگر آپؐ کو کفّار کے حوالے کرنے پر ایک لمحہ کے لیے بھی تو تیّار نہ ہوئے۔

بیوی کی جاں نثارانہ محبّت

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غم گساریاں اور قربانیاں بھی حد سے فزوں تھیں۔ جو کچھ پاس تھا انھوں نے سب کا سب آپؐ پر سے قربان کر دیا۔ لاکھ کا گھر خاک کرلیا۔ دولت مند ہو کر غریب شوہر کی وہ خدمات انجام دیں، وہ اطاعت کی، وہ دل رکھا کہ کفّار بھی حیران رہ گئے اور مکّہ بھر میں آپ کی اطاعت شعاری اور خدمت گزاری کی دھوم مچ گئی۔ ہر گھبراہٹ اور ہر مصیبت کے وقت تسلّی دی، ڈھارس بندھائی، کنیزوں، لونڈیوں اور باندیوں کی طرح خدمت کی اور دکھ سکھ میں پورا پورا ساتھ دیا۔ کبھی نہ گھبرائیں کبھی کسی بات پر اعتراض نہ کیا۔ کبھی اُف تک نہ کی۔ زندگی بھر جاں نثار رہیں زمانۂ قید میں سب سے بڑی ہمّت انھی کی تھی اور انھی کے اثر سے کفّار کچھ کچھ دبے رہتے تھے اور کسی کو چشم زخم پہنچانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سب سے پہلے یہی مسلمان ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ اتنے محبّت والے، اتنے دردمند، اتنے جاں نثار اور ایسے ذی اثر عزیزوں کے انتقال کا صدمہ اگر آپؐ کو دیوانہ بھی کر دیتا، ہوش و حواس بھی اگر بجا نہ رہتے اور علی الخصوص ایسے نازک

Marfat.com

وقت میں تو بھی تعجب نہ تھا۔ فی الحقیقت آپ کو بے حد صدمہ ہُوا۔ قلبِ مضطر پارہ پارہ ہوگیا اور آپؐ بے قرار ہوکر رونے لگے۔

نزع کے عالم میں چچا کے پاس گئے اور کہا :

"چچاجان ! اب تو کلمہ پڑھ لیجیے کہ خُدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دے سکوں۔"

ابوجہل موجود تھا اُس کی طرف دیکھ کر بڑے دُکھ سے بولے :

"بیٹا ! قریش کہیں گے ابُو طالب موت سے ڈر گیا ورنہ میں ضرور کلمہ پڑھ لیتا۔"

لیکن ابنِ اسحاق لکھتا ہے کہ آپ نے آہستہ آواز میں کلمہ پڑھ لیا تھا۔ ویسے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ورنہ اس کے پیارے حبیبؐ کا ایسا پیارا اور شفیق چچا دُنیا سے بے ایمان نہیں جاسکتا اور ابُوطالب یقیناً بخشے جائیں گے !

طائفِ کا پیکس

طائف اس عہد کا ایک نہایت ممتاز اور عرب کا مشہور شہر تھا جو مکّہ سے ستّر میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ چوں کہ آب و ہوا خوش گوار تھی اور زمین زرخیز، اس لیے طائف عرب کے چمن کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہر قسم کا غلّہ، اناج، پھل پھول، میوے اور ترکاریاں یہاں بہ کثرت اور بہ افراط پیدا ہوتی تھیں انگوروں کی بیلیں دُور دُور تک پھیلی رہتی تھیں۔ اگر مکّہ والوں سے تجارت اور تولیتِ حرم لے لی جاتی تو ان کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہتا کہ یہ ایک پہاڑی علاقہ تھا۔ لیکن طائف کی سرزمین سونا اگلتی تھی اور اللہ تعالےٰ نے تمام نعائم اُن کی ضروریات سے بھی کہیں زیادہ اُن کے گھروں ہی میں عطا کر رکھی تھیں۔ اُن کے ہاں کی پیداوار دُور دُور تک جاتی تھی اور زراعت و باغبانی نے انھیں بے حد دولت مند اور دولت نے انھیں بے حد مغرور بنا رکھا تھا۔ بڑے بڑے اربابِ اقتدار و اثر یہاں رہتے تھے۔ جن میں خاندانِ عُمیر رئیس القبائل تھا اور عبدیالیل، مسعود اور حبیب تینوں بھائی تھے اور بڑے طنطنہ و طمطراق کی زندگی بسر کرتے تھے گویا اُس زمانہ میں طائف شہریت کے اعتبار سے ہر طرح مکّہ کا مدِ مقابل اور حریف تھا!

Marfat.com

مصائب کا ہجوم

قید شعب ابوطالب سے نجات پانے کے کچھ روز بعد شفیق چچا اور غم گسار بیوی دونوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا۔ سب کچھ تھا۔ پھر ان دونوں کا مکہ میں بہت اثر تھا۔ دونوں آپؐ کے پشت پناہ اور سچے ہمدرد تھے اور قریش کو ان دونوں کا لحاظ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا تھا قریش ان کے قید سے زندہ وسلامت نکل آنے ہی پر جلے ہوئے تھے اب ان دونوں بزرگوں کے اچانک انتقال کر جانے سے ان کے لیے گویا میدان صاف ہو گیا۔ اب ظلم و چیرہ دستی کی وہ آندھیاں اُٹھیں کہ پناہ ملنا اور آپؐ کے لیے گھر سے قدم باہر نکالنا دوبھر ہو گیا۔ قریش نے خوب دل کھول کر ستانا شروع کر دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جوں ہی آپؐ گھر سے نکلے اور شہر کے لفنگوں اور آوارہ بچوں کے غول آپؐ کے پیچھے لگ گئے۔ کوئی مغلظ گالیاں دے رہا ہے۔ کسی نے اوپر کوڑا کرکٹ پھینک دیا ہے۔ کسی نے پتھر کھینچ مارا ہے۔ کوئی راستے میں کانٹے بچھا گیا ہے۔ کوئی خواہ مخواہ جھگڑ پڑا اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔

غرض یہ کہ ان بے دینوں اور ظالموں کے جان لیوا سلوک نے تنگ کر دیا، عاجز بنا کے رکھ دیا۔ کوئی کوچہ و گلی اور کوئی سڑک ایسی نہ تھی جس پر سے آپؐ آسانی کے ساتھ امن و امان سے صحیح سالم گزر سکتے۔

اس کے علاوہ قدم قدم پر ہلاکت کا خطرہ درپیش رہتا تھا۔ چاروں طرف دشمن گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ علانیہ قتل کی دھمکیاں دی جاتی تھیں۔ اور سازشیں کی جاتی تھیں۔ انتہا یہ ہے کہ مکہ کی زمین آپؐ پر تنگ ہو گئی تھی۔

Marfat.com

پتھروں کی بارش

آپؐ نے عزم کر لیا کہ طائف چل کر وہاں تبلیغ کی جائے مگر طائف والے مکہ والوں سے بھی چھ انگشت بڑھے نکلے۔ آپؐ سب سے پہلے مذکورہ تینوں رؤسا کے پاس پہنچے یہ سوچ کر کہ اگر ان تینوں نے اسلام قبول کر لیا تو باقی لوگ آسانی سے مسلمان ہو جائیں گے اور آئندہ کے لیے کوئی دشواری باقی نہ رہے گی لیکن اِن تینوں نے جو جواب دیے اور جو سلوک کیے وہ شقاوت و کافرانہ نخوت کا ایک نہایت بھیانک نظّارہ تھا۔ ایک بولا :

"اگر خدا نے تجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو گویا اُس نے خود اپنے ہاتھوں اپنا پردہ چاک کیا ہے۔"

دوسرا کہنے لگا :

"خوب اللہ کو رسالت و پیغمبری کے لیے تیرے سوا اَور کوئی بھی نظر نہ آیا ؟"

تیسرے صاحب فرمانے لگے کہ :

"بھئی میں تو تجھ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا اس لیے کہ اگر تو واقعی نبی ہے تو تجھ سے بات کرنا خلافِ ادب ہے اور اگر تو جھوٹا ہے تو پھر تو اس قابل ہی نہیں کہ تجھے منہ لگایا جائے۔"

اگر صرف اسی پر اکتفا کر لی جاتی تو بھی غنیمت ہی تھا لیکن انھوں نے تو مشرکانہ قساوتِ قلبی اور سنگدلی کی انتہا ہی کر دی۔ انھوں نے بازاری

اور آوارہ بچوں اور لُچّوں شُہدوں لفنگوں غُنڈوں اور بدمعاشوں کو اکٹھا کر کے آپؐ کے پیچھے لگا دیا جو بھیڑیوں اور پالتو شکاری کُتّوں کی طرح آپؐ پر دوڑ پڑے۔ تالیاں بجائی، آوازے کسنے، پھبتیاں اُڑائی، گالیاں دینی اور پتھر روڑے مارنا شروع کر دیے۔ اِن شیطانوں اور خبیث و مردود لفنگوں نے اِس جلیل القدر پیغمبرؐ انبیاء کے سردار سے وہ گھناؤنا سلوک کیا کہ زمین کانپ اُٹھی، آسمان لرز گیا، کائنات کی ایک ایک شے چیخ اُٹھی اور ملائکہ میں شور وغُل برپا ہو گیا۔

زخموں کے پھول

یہ فرعونی و شیطانی انضباط ملاحظہ فرمائیے کہ چند لمحوں کے بعد ہی یہ غولِ بیابانی راستوں پر دورویہ کھڑا ہو گیا اور نہ صرف یہ کہ مُغلّظات سُنانی شروع کیں بلکہ پتھروں کی بارش بھی شروع کر دی اور تاک تاک کر نشانہ بازی کی۔ ساق و سرین پر پتھروں سے حملے کیے جس سے آپؐ کی پنڈلیاں، ٹانگیں، ٹخنے، سر، منہ اور پاؤں وغیرہ سب مجروح ہو گئے۔ اتنے مجروح کہ تل برابر جگہ بھی زخم سے خالی نہ رہی۔ خُون کے فوّارے چھُوٹنے لگے اور قوتِ رفتار سلب ہو کر رہ گئی۔ آپؐ تھک کر بیٹھ گئے تو کم بختوں نے بازوؤں سے پکڑ کر آپؐ کو زبردستی کھڑا کر دیا اور پھر سے پتھر مارنے شروع کر دیے۔ ایک بار نہیں کئی بار ایسا ہی کیا۔ دونوں طرف سے بازو پکڑ کر اُٹھاتے، کھڑا کر دیتے جب آپؐ چلنے کے لیے پاؤں اُٹھاتے تو ظالم پھر پتھروں کی بارش شروع کر دیتے۔ تکلیف کے مارے

جب آپؐ کراہتے تو مردود زور زور سے قہقہے لگاتے ہنستے چیختے چلاتے تالیاں بجاتے، پھبتیاں اڑاتے، ذلیل قسم کے آوازے کستے اور مغلظ اور فحش گالیاں بکتے اور خوش ہوتے۔

نیک دل باغبان

آخر کار آپؐ بہ مشکل تمام گرتے پڑتے ایک باغ تک جا پہنچے جہاں انگوروں کی ٹہنیوں میں پناہ لی۔ اس باغ کا مالک عتبہ بن ربیعہ تھا جو کچھ فطری طور پر رحم دل نیک اور شریف الطبع واقع ہوا تھا۔ اس نے آپؐ کی حالت دیکھی تو لوگوں کے اس سلوک پر اسے بہت دکھ ہوا اور دل ہی دل میں بہت کڑھا۔

آپؐ کو بڑی شدت سے پیاس لگی ہوئی تھی اس نے فوراً اندر جا کر اپنے غلام کے ہاتھ انگور کا ایک خوشہ کشتی میں رکھ کر بھیجا۔ آپؐ نے انگور کے خوشے سے اپنی پیاس بجھائی اور عتبہ بن ربیعہ کے لیے دعا کی۔ تھوڑی دیر وہیں چھپ کر بیٹھے رہے۔ آرام کیا۔ تھکن دور کرنے کے بعد آپؐ نخلہ پہنچے۔ جہاں چند روز قیام کر کے آپؐ نے مکہ والوں سے نامہ و پیام شروع کیا کہ آپؐ کو کوئی اپنی پناہ میں لے لے کیوں کہ مکہ میں قدم رکھنا اب خطرے سے خالی نہ تھا۔ لیکن قریش کے ڈر سے کوئی آپؐ کو پناہ دینے کی حامی نہ بھرتا تھا آخر کار مطعم ہی نے یہ جرأت کی اور وہ نخلہ جا کر تلواروں کے سائے میں آپؐ کو مکہ لے آیا اور اعلان کر دیا کہ "میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دے دی ہے!"

Marfat.com

سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ :

" یہ آپ کے اعتقاد اور اعتماد علی النفس کا کتنا شاندار مظاہرہ تھا کہ آپ اپنی ناکامیوں کے باوجود تنہا ایک مخالف شہر میں گئے۔ اور فریضۂ تبلیغ ادا کیا !"

یہ اعتماد علی النفس نہیں اعتماد علی اللہ کا مظاہرہ تھا۔ پھر کیا یہ کچھ کم شفقت تھی کہ آپ اہلِ طائف کے لیے برابر ہدایت کی دعا مانگتے رہے !

عکسی
تبلیغی نصاب
جدید ایڈیشن

مرکزِ نوادر
کتب خانہ شانِ اسلام
۱۰۔ راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

مظلوم نبی

واقعی کُرۂ ارض پر جس قدر اور جتنے بھی پیشوایانِ مذہب اور علمبردارانِ اصلاح و عمل وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے وُہ سب ایک عرصہ تک شکارِ مصائب و آلام اور آماجگاہِ حوادث و مظالم بنے رہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد جس شقاوت و قساوت، جس درندگی و بہیمیت اور جس فرعونیت و عقوبت سے دوچار ہونا پڑا اُس کی نظیر دنیا کی پوری تاریخ میں بھی باوجود تلاش و تجسس کے نہیں مل سکتی کسی کو ایک نمرود، ایک فرعون اور ایک بنی اسرائیل سے واسطہ پڑا لیکن یہاں تو مکہ و طائف کا ہر رئیس اپنی جگہ فرعون و نمرود تھا۔ پھر اور جگہ تو یہ حالت تھی کہ وہاں ایک "ہاں" اور "نہیں" پر قوم کی قوم کا فیصلہ ہو سکتا تھا لیکن مکہ میں یہ حالت تھی کہ اسلام قبول کرنا چاہتے تھے مگر نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں کے حالات اتنے پُر پیچ اتنے اُلجھے ہوئے اور اتنے نازک تھے کہ اُن سے عہدہ برآ ہونا قریب قریب غیر ممکن نظر آتا تھا۔ یہاں مخالفت میں محض مذہبی رنگ ہی نہ تھا بلکہ سیاست، اقتصاد، تاریخ، روایات، رقابت اور سیادت صد ہزار موانع اور صد ہزار رکاوٹیں تھیں۔ ایک پتھر راستے سے ہٹتا تھا تو اُس کی جگہ اُس سے وزنی دوسرا پتھر آ پڑتا تھا۔

کوئی کیا کیا کرے؟ کس کس پتھر کو راستے سے ہٹائے؟ کون کون سے تار کاٹے؟ اور کس کس جال کو تراشے؟

اسلام کی راہ میں پہلا خون

جس روز آپؐ نے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کے حکم کے تحت حرم پاک میں جاکر اعلانِ توحید کیا ہے اُسی وقت ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ تلواریں سونت کر رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چاروں طرف سے ٹُوٹ پڑے۔ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کے فرزند اور آپؐ کے ستر سال کے دوست اور ربیبؓ حضرت حارثؓ گھر ہی میں موجود تھے ہنگامہ کی خبر پاتے ہی عجلت میں دیوانہ وار دوڑتے ہوئے آئے اور آپؐ کو بچانے کی سعی کرنے لگے۔ ان پر ہر طرف سے تلواریں پڑنی شروع ہو گئیں اور وہ موقع ہی پر شہید ہو گئے۔ تین برس کی مخفی تبلیغ کے بعد یہ پہلا دن تھا کہ اعلانِ توحید کے جرم میں آپؐ پر حملہ ہُوا اور یہ پہلا خون تھا جو اسلام کی راہ میں بہا۔ اس کے بعد تو ایک آندھی برپا ہو گئی۔ ایک طوفان آ گیا۔ ابُوسفیان، ابولہب، عقبہ، ابُوجہل وغیرہ جہاں موقع لگتا آپؐ کو ستاتے، ہر قسم کی تکالیف دیتے۔ آپؐ احکامِ الٰہی بیان فرماتے اور کفّار اس کا جواب اینٹ اور پتھر سے دیتے۔

ایک روز ابوجہل نے آپؐ کو بہت تکلیف پہنچائی۔ پتھر کھینچ کر مارا جس سے آپؐ کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ حضرت حمزہؓ شکار پر گئے ہوئے تھے۔ واپس لوٹے تو کنیز نے سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ آپ کو حضُور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت تھی۔ سُن کر برداشت نہ کر سکے۔ کمان ہاتھ

میں لیے ابو جہل کے پاس پہنچے۔ اسے سخت سُست کہا اور کمان مار کر اس کا سر زخمی کر دیا۔ اور فرمایا :

" تو مَیں بھی مُسلمان ہو گیا ہُوں۔ کر و کیا کرتے ہو میرا ؟"

پھر پچھتائے کہ جوش و غصّہ میں یہ کیا کہہ دیا مَیں نے۔ اُسی وقت سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس گئے اور بتایا کہ مَیں نے عمرو کو زخمی کر کے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔ حضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مُسلمان ہونے کی دعوت دی جس پر آپ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

مُسلمان کنیز کو سزا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بہت بہادر اور بہت غصّہ ور تھے۔ اسلام لانے والوں کو انتہائی عذاب دیتے۔ ان کی کنیز اسلام لے آئی تھی۔ معلوم ہُوا تو اُسے مارنے لگے۔ ہر روز مارتے، خُوب دل کھول کر سزا دیتے۔ مارتے مارتے تھک جاتے تو بیٹھ کر سُستانے لگتے اور پھر اُٹھ کر مارنے لگتے۔ جب پھر تھک کر بیٹھتے تو کنیز سے کہتے کہ :

" یہ نہ سمجھنا کہ مَیں نے تم پر رحم کھا کر چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ تھک گیا ہُوں۔ ذرا دم لے لُوں پھر تیری خبر لُوں گا ۔"

کنیز مار کھاتی جاتی اور زبان سے یہی کہتی رہتی :

" عُمرؓ ! باز آؤ ورنہ اللہ کے یہاں تمہارا بھی یہی حال ہو گا ۔"

ایک روز آپ نے سُوچا کہ اس سرچشمہ و منبعِ اسلام کا خاتمہ ہی کیوں نہ کر آؤں تاکہ روز روز کی مصیبت سے تو چھٹکارا ملے۔ یہ ارادہ کر کے آپ

برہنہ شمشیر ہاتھ میں لے کر گھر سے نکلے۔ راہ میں انھیں ایک بزرگ حضرت نعیمؓ بن عبداللہ مل گئے جو حال ہی میں اسلام لائے تھے اور انھی کے خاندان کے ایک معزز رکن تھے۔

پوچھا: عمرؓ کدھر جارہے ہو شمشیر بدست؟

بولے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے چلا ہوں۔

کہنے لگے: پہلے اپنے گھر کو تو سنبھالو! بعد کو کسی دوسری جگہ جانے کا ارادہ کرنا۔

چونک کر پوچھا: کیوں میرے گھر میں کیا ہوا؟

جواب دیا: تمھارے بہنوئی اور بہن دونوں مسلمان ہو گئے۔

حضرت سعید پر غضب ناک حملہ

وہیں سے پلٹ پڑے۔ آنکھیں لال انگارہ بن گئیں اور چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا۔ بہن اس وقت اپنے گھر میں بیٹھی تلاوتِ کلامِ پاک میں مصروف تھیں۔ آہٹ پاتے ہی اجزائے قرآن چھپا لیے اور خاموش ہو گئیں لیکن تلاوت کی آواز آپ سن چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے استفسار پر کہ کیا کر رہی تھیں؟ فرمایا کچھ نہیں! کہا میں جانتا ہوں تم دونوں بے دین ہو گئے ہو۔ اپنے بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے جن کا اسمِ گرامی سعیدؓ بن زید تھا۔ بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لیے آگے جو بڑھیں تو ان پر بھی ہاتھ اٹھا دیا اور دونوں کو اتنا مارا اتنا مارا کہ لہولہان کر دیا لیکن اسلام کی محبت تو اس سے بالاتر تھی۔

بولیں : بھائی جو کچھ کرنا ہے بے شک کر گزر، چاہے ہمیں جان سے مار ڈال لیکن اسلام کی محبت تو اب دل سے نہیں نکل سکتی۔

حضرت عمرؓ کو اپنے غصّہ و ہیبت اور اثر و اقتدار پر بڑا غرّہ تھا یہ سمجھ کر آئے تھے کہ ابھی مار مار کر دونوں سے توبہ کرالوں گا اور دوبارہ اپنے دین پر لے آؤں گا مگر یہاں جو غیر متزلزل عزم و استقامت کا مظاہرہ اور وہ بھی اپنی بہن اور ایک کمزور سی عورت کی طرف سے دیکھا تو حیران رہ گئے۔ قلب پر خاص اثر ہوا۔ بہن کے خون آلود کپڑوں پر جو نظر پڑی تو آخر بہن تھی اور بہن بھی ایسی کہ جس سے آپ بے پناہ محبت کرتے تھے اُسی پیاری اور دُلاری بہن کو زخمی حالت میں دیکھ کر بے قرار ہو گئے آنکھوں سے پچھتاوے کے آنسو نکل پڑے۔ مار سے ہاتھ روک لیا اور کچھ دیر تک تو زبان سے کوئی بات ہی نہ کی جا سکی۔

سیاہ قلب نورِ ایمان سے منوّر ہو گیا

آخر بولے : اچھا بہن جو تم پڑھ رہی تھیں وہ مجھے بھی تو دکھاؤ کہ آخر اس میں ایسی کیا چیز ہے جس نے تمھیں اس قدر مسحور کر لیا ہے؟

وہ خاموشی کے ساتھ اُٹھیں اور اجزائے قرآن لا کر سامنے رکھ دیے۔

انھیں اُٹھا کر جو دیکھتے ہیں تو سورہ طٰہٰ کی یہ آیت نظر پڑی :

"سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔"

کلامِ پاک کا ایک ایک حرف قلب کو مرعوب اور ایک ایک لفظ دل کو مسحور

کرتا چلا گیا۔ جب اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ پر پہنچے تو فوراً کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور اُٹھ کر سیدھے دربارِ نبوّت کی طرف چل دیے۔ شمشیرِ برہنہ اب بھی ہاتھ میں تھی۔ کفّار میں سے جس نے بھی دیکھا وُہ خوش ہو گیا کہ بس آج مسلمانوں کے پیغمبر کا قصّہ ہی پاک ہو جائے گا کیوں کہ سب جانتے تھے کہ عمرؓ جس بات کا ارادہ کر لے یا جس کام کا بیڑا اُٹھا لے اسے پُورا کیے بغیر نہیں رہتا۔ اُس وقت کفّار کے ظلم و ستم کا ایک طوفان برپا تھا اور حضُور نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کوہِ صفا کے دامن میں ایک صحابی ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے۔ دروازہ پر پہنچ کر دستک دی۔ ایک صحابی نے دروازے کی درز میں سے جھانک کر دیکھا۔ حضُور نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دریافت کیا کہ کون ہے؟ عرض کیا کہ عمر بن خطّاب ہاتھ میں برہنہ تلوار لیے کھڑا ہے اور تیور بھی کچھ اچھے دکھائی نہیں دیتے۔ صحابہ کرامؓ کو یہ سُن کر فکر دامن گیر ہوئی لیکن حضُور صلّی اللہ علیہ وسلّم تو خود استقلال و شجاعت اور توکّل و اعتماد علی اللہ کا ایک پیکرِ جلیل تھے۔ فرمایا گھبراؤ نہیں اللہ ہم سب کا حافظ و ناصر ہے۔ آپؐ کے شفیق چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے جو بلا کے بہادر اور بے حد شہ زور تھے وُہ بھی شمشیر بکف کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اگر عمر مُخلصانہ آیا ہے تو خیر ورنہ اُسی کی تلوار سے اُس کا سر نہ اُڑا دوں تو حمزہ نام نہیں۔ دروازہ کھول دو۔

دروازہ کھُل گیا۔ حضرت عمرؓ اندر داخل ہو گئے۔ حضُور نبیِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم عجلت سے اُٹھے اور حضرت عمرؓ کو شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے رُعب دار آواز میں فرمایا :

"ابنِ خطاب ! بول کس ارادے سے آیا ہے ؟ کیا مجھے تو قتل کرے گا ؟"

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرجدار اور پُر رُعب آواز میں کچھ ایسا جلال پنہاں تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے بہادر اور نڈر کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ نے کمال عاجزانہ لہجہ میں عرض کیا :

"مَیں تو ایمان لانے کے لیے حاضر ہُوا ہوں مجھے بھی اپنے غلاموں میں شامل کر لیجیے !"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرطِ مسرت سے حضرت عمرؓ کو سینے سے لگا لیا اور پھر اُنھیں دولتِ ایمان سے مالا مال کر دیا۔ صحابہ کرامؓ جوشِ مسرت سے دیوانہ وار چلّا اُٹھے : "نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر" اس پُر جوش آواز سے مکہ کے پہاڑ گونج اُٹھے اور مکان ہائے کفّار کے در و دیوار لرز گئے۔

ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں نے حرمِ پاک میں جا کر علانیہ نماز ادا کی۔ کفّار کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی عبادت اُن کے بُتوں کی توہین تھی۔ پھر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ عاص بن وائل نے حضرت عمرؓ کو فوراً اپنی پناہ میں لے لیا جس سے لوگ خاموش ہو گئے ورنہ اُس روز بھی یقیناً خون کے دریا بہ نکلتے۔ (بخاری)

Marfat.com

کفّار نے گھبرا کر اور یہ سمجھ کر کہ اسلام کا سیلاب تو روز بروز بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور حبش تک میں یہ تحریک پھیل گئی ہے اور ہماری کوئی پیش نہیں گئی تو عتبہ بن ربیع کے ذریعہ ترغیب کا تیز تر ہتھیار استعمال کیا۔ وُہ ہتھیار حسن کا وار مادّی دُنیا میں مادی انسان پو ہمیشہ بھرپُور ہی پڑا ہے عتبہ بن ربیع نے آکر کہا کہ حکومت، سرداری، بڑے گھر لینے میں شادی، زر و دولت جو لینا ہے لے لے مگر تبلیغ سے باز آ۔ جواب میں آپؐ نے چند آیات پڑھ دیں جنھیں سُن کر عتبہ مسحُور ہو کر رہ گیا۔ ترہیب سے ترغیب زیادہ موزُوں ہوتی ہے اور زیادہ خوف ناک بھی۔ اس میں ناکامی دیکھ کر اب اُنھوں نے حضرت ابو طالب کو اُلٹی میٹم دے دیا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھا لو ورنہ ہم اسے قتل کر دیں گے جضرت ابُو طالب نے سمجھانے کی کوشش کی تو آپؐ نے نہایت لاپرواہی سے جواب دیا کہ یہ لوگ تو اگر میرے ایک ہاتھ پر سُورج اور دُوسرے ہاتھ پر چاند بھی آسمان سے لا کر رکھ دیں گے جب بھی مَیں تبلیغ سے باز نہ آؤں گا۔

قید میں تڑپا تڑپا کر مارنے کی سعی

کفّار نے جب دیکھا کہ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) پر تو نہ انتہائی ترغیب اثر کرتی ہے اور نہ انتہائی ترہیب۔ دونوں پیش کشوں کے انتہائی دلیرانہ جواب بھی دے دیے گئے تو اُنھوں نے انتہائی اذیّت کی یہ تدبیر سوچی کہ مقاطعہ د قید کے دوگونہ عذاب میں مُبتلا کر دیا جائے چناں چہ مُعاہدہ مُرتّب ہو گیا کہ ابُو طالب کا تمام خاندان اُس وقت تک

Marfat.com

قید و محصور رہے اور اس تک اناج کا ایک دانہ اور پانی کا ایک قطرہ تک نہ پہنچنے دیا جائے جب تک یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کے لیے رضامندانہ طور پر ہمارے سپرد نہ کر دے۔

چناں چہ پورے تین برس تک آپؐ کو اس قید میں رہنا پڑا جس کی کوئی نظیر دنیا میں موجود نہیں۔ اللہ ہی نے بچا لیا ورنہ کفار نے تو قید ہی میں سڑا کر مار ڈالنے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ انتہا یہ تھی کہ اس قید میں عورتوں کی چھاتیوں کا دودھ تک خشک ہو گیا تھا۔ طلح کے پتوں پر گزر تھی۔ لوگوں نے سوکھا چمڑا تک بھون بھون کر کھایا مگر آفرین ہے کسی نے اف تک نہ کی۔

رحمتِ عالم پر مصائب کا ہجوم

یہ اتنی خوف ناک اور عافیت سوز اذیت تھی جس کے تصور سے ہی جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے مگر آپؐ کی پیشانی پر شکن نہ تھی۔ رہائی کے کچھ ہی روز بعد ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ دونوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا۔ اب تو کوئی اتنا بھی نہ رہا جس کی آنکھوں کا کچھ لحاظ ہو۔ وہ طوفان برپا ہوا۔ وہ حالت برپا ہو گئی کہ کفار نے آپؐ کا گھر سے قدم باہر نکالنا دوبھر کر دیا۔ جدھر جاتے جس طرف سے گزرتے پتھروں، گالیوں، تالیوں اور نت نئی اذیتوں سے تواضع ہوتی۔ ایک گلی میں گئے اوپر سے ٹوکری بھر کر کوڑا آپؐ پر پھینک دیا گیا۔ کسی سڑک پر گئے وہاں کسی نے اوپر کیچڑ ڈال دی۔ کسی کوچے سے گزرے اوپر سے اینٹیں برسنے لگیں۔

Marfat.com

حرم پاک میں نماز پڑھتے ہوئے جو سجدہ میں گئے تو عقبہ بن معیط نے اُونٹ کا غلاظت سے بھرا ہُوا اوجھ لاکر آپؐ کی گردن مُبارک پر رکھ دیا جس کے بار سے آپؐ کا دم گھٹنے لگا۔ جدھر جاتے، جس سڑک پر سے گزرتے، جس بازار میں پہنچتے، جس سے بات کرتے ابُولہب سائے کی طرح پیچھے لگا رہتا، خاک اڑاتا جاتا اور کہتا:

"لوگو! اِس کا اعتبار نہ کرنا یہ مجنوں ہو گیا ہے، پاگل ہے۔ اِس کا دماغ خراب ہے۔"

غرض یہ کہ آپؐ کو اِتنا تنگ کیا گیا۔ اِتنے پریشان ہُوئے کہ آپؐ نے طائف جانے کا عزم کر لیا۔

طائف میں پتھّروں کی بارش

طائف بڑا اور گلزار شہر تھا مگر یہاں کے فراعنہ وجبابرہ نے بات بھی نہ پُوچھی اور کہنے لگے کہ خُدا کو پیغمبری کے لیے ایک تُو ہی رہ گیا تھا جو ملا۔ یہاں کے شہدوں اور غنڈوں نے اپنے رُؤسا کی شہ پاکر آپؐ کے ساتھ انتہائی گھناؤنا سلوک کیا۔ وُہ مظالم اور وُہ ستم کیے کہ آسمان وزمین تھرّا گئے۔ ظالموں کمینوں اور شیطانوں نے آپؐ کے اُوپر اتنے پتھّر برسائے کہ ساقینِ مبارک لہُولہان ہو گئیں۔ پا مبارک پہ ورم آگیا۔ ٹخنوں میں زخم پڑ گئے اور زخموں سے خُون کے فوّارے جاری ہو گئے۔ جب آپؐ تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ بدبخت پھر بازو پکڑ کر آپؐ کو کھڑا کر دیتے اور پھر سنگباری شروع ہو جاتی۔ جب آپؐ کراہتے تو یہ غولِ شیطانی قہقہے لگا دیتا، ہنستا، تالیاں بجاتا۔ گویا یہاں کا حملہ منظّم تھا۔

Marfat.com

سڑک پر غنڈوں اور لفنگوں کی دو رویہ صفیں قائم تھیں۔ پتھر پھینکتے، مارتے، گالیاں دیتے اور مذاق اُڑاتے بڑھے چلے جاتے۔

وطن سے دُور، پرایا شہر، نہ کوئی دوست نہ آشنا، نہ حامی نہ مددگار اور یہ ستم یہ ظلم!

آخر کار آپؐ بہ مشکل ایک باغ تک پہنچے جس کی انگور کی ٹٹیوں کی آڑ میں آپؐ نے پناہ لی۔ باغ کے شریف النفس مالک نے آپؐ کو انگور کا خوشہ بصد ادب پیش کیا اور پھر کچھ دیر دم لے کر آپ نخلہ تشریف لے گئے۔

آپؐ نے طائف میں حد سے زیادہ تکلیف برداشت کی مگر کسی کے لیے بددُعا نہ کی بلکہ برابر دُعا ہی کرتے رہے کہ:

"خداوندِ کریم! تُو انھیں ہدایت دے کہ یہ مجھے جانتے نہیں اور سمجھتے بھی نہیں!"

حالاں کہ آپؐ کی ایک بددُعا ان کی ساری رعونتوں اور ستم آرائیوں کا خاتمہ کر کے ان کے شاندار شہر کو کھنڈروں کا ایک ڈھیر بنا سکتی تھی۔

حضرت بلالؓ پنجۂ ابتلا میں

نخلہ میں پہنچ کر آپؐ نے مکّہ والوں کو لکھا کہ کوئی آپؐ کو اپنی پناہ میں لے لے مگر کوئی آمادہ نہ ہوتا تھا۔ آخر مطعم بن عدی نے وعدہ کر لیا اور آپؐ اُس کے ساتھ مسلّح پہرہ میں مکّہ کے اندر داخل ہوئے لیکن تعذیب و اذیّت کا یہ طوفان تھمنے میں نہ آیا۔ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ ظلم و ستم کی تخصیص نہ تھی بلکہ ان بزرگوں کو جو اسلام لے آئے تھے اور مسلمان ہو گئے

Marfat.com

تھے انھیں بھی اسی شان وقساوت کے ساتھ ستایا جاتا تھا۔ حضرت بلالؓ حبشی النسل تھے اور امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ اُمیہ عین دوپہر کے وقت جب آفتاب خطِ استوا پر ہوتا تھا انھیں بالکل برہنہ کرکے تپتی ہوئی ریت پر چت لٹا دیتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا کرتا تھا جس سے عاشقِ رسولؐ حرکت بھی نہ کر سکتا تھا۔ اُمیہ کہتا کہ اگر تو نے اسلام سے مُنہ نہ موڑا تو اسی طرح سخت عذاب میں مُبتلا کرکے ماروں گا۔ جس وقت بھاری پتھر کی سِل سینہ مبارک پر رکھی جاتی تھی تو اس کے وزن سے آپ کی زبان باہر نکل پڑتی تھی مگر اس پیکرِ شقاوت کو پیکرِ مظلومیت پر ذرا بھی رحم نہ آتا تھا بلکہ آپ برابر اَحَدٌ اَحَدٌ پکارتے رہتے تھے۔

اُس شقی القلب نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس طرح بھی باز آتے نہ دیکھا تو آپ کے گلے میں ایک رسّی باندھ کر آوارہ لونڈوں کے ہاتھوں میں دے دی جو شہر کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک انتہائی بے دردی کے ساتھ آپؓ کو کھینچتے اور گھسیٹتے پھرتے تھے۔ مگر اس حالت میں بھی زبان پر وُہی اَحَد اَحَد کی رٹ تھی۔

حضرت صہیبؓ اور ابوفکیہہؓ پر جبلّادانہ مظالم

حضرت بلالؓ کے ساتھ حضرت ابوفکیہہؓ بھی ایمان لائے تھے جو صفوان بن اُمیہ کے غلام تھے۔ اس نے بھی ابوفکیہہؓ کے پاؤں میں رسّی بندھوا کر آپ کو تمام شہر میں گھسیٹوایا اور جلتی ہوئی ریت پر لٹوایا۔ راستہ میں ایک گبریلا جا رہا تھا جسے دیکھ کر صفوان کہنے لگا:

"تیرا اللہ ہی تو نہیں ؟"

حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا اور تیرا دونوں کا خدا وحدہٗ لا شریک ہے۔

یہ بدبخت اس بات پر اس قدر برافروختہ ہوا کہ پوری طاقت کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے آپ کا گلا دبا دیا۔ آپ کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکلنے لگیں۔ لوگ سمجھے کہ بس اب ابو فکیہہؓ مر جائے گا۔ تب گھبرا کر ظالم نے گلا چھوڑ دیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ صفوان بن اُمیّہ نے حضرت ابو فکیہہؓ کو جلتی اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر آپ کی چھاتی پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیا کہ آپ کی زبان باہر نکل پڑی۔ (ابن سعد)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کنیز کا نام لبیبہؓ تھا جو مسلمان ہو گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ انھیں اس شدت سے اور اتنی دیر تک مارتے رہتے کہ تھک کر چُور ہو جاتے اور جب ذرا دم لینے کو رُکتے تو کہتے "لبیبہ! یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ میں ذرا تھک گیا ہوں۔ دم لے لوں پھر تیری خبر لوں گا۔"

وہ بے کس و مظلوم یہی کہتی کہ عمرؓ یاد رکھو! اگر تم اسلام قبول نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر کیے گئے مظالم کا ضرور تم سے انتقام لے گا۔"

حضرت صہیبؓ بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ان کو ان کا آقا اتنی شدید تکلیفیں دیتا تھا کہ آپ کے حواس جاتے رہتے، بے ہوش ہو کر گر پڑتے اور عقل ٹھکانے نہ رہتی۔

ظالم قریش کے جہنمی کارنامے

حضرت عمار بن یاسر سابق الایمان مسلمانوں میں سے ہیں۔ اسلام لانے والوں میں آپ کا درجہ چوتھا ہے۔ آپ کی والدہ حضرت سمیہؓ اور والد حضرت یاسرؓ دونوں مسلمان ہوگئے تھے۔ قریش نے ان بے کسوں پر وہ قصابانہ مظالم ڈھائے اور انھیں اس قدر ستایا کہ ان سزاؤں کے تصور ہی سے جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔ آپ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تو ابوجہل نے برچھا مار کر ٹھنڈا کر دیا۔ آپ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کفار کے ہولناک مظالم کا شکار ہو کر راہیٔ ملکِ بقا ہوگئے۔ رہ گئے حضرت عمارؓ تو کفار انھیں گرم بالو پر ننگا کر کے لٹا دیا کرتے اور گوناگوں عذاب دیتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ قریش انھیں بڑی بے دردی سے زدوکوب کرتے اور اس بے رحمی کے ساتھ مارتے کہ آپ بے ہوش ہو ہو جاتے۔ اذیتوں کی کوئی صورت ایسی نہ تھی کہ آپ کو اس سے دوچار نہ ہونا پڑا ہو۔

حضرت نہدیہؓ اور حضرت ام عبیسؓ بھی وہ مظلوم کنیزیں تھیں کہ جو شبانہ روز مظالم و آلام کا شکار بنی رہتی تھیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کا پہلا کارنامۂ جلیلہ ہے کہ آپ نے نہ صرف حضرت بلالؓ کو بلکہ حضرت لبینہؓ، حضرت زنیرہؓ، حضرت نہدیہؓ، حضرت ام عبیسؓ اور حضرت عامر بن فہیرہؓ کو گراں قیمتوں پر خرید خرید کر آزاد کیا۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضرت عمر فاروقؓ کے خاندان ہی کی ایک کنیز تھیں جنھیں جرمِ توحید پر حضرت عمرؓ انتہا سے بھی زیادہ ستاتے،

مارتے اور اذیت دیتے رہتے تھے۔ یہ غلام اور بے کس کنیزیں تھیں جن کا کوئی حامی اور کوئی مددگار نہ تھا۔ یہ نفوس ہر وقت مبتلائے عذاب رہتے تھے۔ ان کے آلام و مصائب کا خاتمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فیاضانہ خرید پر ہوا۔

معزز و مقتدر مسلمانوں کی تعذیب

یہ تو پھر بھی بے کس اور مظلوم کنیزیں تھیں اور غلام تھے ظالم ان پر جو کچھ بھی ظلم ڈھاتے وہ کم تھا لیکن ان اشقیا کی چیرہ دستیوں سے تو وہ لوگ بھی محفوظ نہ تھے جن کے پشت پناہ ان کے قبائل تھے اور جن کے پاس زور اور زر سب کچھ تھا اور پھر یہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہونے والے محفوظ رہ بھی کس طرح سکتے تھے جب کہ قریش کا ہر فرد اس وقت اپنی جگہ فرعون و نمرود بنا ہوا تھا۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانچویں مسلمان تھے۔ مقتدر بزرگ تھے جب اسلام قبول کیا تو اُن کے ظالم چچا نے اُن پر ظلم و ستم کی قیامت برپا کر دی جس کی ایک ادنیٰ صورت یہ تھی کہ وہ انھیں چٹائی میں لپیٹ کر اور خوب اچھی طرح سے دبا کر، تاکہ ہاتھ پاؤں نہ مار سکیں اُن کی ناک میں دھواں پہنچایا کرتا تھا جس سے آپ کو انتہائی تکلیف ہوتی۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ایک کہن سال اور صاحب جاہ و ثروت بزرگ تھے۔ اُن کے چچا نے بھی انھیں مارا اور رسّی سے باندھ کر مارا، اور بدبخت کو اُن کے بڑھاپے کی بھی لاج نہ آئی۔ کوئی اذیت اور کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو انھیں نہ پہنچائی گئی ہو۔ (طبقات ابن سعد)

Marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنہوں نے ایران و عراق کو فتح کر کے اپنی سطوت جبروت کا دُنیا بھر میں سکّہ قائم کر دیا تھا اور یہ اُس وقت بھی صاحبِ اعزاز و اقتدار تھے جب اِنھوں نے اسلام قبول کیا تھا لیکن اِس کے باوجود بنو سعد نے اِنھیں شدید اذیّتیں اور تکلیفیں پہنچائیں۔ (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچیرے بھائی جو آپ کے بہنوئی بھی تھے جب اِسلام قبول کر چکے اور حضرت عمرؓ کو معلوم ہُوا تو اُن کے گھر جا کر انھیں اِس قدر پیٹا کہ لہولہان کر دیا۔ بہن چھڑانے کے لیے درمیان میں آئیں تو انھیں بھی مار مار کر زخمی کر دیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مُنہ پر اِس لیے طمانچے مارے گئے کہ وُہ سُورۂ رحمٰن کی تلاوت کر رہے تھے۔ خُود حضرت ابُوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے پاکیزہ اخلاق، نیک سیرت اور نہایت دولت مند بزرگ کو ہجرت کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہونا پڑا۔ (بخاری)

دہکتے انگاروں پر لِٹا دیا

حضرت خباب بن الارت تمیمی اُمِّ نمار کے غلام تھے۔ اِسلام قبول کرنے والوں میں اِن کا آٹھواں نمبر ہے۔ مُسلمان ہونے پر ہجومِ مظالم کی انتہا یہ تھی کہ ایک دفعہ بُہت سے کوئلے دہکائے گئے اور پھر ان دہکتے ہُوئے کوئلوں پر انھیں چِت لِٹا دیا اس پر یہ قصّابی و قساوت کہ ایک تنومند آدمی سینہ پر دونوں پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا تاکہ پہلو نہ بدل سکیں۔ کوئلے پُشت ہی کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے۔

ذرا غور کرو اُن جاں سوز اور حوصلہ بر انداز مظالم کا حریف بننا تو ایک طرف

Marfat.com

کوئی سکونِ قلب سے تصور بھی کر سکتا ہے؟ دو ڈیڑھ ہی برس کے بعد تراسی مسلمان مجبور ہو کر اور مکہ کی سرزمین کو اپنے لیے گرم پا کر حبش کو ہجرت کر گئے۔ ان آفات و مصائب کے ہجوم میں بھی کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جس نے اسلام سے انحراف کیا ہو۔ جب ہی تو گاڈفری ہیگنیس نے لکھا ہے کہ :

"عیسائی اسے یاد رکھیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے پیروؤں میں دین کی وہ سرشاری پیدا کر دی جس کی کوئی نظیر حضرت عیسے (علیہ السلام) کے پیروؤں میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتی۔ جب مؤخر الذکر کو سولی دینے کے لیے لے چلے تو اُن کے پیروؤں کا سارا نشۂ دینی کافور ہو گیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور انھیں (حضرت عیسے علیہ السلام کو) تنہا چھوڑ گئے۔ بخلاف ازیں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروؤں نے اُن کی حفاظت میں خود کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنی جانیں نثار کر کے انھیں دشمنوں پر غالب کر دیا"!

مکہ کے نیک دل اور خاموش کفار

تین برس تک خفیہ تبلیغ رہی۔ پانچویں سال (۵ نبوی) میں سیلابِ اذیت سے تراسی فرزندانِ توحید حبش کو ہجرت کر گئے۔ حبش کی سعی اور مکہ کے مظالم کی ناکامی نے انھیں ترغیب ہی پر آمادہ کر دیا۔ مایوس ہو کر قتل کی دھمکی دی۔ ۷ نبوی میں تین برس تک قید و محصور کر دیا۔ ۱۰ نبوی میں انتہائی ظلم سے مجبور ہو کر مطعم کی پناہ اور تلواروں کے حصار میں مکہ آئے۔ مکہ میں حالات نازک

نازک تھے تو آپؐ نے قبائل میں دورے شروع کر دیے مگر جب بھی آپؐ مکہ میں آتے تو بری طرح ستائے جاتے۔ یہ دو تین برس شدید مصائب و آلام میں گزرے۔ گلے میں چادروں اور رسیوں کے پھندے ڈال ڈال کر زور و شدت سے کھینچا گیا۔ مکہ میں عتبہ بن ربیع اور عاص بن وائل تو وہ رؤسا و اُمرا تھے جو اگرچہ اپنی آبائی و اجدادی مراسم کی تحقیر اور اپنے معبودانِ باطل کی عظمت مٹتی جانے سے بہت پریشان تھے کڑھتے تھے مگر کچھ اقدام نہ کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ چند سودائیوں نے یہ شور مچا رکھا ہے۔ عتبہ بن ربیع وہی ہے جو قریش کا ترغیبی پیغام لے کر گیا تھا اور آپؐ کی زبان مبارک سے آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ سن کر مبہوت رہ گیا تھا اور واپس جا کر اس نے قریش کو نہایت مخلصانہ رائے دی تھی کہ تم انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو یہ سمجھ کر کہ اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آ گئے تو اس میں تمھاری ہی عزت ہے ورنہ عرب خود انھیں فنا کر کے رکھ دیں گے۔ مگر کسی نے بھی عتبہ بن ربیع کے مشورے پر کان نہ دھرا بلکہ ظلم و تعذیب کا سلسلہ دگنی قوت کے ساتھ شروع کر دیا تھا۔ عاص بن وائل وہ جری شخص ہے جس نے حرم میں نماز ادا کرنے کی وجہ سے ہنگامہ ہو جانے پر حضرت عمرؓ کو اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔

زمعہ اور مطعم بھی نیک دل اور شریف النفس لوگ تھے۔

مکہ کے شیطانی درندے

لیکن ابولہب، ابوجہل، ابوسفیان، حکم بن العاص، اسود بن عبد یغوث، اُمیہ بن خلف، نضر بن حارث، منبہ بن حجاج، عقبہ بن معیط اور ولید بن مغیرہ رؤسا

کے علاوہ حارث بن قیس، ابُوقیس بن فاکہ بن المغیرہ، زبیر بن ابُوامیہ، سائب بن عبدالاسد، عاص بن سعید، سعید بن العاص، عاص بن ہاشم اور عدی بن حمرا، یہ سب حضرات آپؐ کی تعذیب و اذیت میں بے حد سرگرم تھے۔

رات دن آپؐ کو ستاتے اور گوناگوں عذاب دیتے رہتے تھے۔ ابُولہب تو سائے کی طرح پیچھے ہی لگا رہتا تھا۔ کوئی گھناؤنے سے گھناؤنا اور ہولناک سے ہولناک شقاوت ایسی نہ رہ گئی تھی جس کی آماج گاہ اُنھوں نے آپؐ کو نہ بنایا ہو۔ ہر روز نئی سوچتے اور نئی شیطنت سے کام لیتے تھے۔ آپؐ سب کچھ سہتے مگر اپنے کام میں سرگرمی کے ساتھ مصروف رہتے اور برابر کہتے رہتے کہ:

"دیکھو ایمان لے آؤ! ظُلم و تعدّی سے باز آجاؤ۔ یہ سیلابِ اسلام ہے جو تمھارے روکے ہرگز نہ رُکے گا۔ یہ اللہ کا دین ہے اور پھیل کر ہی رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ!"

آپؐ اپنے ستانے والوں کو بددُعا کے بجائے دُعائیں ہی دیتے رہتے۔ ایک روز حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، جنھیں دہکتے انگاروں پر لٹا دیا گیا تھا عرض کی کہ:

"آپؐ پر اور ہم پر کفّار کی طرف سے اتنے قصّابانہ مظالم ہو رہے ہیں۔ قہر کی بجلیاں تڑپ رہی ہیں۔ آپؐ اِن کے لیے بددُعا کیوں نہیں فرماتے؟"

یہ سُنتے ہی آپؐ کا چہرہ غُصّہ سے سُرخ ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"تم سے پہلے وُہ لوگ گزرے ہیں جن کے سَروں پہ آرے چلائے

Marfat.com

جلاتے تھے۔ چیر ڈالے جاتے تھے پھر بھی وہ اپنے فرض کی ادائیگی سے باز نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر کے رہے گا تا آں کہ ایک شتر سوار صنعا سے حضرموت تک کا سفر کرے گا اور اسے راہ میں خدا کے سوا اور کسی کا خوف نہ ہوگا۔" (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہانے کی خوفناک سازش

کفار نے یہ دیکھ کر کہ ہمارے انتہائی مظالم سب بے اثر رہے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان بھی اپنی راہ سے نہیں ہٹتا اسلام کا استیصال ہونا درکنار اس نور کی شعاعیں تو مکہ سے نکل کر حبش کیا مدینہ میں بھی پوری قوت و صولت کے ساتھ جگمگانے لگی ہیں تو ایک بہت بڑا اجتماع ہوا جس میں عتبہ، ابوسفیان، زبیر بن مطعم، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ، ابولہب، ابوجہل غرض ہر قبیلہ اور ہر خاندان کے مقتدر و با اثر اشخاص شامل تھے سب نے پُر زور تقریریں کیں۔ مختلف آرائیں ہوئیں مگر آخر ابوجہل کی اس تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ تمام قبائل کا ایک ایک شخص منتخب ہو کر اور پھر یہ سب مل کر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیں تاکہ ان کا خون تمام قبائل پر منقسم ہو جائے۔

دوسرے روز سپیدۂ سحر طلوع ہونے سے پیشتر ہی کاشانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کر لیا گیا اور کفار تاک میں رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر نکلتے ہی ان کا خاتمہ کر دیں کہ گھر میں گھسنا تو عرب میں معیوب تھا لیکن

Marfat.com

جسے خدا بچائے اُسے مار کون سکتا ہے۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے مُطّلع کر دیا اور آپؐ حکمِ ربّی سے نکل کر مدینہ پہنچ گئے۔ تعاقب ہُوا مگر بے سُود۔

قریش و یہود کی مشترکہ بلاخیزیاں

مدینہ میں بھی ان لوگوں نے چین نہ لینے دیا اور اب باضابطہ جنگوں کا سلسلہ جاری ہوگیا مگر اللہ کی قدرت دیکھیے کہ پہلے ہی معرکہ میں وہ رؤسائے قریش جو اپنے اپنے قبائل کے سردار سپہ سالار اور دلیری و جرأت میں شہرہ آفاق تھے۔ اُمیّہ بن خلف، عاص بن ہشام، عتبہ بن ربیع، ولید بن مغیرہ منبہؔ، شیبہ، ابوجہل، عقبہ اور نضر سب کے سب کھیت رہے۔ انتہا یہ تھی، کہ جنگِ احزاب میں تمام عرب اور عرب کے سارے بڑے اور زبردست قبائل ٹوٹ پڑے۔ آخر فتحِ مکّہ نے قریش کی اکڑی گردنوں کو آپؐ کے سامنے خم کر دیا اور قریش کی قوّت پاش پاش ہو کر رہ گئی لیکن ذرا یہ کرم دیکھیے کہ آپؐ نے تمام جبّارانِ قریش کو مُعاف کر دیا اور ایک قطرۂ خوں بھی نہ بہایا۔ اس کے بعد طائف کے اشقیا و فراعنہ کی قوّت بھی فنا کر دی گئی۔ مدینہ میں یہود بھی قریش کا خوفناک لباس پہن کر میدانِ عمل میں آکُودے۔ یہ بہت دَولت مند بھی تھے اور بہادر بھی۔ ان کے ہاتھ میں تجارت بھی تھی اور ان کا دماغ بھی بہت کام کرتا تھا۔ یہ سازشوں میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ قریش زبان کے پکّے تھے سامنے آکر تو لڑتے تھے لیکن یہود کو نہ تو زبان کا پاس تھا اور نہ کسی مُعاہدہ کا۔ قریش کے بعد انھوں نے شرارتوں اور سازشوں کا ایک طوفان برپا کر دیا اور خم ٹھونک کر میدان میں آگئے۔ یہ حالت تھی کہ حضور نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پہرے میں

سوتے تھے۔ ہر وقت ان سازشیوں اور مکار فریبیوں کی سازشوں کے شکار ہو جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ تمام صحابہ کرامؓ بھی ہر وقت مسلح رہتے تھے آخر خیبر میں ان ظالموں کی طاقت بھی توڑ دی گئی۔

مینارِ ہدایت کی استقامت

قریش و یہود کی قوتوں کے ٹوٹنے کے بعد میدان صاف ہو گیا۔ اب آپ سوچیں کہ رسولِ امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ اظہارِ نبوت کے بعد کیسے کیسے ہولناک اور زہرہ گداز مظالم و مصائب کے ہجوم میں گھری رہی اور اس مدت میں حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے فوق العادت استقلال و ثباتِ قدم کا مظاہرہ فرمایا۔

قریش و یہود کی انفرادی و اجتماعی اور ان کی مشترکہ طاقتیں سیلاب بن بن کر امڈیں۔ عرب کی تمام شیطانی قوتیں اپنے ابلیسانہ غرور و تکبر کے ساتھ اور اپنی تمام ہولناکیوں عریانیوں اور قصابیوں کو لیے بڑھے بڑھتی رہیں سفاکی و ظلم و ستم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

ترغیب و ترہیب کی تمام قساوتیں اور تمام ترہلاکتیں اپنا سر اس چٹان سے ٹکرا ٹکرا کر رہ گئیں۔

- گرم بالوؤں پر لٹایا گیا۔
- گلے میں رسیاں باندھ کر سڑکوں اور گلی کوچوں میں گھسیٹا گیا۔
- دہکتے انگاروں پہ ڈالا گیا۔
- بوریوں میں بند کر کے ناک میں دھوئیں پہنچائے گئے۔

Marfat.com

* گلوئے مبارک پر اونٹ کا اوجھ رکھ دیا گیا۔
* بے شمار پتھر برسائے گئے۔
* پورے تین برس آب و دانہ بند کر کے قید میں رکھا گیا۔
* بہلایا گیا۔
* پھسلایا گیا۔
* ستایا گیا۔
* آزار دیے گئے۔
* ترغیب و ترہیب سے کام لیا گیا۔
* بڑے بڑے توبہ شکن و استقلال سوز لالچ دیے گئے۔

غرض جو کچھ ایک انسانی قوت کر سکتی تھی کیا گیا مگر نبوت کی چٹان بحرِ ظلم کے صد ہزار تموّج میں بھی نہ ہلی۔

ہمارا آقا کائنات کا سردار صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ایک مینارِ ہدایت اور ایک چٹان بنا ہوا کھڑا رہا۔ سرد و گرم موجیں آئیں اور سر ٹکرا کر نکلتی چلی گئیں۔ سبحان اللہ العلی العظیم ؕ

مسلمانو!

یہ تھا تمہارا آقا، تمہارا رسول، تمہارا پیغمبر۔

کاش تم سمجھو، اور آپ کے نقشِ قدم پر چل کر کچھ حاصل کرو!

Marfat.com

مدینہ کا چاند

آفتابِ اسلام کی پہلی شعاع

خزرج سے شکست کھا کر اوس قریش کو اپنا حلیف بنانے کے لیے پہلی مرتبہ مکہ جو آئے تو آپؐ نے اُن کے سامنے قرآن حکیم کی چند آیات پڑھیں جنھیں سن کر اُن کا نمایندہ ایاس بولا :

"خدا کی قسم ہم یہاں جس کام کے لیے آئے ہیں یہ کام اُس سے کہیں بہتر ہے !"

لیکن قافلہ سالار خلیل نے کنکریاں اُٹھا کر ایاس کے مُنہ پہ دے ماریں اور کہا کہ ہم یہاں اِس کام کے لیے نہیں آئے۔

ایاس کا انتقال ہجرت سے پہلے ہی ہو گیا۔ مرتے وقت اُس کی زبان پر کلمہ جاری تھا۔

کچھ مدّت میں خزرج کے متعدد قبائل حج کے لیے مکہ آئے۔ یہ زمانہ ۱۱ سنہ نبوت کا تھا۔ شعبِ ابی طالب سے باہر آئے ہی تھے۔ آپؐ ان خزرجی قبائل کے پاس پہنچے اور قرآنی آیات سنا کر انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ خوش قسمت تھے سنتے ہی متأثر ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے :

Marfat.com

"جلدی کرو کہیں یہود ہم سے بازی نہ لے جائیں"۔

چُناں چہ چھ اشخاص جابرؓ، رافعؓ، قطبہؓ، عوفؓ، اسدؓ اور ابو الہیثمؓ اسی صحبت میں مسلمان ہو گئے۔ اگلے سال مدینہ کے بارہ اور اشخاص نے اسلام قبول کر لیا۔ اس سال آپؐ نے حضرت مصعبؓ بن عُمیر کو اُن کی تعلیم کے لیے ساتھ کر دیا۔ جنہوں نے حضرت اسدؓ کے ہاں قیام کیا جو مدینہ کے ایک معزز رئیس تھے۔ ان لوگوں کو تعلیم دینے کے علاوہ حضرت مصعبؓ بن عُمیر اب مدینہ کے محلّوں اور گلی کوچوں کا دورہ کر کے تبلیغ کرنے لگے اور اس طرح تبلیغ سے متاثر ہو کر روزانہ ایک ایک دو دو مسلمان ہوتے چلے گئے۔

قبیلہ اوس میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ذی اثر و با اقتدار رئیس تھے۔ حضرت مصعبؓ بن عُمیر تبلیغِ اسلام کی غرض سے اُن کے پاس پہنچے تو پہلے تو انھوں نے نہایت تلخ جواب دیا مگر پھر قرآنی آیات سُن کر یہ بھی موم ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ان کے اسلام لاتے ہی ان کا پورے کا پورا قبیلہ بھی اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اب طبقات ابنِ سعد کی روایت کے مطابق قبائل خطمہؔ، وائلؔ اور واقفؔ اور یہود کے سوا مدینہ کا گھر گھر مسلمان اور اسلام کا شیدائی بنا ہوا تھا۔

ہجرت کا ربّانی حکم

تیسرے سال مدینہ سے آئے ہوئے بہتّر آدمیوں نے خفیہ طور پر عقبہ میں بیعت کی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا حضرت عباسؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے اور یہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے لیکن حضور نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بے پناہ محبت

دیکھتے تھے۔ جب ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو مدینہ چلنے کے لیے عرض کیا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا

"محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اپنے خاندان کے ایک محترم و معزز فرزند ہیں۔ ہم دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیشہ ان کے لیے سینہ سپر رہے ہیں لہٰذا اگر تم آخر وقت تک اِن کا ساتھ دے سکتے ہو تو انھیں لے جاؤ ورنہ ابھی اور اسی وقت صاف صاف جواب دے دو"!

ابوالہیثم بولے کہ "ہمارے اور یہود کے تعلقات اس بیعت کے بعد یقیناً اور خود بخود منقطع ہو جائیں گے۔ ہمیں ڈر ہے ایسا نہ ہو کہ آپ اقتدار حاصل کر کے مدینہ چھوڑ کر مکّہ واپس لوٹ آئیں"۔

حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میرا اور تمھارا خون ایک ہے۔

چناں چہ سب نے قتلِ اولاد، چوری، شرک اور زنا نہ کرنے پر بیعت کرلی۔ آخری چیز یہ تھی کہ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جو حکم فرمائیں گے اُسی پر فوراً عمل کریں گے۔

حضور نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ عزّ و جلّ کی طرف سے ہجرت کا حکم تو پہلے ہی موصول ہو چکا تھا اور تین روز سے اندر ہی اندر تیاریاں بھی ہو رہی تھیں۔ ایک تیز رفتار اونٹنی اِس مقصد کے لیے علیحدہ رکھ دی گئی تھی۔ کفّار گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے مگر انھیں قدرتی طور پر اُس وقت نیند آ گئی جب آپ باہر تشریف لا رہے تھے۔ آپ گھر سے نکل کر بیت اللہ شریف کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے اور نم ناک آنکھوں سے فرمانے لگے کہ:

"اے مکہ! تو مجھے دنیا بھر سے زیادہ عزیز ہے مگر میں مجبور ہوں کہ تیرے عزیز مجھے یہاں نہیں رہنے دیتے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جائے مقررہ پر موجود تھے۔ دونوں عازمِ مدینہ ہوگئے اور تعاقب کے اندیشہ سے غارِ ثور میں چھپ گئے۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو تو غار ہی میں سو رہتے اور صبح مکہ جاکر تمام لوٹ آتے اور کفار کے مشوروں سے آگاہ کر دیتے۔ حضرت ابوبکر کا غلام بکریوں کا دودھ دوھ کر لے آتا۔ تین روز تک اسی دودھ پر گزر رہی۔ قریش کا تعاقب جاری تھا۔ یہاں تک کہ چند لوگ تعاقب کرتے کرتے غارِ ثور کے دہانے تک آپہنچے۔ جان کا خطرہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب تو دشمن ہمارے اتنا قریب ہے کہ ذرا سا جھک کر دیکھے تو ہمیں پکڑ لے۔"

یہ سن کر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلفانہ شان سے فرماتے ہیں:

"لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا"

یعنی: "گھبراؤ نہیں! اللہ تعالیٰ یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔"

اس استقلال و استقامت کو دیکھ کر بڑے بڑے غیر مسلم فضلاء تو حیران ہیں ہی لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگے۔ قریش اس طرح سے ان کے چنگل بہیمیت سے نکل جانے پر انگاروں میں لوٹنے لگے۔ کفار نے منادی کرادی کہ جو شخص آپ کو گرفتار کرکے لائے گا اس کو ایکسو ۱۰۰ اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔

Marfat.com

سراقہ نکلے۔ قریب پہنچنا چاہتے تھے کہ گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا۔ سراقہ موم تھے۔ فرمانِ امن لے کر چپ چاپ گھر جا بیٹھے۔ حضرت عمرؓ نے کسریٰ کے زیورات اسی سراقہ کو پہنا کر نیرنگیٔ عالم کا تماشا دکھایا تھا۔

مدینہ منورہ میں فقید المثال استقبال

ادھر تو آپ قطع مراحل کرتے ہوئے چلے جا رہے تھے اور ادھر قریش نعل در آتش بنے ہوئے تھے۔ ادھر مدینہ پورے کا پورا ایک چشمِ انتظار بنا ہوا تھا۔ لوگ روزانہ شہر کے باہر آتے اور کافی دیر تک انتظار کرنے کے بعد اشتیاق و ارمان کی ایک دنیا سینے میں دبائے ہوئے واپس چلے جاتے۔ آخر ایک روز قلعہ کی بلندیوں سے کسی یہودی نے دیکھ لیا اور بہ آواز بلند کہا:

"عرب والو ! لو وہ آ گیا جس کا تمہیں انتظار تھا"

اس صدائے روح پرور کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ تمام شہر تکبیر کے نعروں سے گونجنے لگا جو جہاں تھا وہیں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مسلمان اپنے مکانوں سے بے تابانہ نکلے اور دوڑ اٹھے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر قبا میں فروکش ہوئے۔ یہاں ایک مسجد تعمیر کی اور پھر چودہ روز کے بعد کوکبۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خراماں خراماں مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ دنیا نے تاج دارانِ عظام کے جلوس بھی دیکھے اور فرماں روایانِ عالم کے بھی کہ ایک ہنگامۂ ہا و ہو اور ایک تماشا ضرور ہوتا ہے لیکن قبا سے حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کیا تھی ! کوکبۂ نبوی علیہ السلام کا جلوس اپنی نوعیت میں ایک ایسا

شرف یکتائی رکھتا ہے جس کی مثال عرب تو کیا دنیا بھی آج تک پیش نہ کر سکی اور نہ کر سکتی ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیریں منزل آپؐ کے لیے خالی کر دی۔ دونوں وقت اوپر سے کھانا آجاتا اس میں سے جو بچ رہتا یہ دونوں میاں بیوی کھا لیتے۔ ذرا یہ عقیدت اور جوش راحت رسانی ملاحظہ فرمائیے کہ گھر میں ایک ہی لحاف ہے۔ گھڑا ٹوٹتا ہے تکلیف کے خیال سے سب پانی اپنے لحاف میں جذب کر لیتے ہیں۔ آپؐ سات ماہ تک اسی مکان میں قیام گزیں رہے۔

مسجد نبویؐ اور ازواج مطہراتؓ کے حجرے

اس دوران میں چوں کہ نماز مویشی خانے میں پڑھنا پڑھتی تھی اس لیے آپؐ نے سب سے پہلے بنی نجار کے دو یتیموں سے ایک قطعہ اراضی خرید کر جس کی قیمت حضرت ابو ایوب انصاریؓ ہی نے ادا کی، ایک مسجد تعمیر کی جو خام دیوار دن خام فرش اور کھجور کے پتوں کی ایک چھت پر مشتمل تھی۔ بارش سے کیچڑ ہو جایا کرتی تھی اس لیے بعد کو سنگریزوں کا فرش کرا دیا گیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کی تعمیر میں کام کرتے تھے مسجد کے ایک گوشے میں اصحاب صفہ کے لیے ایک مسقف چبوترہ تھا غریب نادار مسلمان اسی میں گزر کرتے تھے۔

مسجد کی تعمیر کے فوراً ہی بعد ازواج مطہراتؓ کے لیے دو حجرے بھی تعمیر کرائے گئے اس لیے کہ اس وقت صرف حضرت بی بی سودہؓ اور حضرت

Marfat.com

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی حرم کی زینت تھیں بعد کو جوں جوں ازواج مطہرات کی تعداد بڑھتی گئی حجرے بنتے چلے گئے۔ یہ تمام حجرے بھی خام اینٹوں اور کھجور کے چھپروں کے بنے ہوئے تھے۔ (ابن سعد)

حجروں کے دروازوں پر کمبل کے پردے لٹکے ہوتے تھے۔ حجروں میں رات کو چراغ نہیں جلتا تھا۔ یہ حجرے مسجد نبوی کے برابر ہی تھے۔ یہ دس دس ہاتھ طویل اور سات سات ہاتھ عریض بالمقابل بنے ہوئے تھے۔ آپ کے ہمسائے سعد بن معاذؓ سعد بن عبادہؓ ابو ایوب انصاریؓ اور عمارہ بن حزمؓ دولت مند اور رئیس واقع ہوئے تھے۔ بکریوں کا دودھ ان کے یہاں سے آجاتا تھا اور اسی دودھ پر آپ کی گزر تھی۔ کبھی کبھی سالن بھی آجاتا تھا۔

مؤاخاۃ انصار و مہاجرین

اللہ اللہ! یہ انصار و مہاجرین انسان و ملائک یا خدا جانے کیا تھے جسے دیکھو بس وہی نور علیٰ نور نظر آتا تھا۔ مہاجرین نے گھر، عیش و آرام عزیز و اقارب اور روپیہ پیسہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا تھا۔ انھیں ضرور یہ فوقیت و فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے خوف ناک سے خوف ناک مظالم سہے اور متواتر و مسلسل سہے۔ اگر یہ قربانی میں فقید المثال تھے تو انصار ایثار میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اس وقت یہ حکم نہ تھا کہ سال بھر کھا پی کر جو کچھ بچے اس میں سے اڑھائی فی صد اللہ کی راہ میں دے دو بلکہ حکم یہ تھا کہ اپنی سادہ ضروریات زندگی پورا کرنے کے بعد جو کچھ باقی رہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دو تاکہ ان رقوم سے دوسرے نادار مسلمانوں کی پرورش و پرداخت کا انتظام کیا جائے

Marfat.com

اگر دہکتے ہوئے انگاروں اور گرم اور تپتے ہوئے بالو پر برہنہ لیٹ کر بھی اَحد اَحد کے نعرے لگاتے رہنا بہت عظیم الشّان کامیابی وعظیم الشّان قربانی اور عظیم الشّان استقامت تھی تو اس کے بعد انصار کا بھی یہ ایثار اور یہ مالی قربانی بہت ہی شاندار قربانی تھی کہ رات دن عیش وراحت میں بسر کرنے والے سادہ غذا کھا کر اور سادہ وکم قیمت لباس پہن کر باقی اپنی تمام آمدنیاں اور تمام دولت مقاصدِ اسلامی کے لیے وقف کر دینا اور پھر ہشاش بشاش بھی رہنا پھر یہ کس قدر حیرت ناک چیز ہے کہ یہ حالت محض چند روز کے بعد ہی پیدا ہو گئی اور صدیوں کے کافر دنوں میں سچے مسلمان بن گئے۔

رشتۂ اُخوّت کا یگانۂ روزگار مظاہرہ

مہاجرین مکّہ سے جن حالات میں نکلے تھے ان حالات میں تو صرف اپنی ایک جان ہی کو صحیح سلامت لے کر نکل آنا مشکل تھا دُوسری کسی چیز کی طرف کوئی کیا نگاہ اُٹھاتا۔ چند ایک کچھ لے بھی آئے ہوں مگر اکثریّت سب کی سب بے سروسامانی کے عالم میں چلی جس کی وجہ سے انصار کے گھر مہمان خانۂ عام بن گئے لیکن رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بہت جلد اس گتھی کو اپنے ناخنِ تدبیر سے کچھ اس خوبی کے ساتھ سُلجھایا کہ آج بھی فضلائے مغرب اس پر غور کرتے ہیں تو دانتوں میں اُنگلی دبا لیتے ہیں۔ مہاجرین کی غیرت بھی اس کی متحمل نہیں تھی مگر فوری طور پر تو کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بالآخر حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مہاجرین وانصار کے مابین

Marfat.com

رشتۂ مواخاۃ قائم کرکے اور اُسے انتہائی پُرکشش بنا کے دُنیا کو ہمیشہ کے لیے غرقِ حیرت کر دیا۔

حضور پُرنور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انصار و مہاجرین دونوں کو جمع کرکے بالمقابل بٹھالیا اور انصار سے فرمایا کہ یہ مہاجرین تمھارے بھائی ہیں۔ پھر دونوں میں سے ایک ایک کو بُلاتے اور ملاتے اور بھائی بناتے گئے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرماتے جاتے :

"آج سے تم دونوں بھائی بھائی ہوگئے ایسے کہ جنھیں دُنیا کی کوئی طاقت کبھی جُدا نہ کرسکے گی۔"

اگر آپ یہ دیکھیں اور غور کریں کہ ان مؤاخاتی بھائیوں میں مُشترک صفات کیا تھیں، تو بے ساختہ منہ سے آفرین نکلے گی۔ گو یہ سب کارروائی نہایت عجلت میں ہُوئی لیکن اِس خوبی و رعنائی کے ساتھ ہُوئی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اِس انتخابِ اخوّت میں ایک دُوسرے کی ذہنیت مزاج اور معاشرت کے جملہ رجحانات کا پُورا پُورا لحاظ رکھا ہُوا نظر آئے گا اور یہ سب کچھ دیکھ کر آپ ششدر و متحیّر رہ جائیں گے۔

یکتائی کا یکتا رنگ

رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم تو یہ رشتۂ اخوّت قائم کرکے یکسُو ہوگئے

انصار اپنے اپنے قابلِ فخر بھائیوں کو ساتھ لے کر گھر پر آئے تو گھر کی ہر چیز شمار کرائی اور ہر شے کا جائزہ دینا شروع کر دیا کہ یہ یہ چیزیں ہیں جن میں سے ہر ایک نصف تمھاری ہے اور نصف ہماری ہے۔

Marfat.com

حضرت سعد بن الربیعؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ دونوں بھائی بھائی بنائے گئے تھے۔ دونوں کے طبائع کی یکسانی اور پھر رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالِ انتخاب پر غور کیجئے۔ حضرت سعدؓ ہر چیز میں نصف حصہ لگا کے فرماتے کیا ہیں؟

"بھائی عبدالرحمٰن میرے دو بیویاں ہیں ان میں سے تم کوئی ایک پسند کرلو، اسی کو طلاق دے کر تمھارے حوالے کر دوں گا"۔

ہے آج دنیا میں یہ ایثار؟

آج نہ سہی، تاریخ میں کہیں اس کی کوئی نظیر و مثال پیش کر سکتے ہو؟ اب مسلمانوں ہی میں وہ چیز نہیں رہی تو تاریخ میں کہاں مل سکتی ہے۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی غیوّرانہ طبیعت کا رنگ دیکھئے کہتے ہیں:

"بھائی! اللہ تعالیٰ تمھاری چیزیں تمھیں مبارک کرے، مجھے تو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے!"

پھر آپ بازار گئے اور کچھ چیزیں خرید کر پھیری کا کام شروع کر دیا اللہ تعالیٰ نے برکت دی۔ چند سال ہی میں لکھ پتی ہو گئے اور تجارت نے اتنی ترقی دی کہ جس روز مدینہ میں ان کے مالِ تجارت کا قافلہ آتا تھا دھوم مچ جاتی تھی۔ مہاجرین تجارت پیشہ تھے اور انصار زراعت و باغبانی میں کمال اہلیت کے حامل تھے۔

Marfat.com

انصار نے باغات بھی نصف نصف تقسیم کر دیئے۔

انتہا یہ تھی کہ!

جب کوئی انصاری مرتا تھا تو اس کا تمام مال اس کے مہاجر بھائی کو ملتا تھا اور مرنے والے کے تمام رشتہ دار محروم رہ جاتے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط (سورۂ انفال)

اب تک تو مندرجہ بالا آیت کے مطابق ہی عمل ہو رہا تھا۔

لیکن!

غزوۂ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو آیت:

اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ط

کے مطابق حکم بدل دیا گیا کہ مرنے والے کے رشتہ دار زیادہ حق دار ہیں جب بنو نضیر کے نخلستان کے متعلق آپ نے انصار سے فرمایا کہ مہاجرین نادار ہیں اگر تم کہو تو میں یہ نخلستان تنہا مہاجرین کو دے دوں؟ تم اپنے نخلستان واپس لے لو۔"

انصار کا ایثار تو پورے زوروں پر تھا فوراً بولے: "حضورؐ! ہم اور مہاجرین دو تو نہیں۔ آپؐ یہ بھی انھیں دے دیجئے اور وہ بھی رہنے دیجئے!"

Marfat.com

مہاجرین کا غیرت مندانہ عمل

رشتۂ اخوت کے قیام کے وقت مہاجرین کی تعداد ۴۵ تھی بعد کو کچھ اور اضافہ ہوتا رہا۔ ان میں سے غیور اور تجارت پیشہ افراد نے بازار میں چھوٹی موٹی دکانیں کھول لیں۔ اللہ نے برکت دی اور ایک مختصر وقفہ مدت ہی میں ان کی تجارتیں فروغ پا گئیں اور رفتہ رفتہ یہودیوں کی ساری تجارت انھی کے ہاتھ میں آ گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک کپڑے کا کارخانہ سیخ کے مقام پر قائم ہو گیا (طبقات) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجوروں کی تجارت کرنے لگے جس نے بڑا فروغ پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تجارت شروع کر دی جس کی شاخیں اُس زمانہ میں ایران تک پھیل گئی تھیں (مسند امام حنبلؒ)

دیگر صحابہ کرامؓ کی تجارت بھی فروغ پانے لگی تھی۔ کچھ بھی نہ تھا مہاجرینؓ انصار کی آزمائش منظور تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس سے کہیں زیادہ دے دیا جتنا کہ کھویا تھا۔

غرض کہ ایک تھوڑی ہی مدت میں مہاجرین اپنے قدموں پر آپ کھڑا ہونے کے قابل ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے مدینہ ہی میں اپنے لیے وسیع اور عظیم الشان مکانات بھی تعمیر کر لیے اور ہر سو لہر بہر ہو گئی۔

یہ تھی مسلمانوں کی باہمی ہمدردی اخوت پاس داری اور اتفاق جس کی بدولت اُنھوں نے پہلے عرب کی تمام معاند قوتوں کی جڑھوں کو زمین کی تہ سے نکال کر پھینک دیا اور اس کے بعد جو اُٹھے ہیں تو قیصر و کسریٰ کے تخت اُلٹ کر رکھ دیے۔

Marfat.com

وُہ اللہ کے بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر حالت میں ان کا ساتھ دیتا تھا۔ انھیں اللہ نے سب کچھ دے رکھا تھا۔ زن و فرزند، مال و دولت۔ کیا چیز تھی جو اُن کے پاس نہ تھی، لیکن ایک اشارہ پر سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ انھیں حقیقی محبت اللہ سے تھی اور وہ اس کے مقابلے میں کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

ہماری یہ حالت ہے کہ ہم زبان سے کچھ ہی کہیں مگر اصلیت یہ ہے کہ ہم ہیں نفس کے بندے۔ کوڑی کوڑی پر دم نکلتا ہے ہمارا۔ حلال کی کسی کو بھی فکر نہیں۔ مال ملے۔ اس کی پرواہ نہیں کہ کیسے ملے۔ نہ ہمدردی ہے نہ اتفاق۔ نہ پاس لحاظ ہے اور نہ اخوّت۔ نام کے بھائی ہیں اور اصل میں دشمن۔

پھر ان آلودگیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کے باوجود اللہ سے کیا شکوہ۔ جو بویا تھا وُہ کاٹ رہے ہیں۔ وُہ مسلمان جن کی اخوّت و ہمدردی اور اتفاق و اتحاد دُنیا بھر کے لیے ایک نمونۂ عمل تھا وہی آج سب سے زیادہ متفرق اور دست و گریبان ہیں۔ جو ناداری اور غریب الوطنی میں بھی تجارت کو نہ بھولے، آج اُن کے نام لیوا تجارت میں بالکل کورے ہیں۔

حقیقت پُوچھیے تو ہم سے تو عرب کے کفّار بھی یک گونہ بہتر تھے کہ وہ زبان کے پکّے، بات کے دھنی، اپنوں کے لیے کٹ مرنے والے اور جو کہہ دیں وُہ کرنے والے تو تھے لیکن ہم میں تو یہ بھی نہیں!

ممتاز سپہ سالار

دنیا میں ابتدا سے جنگ و جدل اور حرب و ضرب کا دستور جاری ہے اور صرف جاری ہی نہیں ہے بلکہ ان مواقع پر قتل و غارت اور سلب و نہب کی جتنی ہولناک مثالیں جس کی طرف سے پیش کی گئی ہیں اتنی ہی اسے عظمت و سطوت حاصل ہوئی ہے۔ جنگ میں دشمنوں کو پوری سنگدلی و قساوت سے ذبح کرنا، ان پر شبخون مارنا، ان پر رسد بند کر دینا، آس پاس کے دیہات و قریات جلا دینا اور فتح و نصرت کے بعد بلا امتیاز زن و مرد جوان و پیر تندرست و علیل اور محارب و غیر محارب عام بات تھی۔ فتح کے بعد رحم و نرمی کا مظاہرہ ایک بڑی کمزوری اور نااہلیت سمجھی جاتی ہے۔ مفتوح شہر زمین کے برابر کر دیے جاتے تھے۔ عمارتوں اور شہروں کو آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ مغلوب قوم کو فاتح کا مذہب قبول کرنے اور اُسے غلام بن کر رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ شریف و رذیل سب کے سب لونڈی غلام بنا لیے جاتے تھے اور جو ضرورت سے زیادہ ہوتے تھے انھیں بلا تکلف تلوار کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ مفتوح شہروں کے خوب صورت مکانوں اور عالی شان عمارتوں کے ساتھ مقدس و متبرک معابد کو بھی بلا دریغ منہدم کر دیا جاتا تھا۔

زمانہ قدیم ہی میں یہ حالت نہ تھی بلکہ آج بھی کم و بیش یہی صورت ہے۔ دشمنوں کو توپوں کے سامنے رکھ لینا، ہوائی جہازوں سے گولے برسانا، دم حبس کر دینے والی زہریلی گیس چھوڑنا، جہازوں کو کھلے سمندروں میں غرق کر دینا آباد شہروں پر دن دن بھر بلا دریغ اور بے تحاشا اژدر دم توپوں سے گولہ باری کرتے رہنا اور قریات و بلاد اجاڑ کے رکھ دینا معمولی بات ہے۔ امریکیوں، جرمنوں، فرانسیسیوں، انگریزوں، اطالویوں، یونانیوں اور بلجیموں سے زیادہ مدعی تہذیب اور مساوات و انسانیت کا علمبردار اور کون ہوگا مگر محاربۂ عظیم میں انسانوں اور بستیوں کی تباہی کے لیے انھوں نے وہ کون سی ایسی وحشت و بربریت تھی جس کا ارتکاب شد و مد سے نہیں کیا۔ بیسویں صدی جو متمدن صدی کہلاتی ہے اس میں کوئی ایک جنگ بھی تو ایسی نہیں بتا سکتے جس میں انتہائی وحشت و بربریت کا اظہار نہ کیا گیا ہو اور شائستگی و تہذیب کے اجارہ داروں نے قتل و غارت اور سلب و نہب میں کوئی باک کیا ہو اور اس میں عصمت دری سفاکی اور تباہی میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھا ہو۔

عرب کی حالت

عرب کے جغرافیائی حالات کچھ ایسے تھے کہ یہاں کے باشندے جنگ و جدل کیے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ ہر قسم کی پیداوار کی قلت تھی۔ خورد و نوش و پوشش کا سامان قدرتی طور پر صرف بھیڑ بکریاں اور اونٹ تھے۔ انھی کے دودھ اور گوشت پر گزارہ کرنا پڑتا تھا اور انھی کی اون اور انھی کے بالوں کے کمبل

اسیرانِ جنگ سے ظالمانہ سلوک

لڑائیوں کی وُسعت اور عمُومیت نے عربوں میں پُوری قساوت پیدا کر دی تھی۔ جنگ میں اور جنگ کے بعد نہایت وحشیانہ افعال کا ارتکاب کرتے تھے۔

۱- چھوٹے چھوٹے بچّوں اور عورتوں تک کو بھی زندہ نہ چھوڑتے تھے بلکہ زندہ آگ میں جلا دیتے تھے۔

۲- عَمرو بن ہند عرب کا ایک بادشاہ تھا۔ کہیں بنوتمیم نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس نے منّت مانی کہ ایک کے بدلے سَو آدمیوں کو قتل کروں گا۔ اس کی یورش پر بنوتمیم بھاگ کھڑے ہُوئے۔ اتفاقاً ایک بڑھیا رہ گئی تھی جس کا نام حمرا تھا۔ اس ظالم نے اُسے فوراً گرفتار کر کے زندہ آگ میں ڈلوا دیا۔ اسی وقت ایک سوار عمّار نامی اُدھر سے گزرتے ہوئے وہاں ٹھہر گیا۔

بادشاہ نے اُس سے دریافت کیا :

"تُو کیوں آیا ہے ؟"

اس نے جواب دیا :

"مَیں کئی روز سے بھُوکا ہُوں۔ سمجھا کہ کھانا پک رہا ہے اس لیے اِدھر چلا آیا۔"

عَمرو بن ہند نے اِسے بھی اُسی آگ میں جھُونکوا دیا۔ وحشت و

اور کپڑے اوڑھتے اور پہنتے تھے۔ یہ جائداد ہر شخص کو میسر نہ تھی۔ پھر یہاں کی آبادی کا غالب حصہ خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا۔ جہاں جب تک چارا اور پانی ملتا رہا وہاں ڈیرے ڈالے پڑے رہے، اور جب یہ ذخیرہ ختم ہو گیا یہ بھی وہاں سے اٹھے۔ بوریا بستر سمیٹا اور آگے چل دیے۔ یہ قبائل برابر اسی طرح گھومتے اور ایک دوسرے پر ڈاکے ڈالتے رہتے تھے۔ لُوٹ میں ہر چیز مل جاتی تھی مگر غالب حصہ بس یہی اُونٹ اور بکریاں ہوتا تھا۔ چناں چہ یہ حرکات ضروریاتِ معاش کے لیے کی جاتی تھیں اس لیے عرب میں چوری قتل و رہزنی اور جنگ معمولی بات تھی۔ ایک ایک قتل کے خوں بہا کے لیے سالہا سال تک کا سلسلہ شروع رہتا تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر لڑائیاں چھڑ جاتی تھیں۔ اور باہم دگر لُوٹ کھسوٹ کے مواقع ملتے رہتے تھے اس لیے لُوٹ کے مال کو بھی ایک قسم کا تقدس حاصل ہو گیا تھا اور چوری وقتل جیسے جرائم کو تو جرائم ہی نہ سمجھا جاتا تھا۔ پھر جرائم سمجھے بھی تو کون؟ کوئی حکومت تو مَوجُود تھی ہی نہیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے خود ہی بدلہ لیتا تھا اس لیے یہ سلسلہ برابر بڑھتا ہی رہتا تھا اور کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ وُہ کسی جُرم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اب یہ باتیں عربوں کی عادت بن چکی تھیں۔ ان کی فطرت میں داخل ہو چکی تھیں اور ان سب کا انسداد بلاشبہ کوہ کنی سے کم نہ تھا۔ عربوں میں یہ عادات کم و بیش اسلام کے بعد بھی کچھ عرصہ تک قائم رہیں۔

Marfat.com

اسیرانِ جنگ سے ظالمانہ سلوک

لڑائیوں کی وسعت اور عمومیت نے عربوں میں پوری قساوت پیدا کر دی تھی۔ جنگ میں اور جنگ کے بعد نہایت وحشیانہ افعال کا ارتکاب کرتے تھے۔

١۔ چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں تک کو بھی زندہ نہ چھوڑتے تھے بلکہ زندہ آگ میں جلا دیتے تھے۔

٢۔ عمرو بن ہند عرب کا ایک بادشاہ تھا۔ کہیں بنو تمیم نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس نے منت مانی کہ ایک کے بدلے سو آدمیوں کو قتل کروں گا۔ اس کی یورش پر بنو تمیم بھاگ کھڑے ہوئے۔ اتفاقاً ایک بڑھیا رہ گئی تھی جس کا نام حمرا تھا۔ اس ظالم نے اسے فوراً گرفتار کر کے زندہ آگ میں ڈلوا دیا۔ اسی وقت ایک سوار عمار نامی اُدھر سے گزرتے ہوئے وہاں ٹھہر گیا۔

بادشاہ نے اس سے دریافت کیا:

"تو کیوں آیا ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"میں کئی روز سے بھوکا ہوں۔ سمجھا کہ کھانا پک رہا ہے اس لیے اِدھر چلا آیا۔"

عمرو بن ہند نے اسے بھی اسی آگ میں جھونکوا دیا۔ وحشت و

Marfat.com

قساوت کی یہ کتنی خوف ناک مثال ہے۔

رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اس برائی کا سدِّ باب کر دیا اور قطعی روک دیا کہ عورتیں، بوڑھے بچّے، نوکر اور خدّام ہرگز لڑائیوں میں قتل نہ کیے جائیں۔

جب کسی مہم پر فوج بھیجی جاتی تو سردارِ فوج کے نام منجملہ دیگر احکام کے ایک حکم یہ بھی صادر ہوا کرتا تھا !!

لَا تَقْتُلُوْا شَیْخًا فَانِیًا وَّلَا طِفْلًا وَّلَا صَغِیْرًا وَّلَا امْرَأَۃً۔

ترجمہ: "کسی کہن سال کو، بچّے کو اور عورت کو قتل نہ کرو۔"

(صحیح مسلم باب الجہاد)

اتّفاق سے کسی غزوہ میں اگر کسی عورت کی نعش آپؐ کی نظر سے گذرتی تو آپؐ کو بے حد غصّہ آجاتا اور آپؐ نہایت سختی سے منع فرماتے۔

بچّوں کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنانا

عرب بچّوں کو نشانہ بنا کر تیروں سے مارتے تھے۔ عبرا اور داحس کی لڑائیوں میں قیس نے اپنے بچّے بطورِ ضمانت رکھے تھے۔ دشمن نے ان بچّوں کو لے جا کر ایک وادی میں کھڑا کیا اور انھیں نشانہ بنا بنا کر تیر اندازی شروع کی۔ پہلے روز جو بچّے نہ مرے انھیں دوسرے روز کے لیے اٹھا رکھا گیا۔ اسی

Marfat.com

طرح کئی روز بے پُر تفریح چاندماری ہوتی رہی اور لوگ کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔ (مجمع الامثال)

اسیرانِ جنگ کے ساتھ بھی یہی سلوک روا جاتا تھا اور یہ تیروں کا نشانہ یا خنجر کا شکار بنتے تھے۔ عربی میں اس طریقہ کو صبر کہتے تھے۔ رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اسے سختی کے ساتھ روک دیا۔ ایک دفعہ حضرت خالدؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ایک لڑائی میں چند آدمیوں کو گرفتار کرکے اسی طرح قتل کرایا تھا۔ حضرت ابُو ایُّوب انصاریؓ نے سُنا تو کہا کہ

"مَیں نے رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو سُنا ہے کہ وہ اس سے منع فرماتے تھے۔ خدا کی قسم مَیں اس مُرغ کو بھی اس طرح مارنا جائز نہیں سمجھتا۔"

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت کفّارۂ گناہ کے طور پر چار غلام آزاد کیے۔ (ابُو داؤد)

لڑائیوں میں عہد کی پابندی

اسلام سے پیشتر لڑائیوں میں عہد کی پابندی کا بھی کچھ خیال نہ کیا جاتا تھا۔ جنگ موتہ وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا یعنی قول و قسم لے کر کفّار ساتھ لے گئے اور گھر لے جاکر دھوکا سے قتل کر ڈالا۔ قرآن کریم میں اسی قسم کے واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

لا یرقبون فی مومنٍ الاّ ولا ذمۃ اِنّہم

لا ایمان لہم۔

یعنی: کسی مسلمان کے متعلق نہ وہ کسی قسم کا لحاظ رکھتے اور نہ ذمّہ داری کا، ان کی قسم قسم نہیں!

رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے سخت تاکید کردی کہ ہر حالت میں عہد کی پوری پابندی کی جائے۔ قرآن کریم اور احادیث مقدسہ میں عہد کی پابندی کے متعلق تاکیدی احکام و ہدایات موجود ہیں۔

رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جب ہجرت فرما کر مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو بہت سے صحابہ کرامؓ مجبوریوں کی بنا پر مکّہ ہی میں رہ گئے۔ انہی میں سے حذیفہؓ بن یمان بھی تھے۔ جنگِ بدر سے پیشتر یہ اپنے والد کے ساتھ مدینہ منوّرہ کی طرف جا رہے تھے کہ کفّار کے ایک گرو نے ان دونوں کو پکڑ لیا۔ انہوں نے رہائی کے لیے کہا تو وہ بولے کہ تم مدینہ جاکر ہمارا مقابلہ کروگے۔

انہوں نے جواب دیا کہ نہیں! کیوں کہ ہمارا مقصد تو صرف مدینہ پہنچنا ہے۔

کفّار نے مقابلہ نہ کرنے کا عہد لے کر دونوں کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر سارا واقعہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جنگِ بدر کی تیاری ہوئی تو ان دونوں نے بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہونے کی درخواست کی لیکن رسُولِ کریم

Marfat.com

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم دونوں اس جنگ میں حصّہ نہیں لے سکتے کیوں کہ تم کفّار کے ساتھ مقابلہ نہ کرنے کا معاہدہ کر چکے ہو، لہٰذا عہد کی پابندی تم پر لازم ہے۔

صُلحِ حدیبیہ میں جب ابُوجندلؓ پابہ زنجیر مکّہ سے بھاگ کر مدینہ چلے آئے اور اپنے بدن کے داغ دکھائے اور کہا کہ قریش مجھے قید کر کے اس طرح ستاتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں لیکن قریش سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے کہ اگر کوئی مسلمان مکّہ سے بھاگ کر مدینہ آئے گا تو ہم اُسے قریش کے پاس واپس بھیج دیں گے۔

اس پر ابُوجندلؓ نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے رو کر فریاد کی۔ لوگ جوشِ رقّت سے بے قرار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ بھی بیتاب ہو گئے۔ حضرت ابُوبکر صدّیقؓ بھی بے چینی کے عالم میں بار بار خدمتِ اقدس میں جاتے تھے مگر کچھ عرض نہ کر پاتے تھے کیوں کہ پابندیٔ عہد کی قیمت تمام خطرات سے زیادہ تھی اس بات کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔

آخر ابُوجندلؓ کو پابہ زنجیر ہی کفّار کی حراست میں مکّہ واپس جانا پڑا۔

تو یہ تھا پابندیٔ عہد کا شاندار مظاہرہ!

کیا ارضِ عالم کی کسی مہذّب و شائستہ حکومت میں بھی اس پابندیٔ عہد کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ اپنے آدمی کو تکلیف و اذیت میں دیکھیں اور پھر ضبط کر سکیں۔

Marfat.com

قاصدوں کا قتل

قاصدوں کو بھی بلا تکلف قتل کر دیا جاتا تھا۔ صُلح حُدَیبیہ سے قبل قریش کے پاس مسلمانوں کی طرف سے جو قاصد بھیجا گیا تھا قریش نے اُس کے اُونٹ کو ہلاک کر ڈالا اور خُود اُسے بھی قتل کرنے کی سعی کی مگر لوگوں نے بچالیا لیکن رسُول کریم صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے قاصدوں کے قتل کی ممانعت سختی کے ساتھ کر دی۔ انتہا یہ ہے کہ مُسَیلمہ کذّاب کے قاصد نے دربارِ نبوّت میں نہایت گستاخانہ اندازِ گفتگو اختیار کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

"مَیں کسی قاصد کا قتل کرنا گوارا نہیں کرتا ورنہ تمہاری سزا قتل کے سوا اور کوئی نہیں تھی!"

مُورّخین اِس امر پر متفق ہیں کہ اُسی روز سے قاصدوں کا قتل ممنُوع قرار پا گیا۔

خسرو پرویز نے ہرقل کے اور راج پال نے سُلطان محمُود کے قاصدوں کو بلا تکلف قتل کر دیا تھا مگر اسلام میں ہمیشہ ہی قاصدوں کا قتل ممنُوع رہا۔ دُنیا پر اسلام کا یہ سب سے بڑا احسان ہے۔ تصور میں بھی تو نہیں آسکتا کہ کوئی فرماں رَوا قاصد کی اتنی بڑی گستاخی کو گوارا کرے لیکن حضُور پُر نُور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تو ایک پیکرِ رحم تھے اور آپؐ کا کام قتل و اذیت نہیں بلکہ بندگانِ خدا کو فائدہ پہنچانا تھا۔

Marfat.com

اسیرانِ جنگ اور اسلام اسیرانِ جنگ کے ساتھ ابتدا سے لے کر گذشتہ صدی تک انتہائی وحشیانہ سلوک کیا جاتا رہا ہے، اگر قتل سے بچ بھی رہتے تھے تو اُن کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر انتہائی مشقت لی جاتی تھی بلکہ زنُوبیہ تک کے ہاتھوں میں رُومیوں نے ہتھکڑیاں ڈالیں بخت نصر نے ان سے پتھر کی دیو ہیکل چکّیاں چلوائیں۔ ٹٹیس نے کولھوؤں میں جوت دیا۔ جنگِ صلیبی میں جو مسلمان عیسائیوں کے ہاتھ پڑ گئے اُن کے ساتھ بھی جانوروں سے بدتر سلوک روا رکھا گیا۔

علّامہ ابن جبیر حرُوبِ صلیبیہ کے زمانہ میں سسلی سے گذرے تو مسلم اسیروں کی حالت دیکھ کر تڑپ گئے۔ خود لکھتے ہیں کہ:

"منجملہ ان دردانگیز حالات کے جو ان شہروں میں نظر آتے ہیں اسیرانِ اسلام ہیں جو بیڑیاں پہنے نظر آتے ہیں اور جن سے سخت مشقت لی جاتی ہے، اور محنتِ شاقہ سے کام کرائے جاتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان عورتیں پنڈلیوں میں لوہے کے کڑے پہنے شدید مشقت کے کام کرتی دکھائی دیتی ہیں انھیں دیکھ کر قلب سینہ میں تڑپ جاتا ہے۔"

Marfat.com

مُدّعیانِ تہذیب اور اجارہ دارانِ تہذیب کا یہی وطیرہ رہا ہے
رُوس، ہنگری اور یونان نے بھی ترکی اسیروں کے ساتھ ہمیشہ بہیمیت
بَرتی۔ ہنود میں بھی گرفتار شدہ عورتوں سے ادنیٰ ادنیٰ خدمات لی جاتی
تھیں اور ان پر کسی رحم و کرم کو رَوا نہ رکھا جاتا تھا لیکن حضور پُرنور
سرورِ کائنات صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے سختی کے ساتھ مسلمانوں اور
سرداروں کو تاکید کر دی تھی کہ اسیرانِ جنگ کے ساتھ کوئی بدسلوکی رَوا
نہ رکھی جائے اور بدسلوکی کیسی؟ آپؐ نے تو حکم دیا تھا کہ انھیں
کوئی اذیت پہنچنے ہی نہ پائے۔ اسیرانِ بدر کو صحابہ کرامؓ کے حوالے
کرتے ہوئے حکم فرمایا کہ :

"انھیں کسی قسم کی کھانے پینے کی تکلیف نہ
ہونے پائے!"

کیا چشمِ فلک نے کسی ملک کی کسی قوم میں اسی دُنیا کے
اندر یہ نظّارہ بھی دیکھا ہے کہ فاتح قوم کے افراد تو خود بھُوکے پڑے
رہتے ہوں اور اپنے قیدیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا رہے
ہوں۔ اسیرانِ بدر تو شکم سیر ہو کر کھانا کھاتے تھے، اور
مسلمان دو چار کھجُوریں کھا کر پڑے رہتے تھے۔

غزوۂ حُنین کے چھ ہزار اسیر بیک وقت اِس شان کے
ساتھ رہا کیے گئے کہ ان میں سے ہر ایک کو مصری کپڑے کا ایک
ایک جوڑا بھی عطا ہُوا۔ (ابنِ سعد)

Marfat.com

حاتم طائی کی بیٹی گرفتار ہو کر آئی تو اسے عزت و حرمت کے ساتھ مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں جگہ دی اور فرمایا کہ تمھارے شہر کا کوئی شخص آجائے گا تو میں تمھیں اس کے ساتھ آرام سے رخصت کر دوں گا۔

چناں چہ چند روز کے بعد سامانِ سفر کے ساتھ رخصت کر کے ایک آدمی کی معیت میں یمن بھجوا دیا۔

مسلمانوں کے قبضہ میں جو قیدی آتے تھے انھیں ذرہ برابر بھی تکلیف نہ ہونے پاتی تھی اور وہ دشمنوں کے آدمی ہونے کے باوجود بھی ہر طرح آرام سے رہتے تھے۔ اکثر تو رہا ہی کر دیئے جاتے تھے۔ اسلامیوں کے اس رواداری سلوک نے مسلمانوں کی شرافت و فراخ دلی کا شہرہ دور دور تک پہنچا دیا تھا۔

دیکھ لیجیے!

جو دنیا میں کوئی مذہب نہ کر سکا وہ اسلام نے کر دکھایا۔ بنی اسرائیل کے جبّاروں، کلدانیوں اور اشوریوں، ہندوستانیوں، ایرانیوں اور رومیوں کے آئینِ جنگ اور طریقہ ہائے سلوک مشاہدہ کیجیے اور اوراقِ تاریخ الٹ کر اور حالات پڑھ کر واقعات کا مطالعہ کیجیے پھر اسلامیوں کے سلوک کا مقابلہ کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسانیت و بہیمیت میں کیا فرق ہے اور مسلمان کیا تھے اور دوسروں نے کیا کیا!

Marfat.com

فوجیوں کی دست درازی

ظاہر ہے کہ فوجیں جدھر سے گزرتی ہیں تباہی پھیلاتی چلی جاتی ہیں۔ یہی دُنیا میں ہوتا رہا ہے۔ یہی عرب میں ہوتا تھا اور یہی صلیبیوں نے کیا۔ جب کسی قوم و قبیلہ پر حملہ ہوتا تو فوجی دُور دُور تک چاروں طرف پھیل جاتے۔ اس سے رسد بھی بند ہو جاتی، راستے بھی رُک جاتے۔ مسافروں اور راہگیروں کا مال بھی لٹ جاتا اور گھروں میں آنا جانا مشکل ہوتا۔

رسُول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو ہر موقع پر بندگانِ خدا کی راحت اور ان کے آرام کا خیال رہتا تھا اس لیے آپؐ نے عام مُنادی کرادی کہ:

"جو شخص ان حرکات کا مُرتکب ہوگا اُس کا جہاد جہاد نہیں اور نہ اسے کوئی ثواب حاصل ہوگا۔"

حضرت جہنیؓ سے روایت ہے کہ میں ایک غزوہ میں شریک تھا۔ لوگوں نے دوسروں کے پڑاؤ پر جا کر انھیں تنگ کیا اور لُوٹا مارا۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فوراً مُنادی کرادی کہ جو دُوسروں کو اُن کے گھروں میں جا کر تنگ کرے یا لُوٹے مارے تو اُس کا جہاد قبول نہیں! (ابُو داؤد)

آپؐ نے عام حکم دے دیا تھا کہ لوگ حملہ کرتے وقت اِدھر اُدھر پھیل نہ جایا کریں۔ اس کے بعد تو یہ حالت تھی کہ لوگ اس

طرح سمٹ کر پڑاؤ ڈالتے تھے کہ ایک بڑی چادر تان دی جائے تو سب کے سب اُس کے نیچے آجاتے تھے۔

مُحاربین سے وحشیانہ سلوک

دشمنوں کو قتل کرنے کا ایک وحشیانہ طریقہ یہ تھا کہ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ غطفان اور عامر کی لڑائیوں میں اسی خوف کی وجہ سے حکیم بن الطفیل نے اپنے آپ کو خود ہی گلا گھونٹ کر ہلاک کر لیا تھا۔ (عقد الفرید)

عرینہ کے لوگوں نے خود حضور نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ایک غلام کو پکڑ کر اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے اور پھر اسی پر اکتفا نہ کی تھی بلکہ اس کی آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھوئے تھے یہاں تک کہ وہ اِس تکلیف سے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

(طبقات ابن سعد)

پھر مرنے کے بعد بھی اُن کا جوشِ انتقام ختم نہ ہوتا تھا اور وہ مُردہ نعشوں کے ہاتھ پاؤں، کان ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے۔ اسی رسمِ بد کے مطابق تو جنگِ اُحد میں ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہدا کے اعضا کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہن کر سید الشہدا کا جگر نکال کر کچا چبا لیا تھا۔ پھر عرب ہی پر کیا منحصر ہے اس عہد کی تو حالت ہی یہی تھی۔

ماریس قیصرِ روم کا کیا قصور تھا؟

اُس نے تو کوئی سختی بھی نہ کی تھی۔

بلکہ شہر کی افسوسناک حالت کو دیکھ کر وہ تو خود مصر کی طرف نکل گیا تھا لیکن فوکس نے برسرِ اقتدار آتے ہی سب سے پہلے ماریس ہی کے زن و بچہ کے قتل کیے جانے کا حکم دیا اور پھر اس کے خاندان کا خاتمہ اس قساوت و سنگدلی کے ساتھ کیا کہ انسانیت آج تک کھڑی سر پیٹ رہی ہے۔ اس کے حکم سے اس کی فوج کے لوگ مصر پہنچے، گرجا میں گھس گئے، قیصرِ روم ماریس اور اس کے پانچ بیٹوں اور بیٹیوں کو گھسیٹ کر باہر لائے۔

سب سے پہلے بیٹوں کو باپ کی آنکھوں کے سامنے قتل کیا پھر ان کے دھڑ باسفورس میں پھینک دیئے گئے اور ان کے سر قسطنطنیہ کے دروازے پر لٹکا دیئے۔ پھر ماریس کی بیٹیوں کو بھی اسی عذاب سے ہلاک کیا گیا۔

بندہ بیراگی کے وحشیانہ مظالم بھی دنیا کو آج تک یاد ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بربریت وحشت اور اس رسمِ بد کا کلی طور پر انسداد فرما دیا۔

حاملہ عورتوں کے شکم چاک عرب منت مانا کرتے تھے کہ دشمن ہاتھ آئے گا تو اسے قتل کر کے اس کی کھوپڑی کا پیالہ بنا کر اس میں شراب پئیں گے۔ جنگِ احد

Marfat.com

میں سلافہ کے دو بیٹے حضرت عاصمؓ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ اِس بناء پر سلافہ نے بھی یہی منّت مانی تھی۔ لوگ دشمن کی حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے اور پھر اِس پر فخر کرتے تھے عامر بن طفیل عرب کے ایک مشہور بہادر اور رئیسِ ہوازن نے بھی اپنے اس کارنامے پر بڑے فخر کا اظہار کیا تھا۔

رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ان لغویات کا انسداد قطعی طور پر کر دیا اور انھیں بہت بڑی لعنت اور معصیتِ عظیم بتایا۔

دشمنوں کے مال کی لوٹ

عرب میں جنگیں معاشرتی ضروریات کی بناء ہی پر لڑی جاتی تھیں۔ قتل و غارت کے طوفان بھی لوٹ کا مال حاصل کرنے ہی کے لیے اُٹھائے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ دشمن کی لوٹ نے ایک ثواب کی صورت اختیار کر لی۔ اسلام قبول کرنے والے بھی تو یہی لوگ تھے۔ جب غزوات اور اسلامی جنگیں شروع ہوئیں تو اِن کا لوٹ کا شوق جو کہ اِن کی طبعیتِ ثانیہ بن چکا تھا پھر اُبھر آیا۔ پھر لطف یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ فعل گناہ نہ تھا اور ان کی ذہنیت اور عادت کی یہ کرشمہ کاری ہی تھی کہ بہت سے صحابہ کرامؓ اسلام قبول کر چکنے کے بعد بھی کافی عرصہ تک مالِ غنیمت کو ثواب ہی سمجھتے رہے۔

ابُوداوُد میں مرقوم ہے کہ ایک شخص کے اِس سوال پر کہ ایک

Marfat.com

شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دُنیوی فائدہ بھی چاہتا ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اسے کچھ ثواب نہ ملے گا۔"

لوگوں کو یہ سُن کر بڑا تعجب ہُوا اور انھوں نے یہ کہہ کر کہ تم رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا مطلب نہ سمجھے ہوگے پھر جاؤ اور دوبارہ دریافت کرو۔

گویا کسی کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک حملہ میں قبیلہ کے قبیلہ کو اس کے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے پر چھوڑ دیا گیا تو مجاہدین اپنے سردار کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے پُورے قبیلے کو رہا کر کے ہمیں مالِ غنیمت سے محروم کر دیا پھر انھوں نے خدمتِ اقدس میں پہنچ کر رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے شکایت بھی کی۔

آپؐ نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا کہ:

"تمہارے سردار نے اچھا کیا۔"

پھر تصریح فرمائی کہ ایک ایک آدمی چھوڑنے پر اتنا اتنا ثواب ملے گا۔

(ابُو داؤد)

متاعِ دُنیوی قرآن مجید میں مالِ غنیمت کے متعلق "متاعِ دُنیوی" کا لفظ آتا تھا اور اس کی طرف انہماک اور وارفتگی پر برابر ملامت کی جاتی تھی۔

جنگِ اُحد میں جب اس بنا پر شکست ہوئی کہ کچھ لوگ کفار کا مالِ غنیمت لینے کے لیے مقابلہ سے ہٹ آئے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی :

مِنۡکُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ۚ

ترجمہ : "تم میں سے کچھ لوگ دُنیا کے طلب گار تھے اور کچھ آخرت کے۔"

اسی طرح جنگِ بدر میں جب لوگوں نے اجازت سے پہلے غنیمت لُوٹنی شروع کر دی یا بقول بعض مفسّرین فدیہ کی خواہش سے لوگوں کو گرفتار کیا تو یہ آیت اُتری :

تُرِيۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡيَا وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ؕ

ترجمہ : "تم لوگ دُنیا کی پُونجی چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا ہے۔"

ان تصریحات و تاکیدات کے باوجود غزوہ حُنین میں جو ۸ھ ہجری میں واقع ہُوا تھا۔ مسلمانوں کو محض اس وجہ سے شکست ہُوئی کہ لوگ مالِ غنیمت لُوٹنے میں مصروف ہو گئے (صحیح بُخاری)

غزوہ حُنین کے ذکر میں ہے :

Marfat.com

"تو مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ آپؐ نے علانیہ کہہ دیا تھا کہ گو جہاد کسی نیت سے بھی کیا جائے لیکن اگر مجاہد مالِ غنیمت قبول کرتا ہے تو دو تہائی ثواب کم ہو جاتا ہے۔ ثواب اسی وقت ملتا ہے جب مال کو ہاتھ نہ لگایا جائے البتہ جو غنیمت میں حصّہ نہ لے اسے پورا ثواب ملے گا۔"

غرض اس تدریجی تعلیم و تلقین کا یہ اثر ہُوا کہ یہ سب سے محبوب اور عزیز تر چیز دل سے اُتر گئی اور یُوں رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے عربوں کی ذہنیت بدل کر رکھ دی۔

عرب مالِ غنیمت تو لُوٹتے ہی تھے، دورانِ جنگ میں دشمن کے مال و جائیداد کو لُوٹ لینا بھی عام رواج تھا اور اسے معیُوب بھی نہ سمجھا جاتا تھا لیکن رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے سختی کے ساتھ اس مذمُوم رسم کا بھی استیصال کیا۔ کہیں ایک دفعہ ایک مہم میں غایت درجہ تنگ حالی کی صُورت میں مسلمانوں نے مجبُور ہو کر دشمنوں کی بکریاں لُوٹ لیں۔

رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جو اطلاع ہُوئی تو آپؐ فوراً موقع پر پہنچ گئے۔ اس وقت اُن بکریوں کا گوشت خیموں کے آگے ہنڈیوں میں آگ پر پک رہا تھا۔ آپؐ نے اپنی کمان سے باری باری تمام

Marfat.com

ہانڈیاں اُلٹ دیں۔ سارا گوشت خاک میں مل گیا۔ پھر فرمایا:

"لوٹ کا مال مُردار کے گوشت کے برابر ہے۔"

کہتے ہیں کہ جنگ و عشق میں سب کچھ جائز ہے لیکن آپؐ نے جنگ کی حالت میں بھی ناجائز کو کبھی جائز نہ سمجھا اور بُرائی کو ہمیشہ بُرائی ہی سمجھتے رہے۔

کیسا نازک وقت ہے۔

سپاہی بھوک سے تڑپ رہے ہیں مگر آپؐ کو اس کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی اس لیے کہ آپؐ کے سامنے جسم سے زیادہ رُوح کی تقویّت کا خیال تھا۔

اسلامی جنگ و جہاد کی خصوصیّت

اب تک جنگیں مُلک گیری منفعت، حصولِ اقتدار اور انتقام کے لیے لڑی جاتی تھیں لیکن اسلام نے سرے سے ان کی صورت اور مقصد ہی کو تبدیل کر دیا اور اسلام نے جو جنگیں کیں اُن کا مقصد اعلائے کلمۃ الحق کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ دُنیا اسلامی جہاد کو چاہے کچھ کہہ لے مگر یہ زیر دستوں کو زبردستوں کے ظلم سے بچانے اور دُنیا میں نیکی اور نیکوکاری کی رُوح پھونکنے کے لیے تھے۔ رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایران، مصر، قسطنطنیہ، یمن و حبش کے تاجداروں تک کو دعوتِ اسلام دی اور ان میں سے جس نے اسلام قبول کیا یا اسلام کے معاہد بن گئے انھیں مسلمانوں

Marfat.com

کے برابر حقوق حاصل ہو گئے۔ یہاں اقتدار کی توسیع شان و عظمت کے لیے نہیں بلکہ اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے تھی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے :

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ
وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا
عَنِ الْمُنْکَرِ۔

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین پر قبضہ دیں (اور ملکوں کا مالک بنا دیں) تو وہ نماز کے پابند ہوں گے زکوٰۃ ادا کریں گے۔ اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے۔"

اس سے واضح ہے کہ جہاد کا مقصد اسلام کے نزدیک مال و دولت کا حاصل کرنا کبھی نہیں رہا بلکہ اس سے مدعا یہی تھا کہ دنیا میں امن قائم ہو اور مسلمان اقتدار حاصل کر کے اچھی باتیں پھیلائیں اور بری باتوں سے دنیا کو روکیں۔

مالِ غنیمت فاتح کا حق نہ رہا

اب تک تمام دنیا میں دشمن سے لوٹی ہوئی دولت فاتح کا حصہ ہوتی تھی۔ تھوڑا بہت حصہ فوج کے ہاتھ پڑ گیا سو پڑ گیا ورنہ سب مال کی مالک سلطنت ہی ہوتی تھی جس سے فرماں روا اور چند اور کے سوا کسی کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا تھا۔ لیکن اسلام نے یہ

قرار دیا کہ پانچویں حصّہ کے سوا باقی تمام مالِ غنیمت خواہ کتنا ہی قیمتی اور گراں بہا ہو مجاہدین کا حق قرار دیا کہ اپنی جانیں جوکھوں میں یہی ڈالتے ہیں اور جمہور عوام عبارت انھی سے ہیں۔

رفتہ رفتہ جہاد و جنگ عبادت کا درجہ حاصل کر گئے۔ سورۂ اَنفال میں اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ فرماتے ہیں:

"اے مسلمانو! جب کسی گروہ سے تمھاری مُڈ بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور خدا کا نام بکثرت لیتے رہو۔ تم کامیاب ہو گے۔"

گویا کامیابی کے لیے ثابت قدمی اور ذکر اللہ کامیابی کی اساس ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی زبانوں پر اللہ کا نام رہتا ہو، اور زبانیں اَللّٰہُ الصَّمَدُ کا وِرد کر رہی ہوں گی تو اُن کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی تلواریں ناجائز طور پر ہرگز نہیں اُٹھ سکتیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ:

"جب ہم کسی بلندی پر چڑھنے لگتے تو "اللہ اکبر" کہتے چلے جاتے اور جب کسی بلندی پر سے نیچے اُتر رہے ہوتے تو سُبحان اللہ کا ورد کرتے ہوئے اُترتے۔ ایک دفعہ تمام صحابہؓ زور زور سے تہلیل و تکبیر کہتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ بہت شور مچ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا:

"اِس قدر شور نہ کرو کہ جسے تم پکار رہے ہو وہ بہرہ نہیں ہے۔"

Marfat.com

غرض یہ ہے کہ اسلام نے اسی جنگ کو جو ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کا ایک نمونہ تھی اعلائے کلمۃ الحق، قیام امن، رفع مفاسد، نصرتِ مظلوم اور تسبیح و تہلیل کی صورت میں بدل دیا۔ دُنیا میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا گذرے اور پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے مُدبّر اور مُدّعیِ تہذیب بھی پیدا ہوئے لیکن اُن کی تہذیب، انسانیت و خُدا ترسی صرف زمانۂ امن تک ہی محدود رہی

اور!

جنگ و عداوت میں انسانیت کا احترام اگر کسی نے کیا تو وُہ حضور پُرنور نبیِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذاتِ ستودہ صفات ہی تھی!

تبلیغی اضباب

کتب خانہ شانِ اسلام

۱۰- راحت مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

Marfat.com

کامیاب کمانڈر

حیاتِ مدنی کے افکار

مؤرخین مغرب ہی کا نہیں بلکہ دُنیا بھر کا تصوّر پیشوایانِ مذہب اور پیغمبرانہ عظام کے متعلق یہ ہے کہ وہ پہاڑ کی چوٹیوں، دریاؤں کے کناروں، سمندر کے ساحلوں یا بنوں کے کنجوں میں بیٹھے اللہ اللہ کر رہے ہوں، کبھی کبھی اپنی خانقاہوں اور کٹیاؤں سے نکل کر وعظ کہہ جاتے ہوں اور دُنیا اور دُنیا والوں سے ان کا کوئی تعلّق نہ ہو۔

جب حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مکّہ شریف میں تھے تو وہاں آفات وحوادث کا وہ ہجوم تھا کہ دم مارنے اور ہوش لینے کی بھی فرصت نہ تھی۔ مدینہ میں آکر آلام واذیّت سے نجات ملی۔ بظاہر سکون ہُوا اور سر پہ خود اور جسم پر زرہ بکتر نظر آئی، اس لیے یورپین مؤرخین نے حالات پر نظر کیے بغیر لکھ دیا کہ محمد جب تک مکّہ رہے آپ کے پیغمبرانہ خط وخال نمایاں تھے لیکن مدینہ پہنچتے ہی اس پیغمبری نے شاہانہ سطوت کی صورت اختیار کرلی۔

جن افراد کی نظر حالات پر نہیں اُن سب کا یہی خیال ہے!

Marfat.com

لیکن!

حقیقت یہ ہے کہ مدینہ پہنچ کر اتنا تو ضرور ہوا کہ زندگی مظلومانہ نہ رہی، بیکسانہ نہ رہی، روز روز کے مصائب و نوائب سے نجات مل گئی اور شعائرِ اسلام آزادی کے ساتھ انجام پانے لگے لیکن ان تمام راحتوں کے باوجود آپؐ کے فکر و تردّد میں صد ہزار گونہ اضافہ ہو گیا۔ مکّہ میں تو صرف ایک دشمن سے سابقہ پڑا ہوا تھا مگر یہاں مدینہ میں تین دشمن بہ یک وقت سامنے آ کھڑے ہوئے اور فوراً ہی چپّہ چپّہ پر سازشوں کے جال بچھ گئے۔

بس اتنا سمجھ لیجئے کہ جہاں مکّہ میں سانس لینا بھی مشکل ہو چکا تھا وہاں مدینہ میں آ کر صرف آزادی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے کا موقع مل گیا۔ آزادی تو ملی مگر یہاں کے خطرات مکّہ کے خطرات سے کہیں زیادہ تھے۔ وہاں مکّہ والوں کی سازشوں کا پتہ تو اکثر دن کے دن مل جاتا تھا کہ اپنا وطن تھا لیکن مدینہ میں جو سازشیں شروع ہوئیں وہ نہایت گہری اور وسیع الاثر تھیں جن کے لیے یہودی دماغ فطری طور پر موزوں تھا ان کا پتہ ہی لگنا دشوار تھا اور اندیشہ لگا رہتا تھا کہ خدا جانے دشمن لوگ کس وقت کیا کر بیٹھیں۔

منافقین کی آرزوؤں کا خون

یہود پہلے تو اضطراب کے ساتھ بعثتِ نبویؐ کا انتظار کر رہے تھے لیکن تحویلِ قبلہ، اوس و خزرج کا قبولِ اسلام

اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے واقعۂ مصلوبیت وغیرہ کی تردید، یہ وہ امور تھے جن سے یہ جل بھن گئے اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے بن گئے۔ چونکہ ان کے پاس سینکڑوں مضبوط قلعے تھے، وسیع تجارت تھی، دولت مند تھے، بہادر تھے اور اس پر طرّہ یہ کہ سازشی دماغ رکھتے تھے اس لیے انھیں اپنی قوّت و تدبیر دونوں پہ ناز تھا اور یہی وجہ تھی کہ یہ علانیہ کہا کرتے تھے کہ:

"محمدؐ کو قریش سے مقابلہ کرنا پڑا جو کمزور تھے۔ ہم سے سابقہ پڑا تو ہم دکھا دیں گے کہ بہادری کیا چیز ہوتی ہے۔"

ان کم بختوں کی سازشوں نے وہ حالت پیدا کردی کہ بروایت نسائیؒ رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مدینہ تشریف لا کر یہاں قیام پذیر ہوئے تو رات رات بھر اندیشہ میں جاگتے رہتے تھے۔

قریش، یہود اور منافقین تینوں جماعتیں اپنی اپنی جگہ خطرناک تھیں جن کا اوّلین مقصد ہی یہ تھا کہ کسی طرح شمعِ نبوّت کو بجھا کر اسلام کا استیصال کر دیا جائے۔ جس ملک میں منظّم حکومت بھی ہو وہاں بھی اُمرا و اُمرا سلاطین کے خلاف بھی سازشیں کامیاب ہو جاتی ہیں چہ جائیکہ عرب جیسا آزاد ملک۔

ہجرتِ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے کچھ ہی روز بعد قریش نے مکّہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کو لکھا کہ

"دیکھو! تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ اب اگر تم نے اُسے قتل نہ کیا یا اُسے اپنے ہاں سے نکال نہ دیا تو ہم ضرور تم پر حملہ کر کے تمہیں برباد کر دیں گے اور تمھاری عورتوں کو اپنے تصرّف میں لے آئیں گے۔"

رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے سُنا تو خود عبداللہ بن اُبی کے پاس گئے اور اسے ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر یہ تو ازلی شیطان تھا کہاں ماننے والا تھا۔ وہ تو صرف یہ دیکھ کر چُپ ہو گیا کہ انصار بہ کثرت ایمان لے آئے تھے۔

اس کم بخت کی عداوت کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ انصار نے ہجرتِ نبوی سے پیشتر اِس خبیث کی تاج پوشی کے لیے ایک مرصّع تاج بھی تیار کر لیا تھا اور یہ تاج اسے پہنا کر اس کے اقتدار و اثر اور دولت مندی کی وجہ سے انصار اسے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ لیکن آپؐ کے تشریف لے آنے سے اُس کی یہ آرزو پیوندِ نامرادی ہو گئی اور پھر یہ مسلمانوں کی شکل و صورت سے بھی جلنے لگا اور جب تک زندہ رہا اپنی شیطنت کاریوں سے ایک لمحہ کے لیے بھی نہ چُوکا۔ یہ خُود تو قریش کی آرزو پُوری نہ کر سکا مگر اس نے آپؐ کے مقابلے پر قریش کے ساتھ ملا کر یہود کو کھڑا کر دیا۔ اس طرح دونوں کے حوصلے بڑھ گئے اور دونوں ہی اپنے

ہی رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذاتِ بابرکات کو بہ نظرِ تحقیر و ذلّت دیکھنے لگے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

ایک دفعہ آپؐ سوار چلے جا رہے تھے کہ عبداللہ بن اُبی نے اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا اور حقارت سے بولا:

"گرد نہ اُڑاؤ!"

ایک مرتبہ رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے چند لوگوں کو ایک جگہ مل کر بیٹھے دیکھا تو سلام کیا اور قرآنِ کریم کی چند آیات پڑھ کر سُنائیں۔ اُن میں عبداللہ بن اُبی بھی مُوجُود تھا۔ اُس نے غضب ناک ہو کر کہا کہ:

"اے شخص مجھے یہ پسند نہیں۔ تیری باتیں دُرست سہی مگر تُو ہماری صحبت میں نہ آیا کر! جو کوئی تیرے پاس جائے اسے جو جی چاہے پڑھ کر سُنا دیا کر۔"

مُسلمانوں کو اِس تحقیر پر غصّہ آگیا اور رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بہ مُشکل فریقین کو ٹھنڈا کیا۔ مُنافقین اور یہود کی طرف سے اِس قسم کی شرارتیں برابر ہوتی رہتی تھیں۔

یہُود کی تمنّائیں برباد ہوگئیں

اس وقت یہُودیوں کا مذہبی اقتدار مدینہ اور اردگرد و نواح کے عربوں پر قائم تھا۔ انصار اُن کی اِس عظمت کو سمجھتے تھے اور اِس کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ ان کے سُود کا کاروبار بھی

Marfat.com

بہت وسعت اختیار کیے ہوئے تھا۔ انھیں بھی اپنا یہ اقتدار خطرے میں نظر آیا اور وہ بھی مسلمانوں کی بربادی پر تیار اور مصروفِ سازش ہو گئے۔ قریش جو کچھ کرتے یہود اس کی پُرزور تائید کرتے۔ قریش نے مدینہ تک کے تمام قبائل کو مسلمانوں کے خلاف کر دیا۔ اس طرح مکّہ سے لے کر مدینہ تک ہر جگہ دشمنوں کا ایک زنجیرہ قائم ہو گیا اور حالت روز بروز نازک ہوتی چلی گئی۔

آخرکار ۱۲ صفر المظفّر سنہ ۲ ہجری میں لڑنے اور جہاد کرنے کی اجازت مل گئی:

قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ۔

اس کے بعد آپؐ کی طرف سے پچاس پچاس آدمیوں کی جمعیت معاند قبائل کو مطیع و معاہد بنانے کے لیے بھیجی جاتی رہیں۔ ابھی ایک ماہ کی مدت بھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ مکّہ کا ایک رئیس مدینہ کی ایک چراگاہ پر حملہ آور ہو کر آپؐ کے مویشی لوٹ کر لے گیا۔

غرض یہ کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکّہ اور مدینہ کے درمیانی قبائل کو سلکِ معاہدہ میں منسلک کرنے کے لیے اپنی جمعیتیں برابر بھیجتے رہے۔ اسی قسم کی ایک جمعیت نخلہ گئی ہوئی تھی کہ قریش کی ایک جماعت سے اس کا تصادم ہو گیا جس میں ایک شخص عمرو بن حضرمی جو رئیسِ اعظم قریش حرب بن امیّہ کا حلیف تھا

Marfat.com

قتل ہو گیا۔

کفر و اسلام کا پہلا معرکہ

کفر و اسلام کی پہلی جنگ' بدر کے مقام پر ہوئی جسے بہت بڑی تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ قریش کے قافلے ادھر ہی سے گذرتے تھے۔ قریش جنگ کی تیاریوں میں تو پہلے ہی سے مصروف تھے۔ حضرمی کا قتل ان کے مزید جوش و اشتعال کا باعث بن گیا۔ طبائع میں جوش تو پھیلا ہوا ہی تھا کہ اسی اثنا میں افواہ پھیل گئی کہ مسلمان قریش کا قافلہ تجارت لوٹنے کے لیے آ رہے ہیں اور شور پڑ گیا۔ حکیم بن حزام اور عتبہ نہیں چاہتے تھے کہ جنگ کے شعلے بھڑکیں۔ حکیم نے عتبہ سے جا کر کہا:

■ عتبہ! اگر آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار بن سکتا ہے۔ آپ حضرمی کا خوں بہا اپنے پاس سے ادا کر کے اس طوفان کو آن کی آن میں ختم کر سکتے ہیں۔"

ابو جہل نے سنا تو کہنے لگا:

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ آپ کا بیٹا جو محمدؐ کے لشکر میں شامل ہے اس لیے آپ کی ہمت جواب دے گئی ہے۔"

عتبہ اس طعن کا حریف نہ بن سکا۔ وہ جوشِ غیرت سے تلملا اٹھا اور بولا:

"کل میدانِ جنگ ظاہر کر دے گا کہ نامردی کا داغ کس کی

Marfat.com

تقدیر میں ہے۔"

دُوسری طرف ابوجہل ہی کے اشارہ پر حضرمی کا بھائی گریبان چاک، خاک اُڑاتا ہُوا اور "دائمرداہ" کے ماتمناک نعرے لگاتا ہُوا آیا جس سے جوش و خروش کا سیلاب سیلابِ قیامت بن گیا۔ اُدھر رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے بھی خبر پاتے ہی تیاری شروع کر دی۔ آپؐ نے جو مہاجرین و انصار کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو عجیب منظر تھا۔

حضرت سعد بن عبادہؓ بولے:

"آپؐ حکم دیں تو خدا کی قسم ہم سمندر میں کُود پڑیں۔"

حضرتِ مقدادؓ نے عرض کیا:

"ہم حضرت مُوسیٰؑ کی قوم کی طرح نہیں جو یہ کہیں کہ آپؐ اور آپؐ کا خدا دونوں جا کر لڑیں بلکہ ہم تو آپؐ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے لڑیں گے۔"

آپؐ یہ کیفیت دیکھ کر بہت خوش ہُوئے۔

آپ ۳۱۳ افراد کی جمعیت کو اپنے جلو میں لے کر جس میں ساٹھ مہاجرین بھی تھے، آگے بڑھے اور بدر کے میدان میں جا کر قیام پذیر ہو گئے۔ کیوں کہ یہ خبر مل چکی تھی کہ قریش کا لشکر بھی قریب آ رہا ہے۔ مجاہدین نے آپؐ کے حکم کے مطابق صف بندی کر لی اور لشکرِ کفّار کا انتظار کرنے لگے۔

Marfat.com

میدانِ جنگ میں پیغمبرانہ خشوع

حریف لشکر میں تمام رؤسائے قریش شریک تھے۔ دس اُونٹ روزانہ لشکر کے لیے ذبح ہوتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ سپہ سالار تھا۔ ہزار مسلح اور غرقِ آہن پیادہ فوج اور ایک سَو سوار تھے لیکن لشکرِ اسلام کے پاس پورے ہتھیار اور ثابت کپڑے بھی نہ تھے۔

جب لشکرِ کفّار بدر کے قریب پہنچا تو اسے اپنے قافلۂ تجارت کے صحیح سلامت نکل جانے کی اطلاع ملی۔ اس پر قبائلِ زُہرہ و عدی نے کہا کہ اب جنگ فضول ہے واپس لوٹ چلنا چاہیئے مگر ابوجہل کے سر پر تو موت کھیل رہی تھی اس نے کسی کی ایک نہ سُنی چناں چہ دونوں مذکورہ قبائل بغیر جنگ کیے واپس لوٹ گئے۔

رات کو دونوں لشکر تو لیٹ کر سو رہے مگر آقائے دو جہاں صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم شب بھر مصروفِ عبادت و دُعا رہے۔ آپؐ نے صبح ہوتے ہی سب کو جگایا۔ نماز ادا کی اور فضیلتِ جہاد پر ایک مؤثّر تقریر کی اور پھر مجاہدین کی صفیں ترتیب دے کر خود علیحدہ ایک چھپّر کے نیچے جا کر کھڑے ہو گئے۔

اِدھر دونوں لشکر آمنے سامنے صف بستہ ہُوئے اُدھر رسُولِ امین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر ایک شدید خشوع اور رِقّت کا عالم طاری ہو گیا۔ آپؐ نے بارگاہِ ایزدی میں سرِ نیاز خم کر دیا، اور

Marfat.com

ہاتھ پھیلا پھیلا کر دُعائیں مانگنے لگے کہ :

"خداوندِ کریم ! تُو نے جو وعدہ کیا ہے آج اُسے پُورا کر" !

سر بہ سجُود ہو گئے اور عرض کیا :

"بارِ الٰہا ! اگر آج اِس مَیدان میں تیرے یہ مُٹھی بھر نفوس مِٹ گئے تو پھر تُو قیامت تک نہ پُوجا جائیگا۔"

محویّت و خضُوع کا یہ عالم کہ رِدائے پاک دوشِ مبارک سے سِرک سِرک جاتی تھی۔ حضرت اَبُو بکر صدّیقؓ بھی آپؐ کی یہ بے قراری اور بے چینی دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور بندگانِ خاص پر ایک شدید رِقّت طاری ہو گئی۔ حضرت اَبُو بکرؓ بولے :

"حضورؐ ! ہراساں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پُورا کرے گا۔"

عین اُسی وقت ربّ العزّت کی طرف سے یہ بشارت ملی :

"سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ"

یعنی : "فوج ہزیمت پائے گی اور دشمن بھاگ کھڑے ہوں گے۔"

اِس سے حضور نبیِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو دِلی تسکین ہو گئی۔

یہ تھی !

آپؐ کی شانِ پیغمبری !

Marfat.com

میدانِ جنگ میں رؤسائے کفّار کا خاتمہ

آخرِ کار دیکھتے ہی دیکھتے گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ غالباً دُنیا میں اب تک کوئی ایسی جنگ نہیں ہُوئی کہ باپ بیٹے اور بیٹا باپ پر تلوار کھینچ کر بڑھ رہا ہو۔ حضرت عمرؓ نے اپنے حقیقی ماموں پر بھرپُور وار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے بیٹے کا سر کاٹنے کے لیے آگے بڑھے۔ عتبہ سامنے آیا تو اس کا بیٹا حضرت ابوحذیفہؓ تلوار سونت کر سامنے تھا۔ (ابن ہشام)

عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت اُبُو عبیدہؓ کو مجروح کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ایک ہی وار میں شیبہ کا خاتمہ کر دیا جب اُبُو عبیدہؓ کو اُٹھا کر میدانِ جنگ سے لے چلے تو آپ نے بے تابانہ عرض کیا کہ:

"حضورؐ! میں شرفِ شہادت سے محروم ہی چلا؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"نہیں! تم نے یہ سعادت حاصل کر لی۔"

حضرت زبیرؓ نے عبیدہ بن سعید کو جہنّم میں پہنچایا۔

سعدؓ و معاذؓ دو انصاری بھائی میدانِ جنگ میں اُبُوجہل کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی دونوں شہباز کی طرح جھپٹے اور پہلے ہی وار میں اسے داصلِ جہنّم کر دیا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے جوشِ انتقام میں حملہ کیا اور معاذؓ کا بازو کاٹ

دیا۔ چوں کہ تسمہ باقی لگا رہ گیا تھا اس لیے تلوار چلانے میں دقت پیش آنے لگی۔ آپ نے دل کڑا کر کے لٹکا ہوا بازو پاؤں تلے داب کر کھینچا اور جسم سے الگ کر دیا اور پھر میدان میں گھس گئے۔ عتبہ اور اُمیّہ بن خلف بھی ڈھیر ہو گئے۔

ابو جہل، عتبہ، اُمیّہ و منبّہ وغیرہ کے قتل ہو جانے کے بعد لشکرِ قریش کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اسی وقت اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے اور تعاقب شروع ہو گیا۔ حضرت عبّاسؓ، حضرت عقیلؓ جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے اور دیگر معزّزینِ قریش گرفتار کر لیے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان کفّار سے خالی ہو گیا البتہ ان کی لاشیں پڑی رہ گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال تھی ورنہ کفّار کی قوّت بے پناہ تھی۔ وہ اسلامی لشکر کا صحیح اندازہ ہی نہ لگا سکے۔

"یَرَوْنَہُمْ مِثْلَیْہِمْ رَأْیَ الْعَیْنِ۔"

قریش کے ستّر دلیر اور نامور فرزند قتل ہوئے اور اتنے ہی گرفتار ہو گئے۔ اسلامی لشکر سے آٹھ انصار اور چھ مہاجرین شہید ہوئے۔

منبّہ، نضر، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، اُمیّہ، عتبہ، شیبہ، ابو جہل اور ابو البختری جیسے نامور رؤسائے قریش تو سب

جہنم واصل ہو ہی چکے تھے۔ عقبہ اور نضر گرفتار ہو کر قتل ہوئے۔ باقی اسیروں میں سے کچھ کو فدیہ لے کر اور چند کو ویسے ہی چھوڑ دیا گیا اور جو اسیر رہے وہ بھی آرام سے رہے۔

مکہ میں گھر گھر صفِ ماتم

مکہ میں بدر کی ہزیمت پر ایک کہرام مچ گیا۔ ہر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ بڑے بڑے دلیروں کے حوصلے پست ہو گئے۔ قومی ذلت کے خیال سے منادی کرا دی گئی کہ عورتیں بلند آواز سے نہ روئیں۔ بہت سے تو زندگی ہی سے بیزار ہو گئے۔

جنگِ بدر کے نتائج بہت دُور رس اور بہت اہم تھے۔ پہلا ہی معرکہ، اور وہ بھی پورے ساز و سامان اور جوش و خروش کے ساتھ اور اسی میں شکست اور تباہ کن شکست، اور وہ بھی اُن کے ہاتھوں سے جنہیں انتہائی حقارت سے دیکھا جاتا تھا۔ پھر شکست اور اتنی پامال کن شکست کہ مکہ کا ہر قابلِ ذکر رئیس اس معرکہ میں قتل ہو گیا۔

قریش کے اقتدار کو صدمۂ عظیم

مکہ کے تمام نامور، دولت مند اور ذی اقتدار رئیس اور شیطنت کار قریش بدر کے میدان میں کھیت رہے۔ بڑی بڑی مغرور اور اکڑی ہوئی گردنیں خاک و خون میں لتھڑ گئیں۔ شہر مکہ عظیم الشان اور با اثر سرداروں اور رئیسوں سے قریب قریب

Marfat.com

بالکل خالی ہو گیا۔ جنگ کیا تھی قریش کے لیے ایک نمونۂ قہرِ الٰہی تھی۔ پہلے ہی معرکۂ جنگ میں قریش کی حقیقی طاقت ٹوٹ گئی۔ ان کا سارا طنطنہ ختم ہو گیا۔ قریش کی سرداری ولید بن مغیرہ کے بعد ابوسفیان کو مل گئی اور یوں بنی امیّہ کا اقتدار قائم ہو گیا۔ جنگِ بدر کی شکست سے قریش کی عرب بھر میں تحقیر ہوئی۔

مخالف قبائل پر خوف و دہشت

جو قبائل قریش کے زیرِ اثر تھے اور ان کے ایما پر مسلمانوں کے لیے باعثِ تکلیف بنے رہتے تھے۔ ان پر بھی دہشت طاری ہو گئی۔ سب کے سب سہم کر رہ گئے اور دُور دُور تک مسلمانوں کی جرأت و جلادت کی ایک زبردست دھاک بیٹھ گئی۔

منافقین و یہود پر سہمناک اثر

منافقین ہر وقت مارِ آستین بنے رہتے تھے ان پر بھی دہشت طاری ہو گئی۔ ان کا سردار برابر تحقیر کرتا رہتا تھا۔ وہ بھی اس اسلامی فتح سے سراسیمہ ہو گئے اور عبداللہ بن ابی کو بھی اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ وہ بظاہر اسلام کے حلقہ میں داخل ہو جائے۔ یہودی جو اپنی دلیری کی برابر ڈینگیں مارتے رہتے تھے اپنے سے تگنی فوج پر مسلمانوں کو غالب آتے دیکھ کر فوری طور پر وہ بھی دَم بخود ہو گئے۔

مسلمانوں کے ہاتھ کافی مالِ غنیمت آیا۔

Marfat.com

جنگِ بدر اور مخالف نقطۂ نظر

جنگ بدر چونکہ کفر و اسلام کی تمام جنگوں میں بہ اعتبارِ نتائج نہایت اہم ہے اس لیے معاندین و مخالفین نے اس کے استخفاف کے لیے نئے نئے پہلو نکالے ہیں۔ اس کی اہمیت گھٹانے کے لیے انھوں نے اسلامی لٹریچر کو کھنگالا تو یہاں سے انھیں کچھ مواد مل گیا۔ پھر کیا تھا۔ انھوں نے تمام حقائق، تمام قیاسات، تمام غور و تامل اور تمام درایات کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس لیے کہ مقصد تو صرف بدنامی و استخفاف تھا' نہ کہ احقاقِ حق اور تلاشِ حقیقت!

طبری میں لکھا ہے کہ:

"لوگ بیان کرتے تھے کہ ابوسفیان کے قافلہ کی روانگی کا حال معلوم کر کے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا اور فرمایا کہ قافلہ آ رہا ہے چلو شاید خدا تمھیں مالِ غنیمت دلوا دے۔ لوگ آمادہ ہوئے لیکن بعض نے اس سے پہلو تہی کی کیوں کہ وہ سمجھے کہ کوئی لڑائی تو پیش نہ آئے گی۔"

صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالکؓ کا یہ قول موجود ہے کہ:

"بدر میں صرف قافلۂ شام سے تعرض مقصود تھا۔"

ان دو امور پر مخالفین نے بڑی بڑی بدگمانی اور غلط فہمی کی دیواریں اٹھا کر کھڑی کر دیں اور کہنے لگے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

تو لڑنے نہیں قافلہ کو لوٹنے کے لیے گئے تھے۔ انھوں نے خود چھیڑ شروع کی۔

ایک پیغمبر کی شان سے یہ بعید امر ہے کہ وہ اپنے پیرؤوں کو ہمراہ لے کر ایک تجارتی قافلہ کو لوٹنے کے لیے نکلے۔ قریش اس لوٹ کے عزم کی خبر سن کر اس کی حفاظت کے لیے بڑھے تھے نہ کہ لڑنے کے لیے۔ اسی لیے یہ زیادہ اہتمام نہ کر سکے اور بعد میں شکست کھائی۔

اوّل تو یہ نتائج ہی غلط ہیں۔ قافلہ پر حملہ کی خبر سُن کر اس تزک و احتشام کے لیے کوئی نہیں آیا کرتا کہ تمام رؤسا شریک ہوں پورا سامان رسد اور پوری فوج ساتھ ہو۔ پھر جب قافلہ بچ کر نکل ہی گیا تھا تو پھر مسلمانوں سے جنگ کی کون سی ضرورت تھی۔ مسلمانوں کی طاقت تو اتنی تھی نہیں کہ وہ اپنی سے تگنی فوج پر خود ہلّہ بول دیتے۔ رہا پوری طرح تیار ہو کر نہ آنا تو تمام رؤسا ساتھ ہیں اور گیارہ سو جوانوں کی فوج ہے اور تیاری کسے کہتے ہیں؟

پھر کیا کوئی اس سے انکار کر سکتا ہے کہ قریش ہجرت کے بعد جنگ کے لیے مسلسل تیاری اور یہود و منافقین سے سازش نہیں کر رہے تھے، راہ کے قبائل کو نہیں بھڑکا رہے تھے؟ مدینہ کی چراگاہ کے مویشی نہیں لُوٹے تھے؟ حضرمی کے قتل کا واقعہ پیش نہ آیا تھا؟ مکہ میں جوش و خروش نہ پھیلا ہُوا تھا؟

Marfat.com

اگر یہ سب چیزیں موجود تھیں اور یقیناً موجود تھیں تو پھر یہ خیال کیوں کیا جا رہا ہے کہ قریش کا مقصد جنگ نہ تھا۔

اب غور کیجئے کہ!

انصار سے معاہدہ کیا تھا؟

یہی نا کہ جب مدینہ پر کوئی چڑھ کر آئے تو وہ لڑیں گے!

اس سے پہلے کسی سرایا میں کبھی انصار کو نہیں بھیجا گیا تھا اور اس معرکہ میں انصار کی شرکت اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ مدینہ پر قریش کی یورش کا شدید اندیشہ تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایسا تھا تو خود فوج لے کر کیوں بڑھے؟ اس لیے کہ آپؐ سمجھتے تھے اگر میدان جنگ مدینہ کے قریب کہیں قائم ہوا تو مسلمانوں کے لیے شدید مشکلات پیدا ہو جائیں گی اور منافقین و یہود بھی کفار کے ساتھ ضرور مل جائیں گے اور یقیناً مل بھی جاتے۔ یہ آپؐ کا تدبّر اور فنون جنگ سے کمال واقفیت کا ایک عدیم النظیر مظاہرہ تھا کہ تین دشمنوں کی مشترکہ قوّت سے مقابلہ کرنے کے بجائے پہلے ایک ہی دشمن سے نپٹنا مناسب سمجھا اور قریش کی جنگی تیاریوں کی خبر سن کر نہایت عجلت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور فتح پائی۔

جس کی نظر عرب کی فطرت پر ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ عرب موت کو کوئی حیثیت ہی نہ دیتے تھے کیوں کہ یہ تو

Marfat.com

ان کا آئے دن کا کھیل تھا۔ علی الخصوص اس موقع پر کہ انھیں مالِ غنیمت ملنے کی بھی توقع ہو، وہ ہرگز لڑنے اور مارنے مرنے سے نہ چُوکتے تھے۔ ان میں سے بعض جو ڈرے تو وہ اسی لیے ڈرے ہوں گے کہ ہم بہت کمزور ہیں۔ پُورے اور کافی ہتھیار بھی پاس نہیں۔ قریش کے پاس بے پناہ قوّت ہے ورنہ قافلہ کو لُوٹنے کے لیے تو صرف سو آدمیوں کی جمعیّت بھی بہت کافی تھی اور پھر قافلہ والے پُورے حربی سامان سے مسلّح بھی نہ ہُوا کرتے تھے۔ اس لیے ان سے ڈرنے کی تو کوئی وجہ ہی نہ تھی اور نہ سمجھ میں آتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نہیں! قافلہ بھی مسلّح ہوتا ہے اور اس میں مقابلہ کی پُوری قوّت تھی تو ماننا پڑے گا کہ قریش کا اضطراب فضول تھا اور انھیں اتنی شان و شکوہ کے ساتھ قافلہ کی امداد و اعانت کے لیے بڑھنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ بھی سہی! پھر کوئی وجہ نہیں کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی اس توضیح کو کوئی اہمیّت نہ دی جائے کہ :

"ہم جب مدینہ آئے تو کھانے کو وہ پھل ملے جو ہمارے مزاج کے موافق نہ تھے، اِس وجہ سے ہم بیمار ہو گئے۔ رسُول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بدر کے متعلّق پُوچھا کرتے تھے لیکن جب ہمیں خبر ملی کہ مشرکین آ رہے ہیں تو رسُول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بدر کو چلے۔ بدر ایک کنویں کا نام ہے جہاں مشرکین ہم سے پہلے

پہنچ چکے تھے۔"

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ آپؐ کے بھائی تھے، مشیر کار تھے راز دارِ خاص تھے۔ ان سے زیادہ خبردار کوئی دُوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس حدیثِ صحیح میں ابوسلیمان کے قافلۂ تجارت کا ذکر سرے سے موجود ہی نہیں۔ حضرت کعبؓ کا بیان حضرت علیؓ کے بیان کے مقابلہ میں کوئی بھی اہمیت نہیں رکھ سکتا اس لیے کہ اوّل الذکر کا تو محض قیاس ہی تھا مگر مؤخرالذکر بزرگ تو تمام رازہائے اندرون پردہ سے بھی پوری طرح واقف رہتے تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم سے بڑھ کر بہتر اور مستند بیان کسی کا بھی نہیں ہو سکتا۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ محض بعض صحابہؓ کے خوف کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت بڑھنے کو پسند نہ کرتی تھی اور وہ تحبہ سے ظہورِ حق (ایمان) کے بعد بھی جھگڑا کرتی تھی کہ ہم موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں:

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ
یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا
یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ ط

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

"تم یہ چاہتے ہو کہ تمھیں کوئی ایسی جماعت ہاتھ آئے

Marfat.com

اور اس سے تمہارا مقابلہ ہو جس کی طرف سے تمھیں کوئی اندیشہ و ضرر بھی نہ ہو لیکن خدا یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی باتوں سے حق قائم کر دے اور جتا دے اور دکھا دے کہ حق ہمیشہ باطل کے مقابلہ میں کامیاب فائز المرام ہوتا ہے۔"

تُرِیْدُوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ؕ

یہاں وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ کا ٹکڑا ملحوظ اور پیشِ نظر رہے جس کے معنیٰ کافروں کے زور توڑنے اور ان کی جڑیں کاٹ دینے کے ہیں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ قافلہ کو لوٹ لینے سے نہ تو کفّار کا زور ٹوٹ سکتا تھا اور نہ ہی ان کی جڑیں کٹ سکتی تھیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ انھیں بڑا مالی نقصان پہنچ جاتا۔ جڑیں تو کٹیں عتبہ، ولید، ابوجہل، شیبہ، زمعہ اور منبّہ وغیرہ رؤسائے عظام کے قتل ہو جانے سے، میدانِ جنگ میں شکست فاش سے عرب میں ان کا زور ٹوٹ جانے سے!

کیا رؤسائے قریش کا قتل اور "وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ" میں آپ کو کوئی مناسبت نظر نہیں آتی اور یہ دونوں فقرے بڑی حد تک ہم معنیٰ اور مترادف نہیں دکھائی دیتے؟

Marfat.com

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت کعبؓ نے کیوں ایسا کہہ دیا تھا اور اسے صحیح بخاری جیسی مستند و معتبر کتاب میں کیوں جگہ دی گئی ؛ تو اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اصولِ حدیث سے واقف ہوں۔ محدثین صحیح و غلط کا امتیاز تاریخ کی روشنی میں نہیں کرتے اور خاص ہیں قیاس سے کام لیتے ہیں وہ تو راویوں کی حیثیت اور یہ دیکھتے ہیں کہ آیا اس حدیث کو مسلسل بیان کیا جاتا رہا ہے اور کہیں سلسلہ منقطع تو نہیں ہوا۔

حضرت کعبؓ سے جو سنا اسے لوگ اسی طرح بیان کرتے چلے گئے اور بس!

اب یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو کچھ راوی بیان کرتا ہے وہ واقعہ کے متعلق استنباط ہوتا ہے واقعہ نہیں ہوتا۔ جنگِ بدر کے وقوع کے متعلق لوگوں نے مختلف خیالات قائم کیے۔ بہت ممکن ہے کہ حضرت کعبؓ بھی اس وقت یہی سمجھے ہوں کہ مقصد قافلۂ قریش سے تعرّض ہے اس لیے کہ اس وقت مدینہ میں قافلۂ قریش کی روانگی کی بھی بہت شہرت تھی کہ اس میں مکہ والوں نے مصارفِ جنگ نکالنے کے لیے اپنی تمام پونجی لگا دی تھی اور قریش کی تیاریِ جنگ کا بھی بڑا چرچا تھا۔

طبری کی روایت کو تو کوئی وقعت دی ہی نہیں جا سکتی۔ کیونکہ محدثؒ مؤرخ نہیں ہوتے اور نہ مؤرخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ

Marfat.com

محدِّث بھی ہو۔ اگر محدثین مؤرخ بھی ہوتے تو وہ کبھی اِس حدیث کو درج نہ کرتے۔ حضرت امام غزالیؒ محدِّث نہ تھے بلکہ فلاسفر تھے، ادیب تھے اس لیے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں متعدّد غلط احادیث درج نظر آتی ہیں۔

جانے دیجیے اِسے بھی، یہ بھی تو ایک مُسلّم حقیقت ہے کہ قریش جنگ کی تیاری میں زور شور کے ساتھ مصرُوف تھے اور جو قافلۂ شام روانہ ہو رہا تھا اس میں مصارفِ جنگ پُورے کرنے کے لیے ہی قریش نے اپنا تمام سرمایہ لگا دیا تھا۔ یہ قافلہ کامیابی کے ساتھ اور صحیح سلامت مکّہ پہنچ جاتا تو ظاہر ہے کہ دشمنوں کی قوّت میں زبردست اضافہ کا باعث ہوتا اِس لیے سیاسی طور پر اِس پر بھی حملہ مقصود ہو تو بھی ہرگز اُسے معیُوب نہیں کہا جاسکتا۔ آج کل بھی تو ایسا ہی ہوتا ہے لیکن اِس کا کیا علاج ہے کہ تعصّب کی آنکھ کو تو ہُنر و صواب بھی عیب ہی نظر آتا ہے۔

غزوۂ اُحد

مکّہ والے جوشِ اِنتقام سے بے چین تھے۔ ہزیمتِ بدر کے بعد وہ برابر تیاریوں میں مصرُوف رہے۔ ایک روز اُنھوں نے اَبُوسفیان سے کہا کہ:

"محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا ہے اب کب تک خاموش بیٹھے رہیں اور انتقام نہ لیں؟"

Marfat.com

قریش نے پہلے تو شعرأ کے ذریعہ قبائل میں جوش پھیلایا اور پھر اپنی عورتوں کو ساتھ لے کر انتقام کے لیے بڑھے کہ ان کی بے عزّتی کے خیال سے لڑنے والوں کے قدم پیچھے نہ ہٹیں گے اور جو عورتیں لشکرِ کفّار کے ساتھ تھیں وہ معزز گھرانوں کی چشم و چراغ تھیں۔ مثلاً:

- فاطمہ بنتِ ولید بن مُغیرہ۔
- ہندہ بنتِ عتبہ بن ربیعہ۔
- اُمِّ حکیم زوجہ عکرمہ بن ابو جہل۔
- برزہ بنتِ مسعود ثقفی رئیسِ طائف۔
- حنّاس مادرِ مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر۔
- ریطہ زوجہ حضرت عمرو بن العاص بن وائل۔

جونہی لشکرِ کفّار عازمِ سفر ہوا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فوراً آپ کی خدمتِ اقدس میں خبر بھجوادی کہ آپ کے چچا اور ہاشمی بھتیجے گو ابھی ایمان کی دولت سے مالا مال نہیں ہوئے تھے۔

آپ کے تیار ہوتے ہوتے لشکرِ کفّار مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور کوہِ اُحد پر جم گیا۔ رسولِ کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مجبوراً ایک ہزار جوان لے کر مقابلہ کو نکلے مگر اس تعداد میں سے بھی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی عین وقت پر اپنے تین سو آدمی لے کر علیحدہ ہو گیا۔

آپ نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں

Marfat.com

کو پُشتِ کوہ کی طرف متعین کر کے حکم دیا کہ :

"چاہے فتح بھی ہو جائے مگر تم اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑنا کیوں کہ شدید اندیشہ اور خطرہ ہے کہ کہیں حریف اس طرف سے حملہ آور نہ ہو۔"

ہندہ بنتِ عتبہ بن ربیعہ چودہ معزز ترین خواتین کو ساتھ لیے ہوئے ایک مستانہ ادا اور پُر جوش انداز میں یہ رجز پڑھ رہی تھی کہ :

"ہماری طرف دیکھو، ہم جو آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔ اگر بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی اگر پیچھے ہٹو گے تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی۔"

مسلمانوں نے پہلے ہی ہلّے میں قریش کو بھگا کر لوٹ شروع کر دی۔ یہ کیفیت دیکھ کر پشتِ کوہ کے تیر انداز بھی مالِ غنیمت لوٹنے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ کر چل دیئے۔ خالد بن ولید نے موقع پا کر پشتِ کوہ کی طرف ہی سے مالِ غنیمت لوٹنے والے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ مسلمان گھبرا گئے مصعب بن عمیرؓ کے شہید ہوتے ہی رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ مشہور ہو گئی کہ وہ آپؐ کے ہم شکل تھے۔ اس سے اور ایک انتشار و اضطراب پیدا ہو گیا۔ انتہا یہ تھی کہ بعض مسلمانوں نے یہ کہہ کر ہتھیار پھینک دیئے کہ :

"اب لڑ کر کیا کریں گے"

Marfat.com

ابنِ نضر یہ کہہ کر کہ اب جینا بیکار ہے دُرّانہ فوج میں گھس گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ سب کے قدم اُکھڑ گئے صرف سات جاں نثار پہلو میں رہ گئے آخر کعب بن مالکؓ کی نظر پڑ گئی۔ انھوں نے شور مچا دیا کہ:

"مسلمانو! رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ موجود ہیں"!

بس پھر کیا تھا تمام مسلمان آپؐ کے اِرد گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ ادھر کفار نے اپنی ساری طاقت اس طرف ہی مرکوز کر دی۔ آپؐ مجروح ہو گئے۔ تیروں کی بارش شدت کے ساتھ ہو رہی تھی۔ آپؐ کا دندانِ مبارک بھی شہید ہو گیا۔ جب مسلمان اکٹھے ہو گئے تو کفارانِ قریش واپس لوٹ گئے۔

ابو سفیان نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے چلّا کر کہا:

"یہ بدر کا انتقام ہے"

لیکن فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید کر دیئے گئے اور ہندہ بنت عتبہ جوشِ انتقام میں آپ کا کلیجہ چبا گئی۔ یہ سب کچھ تیراندازوں کے جگہ چھوڑنے سے ہوا۔

سرکش قبائلِ یہود کا استیصال

جنگِ اُحد سے قریش کے حوصلے تو کیا بڑھتے کہ وہ

Marfat.com

مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکے تھے اور یہ محض اتّفاق ہی تھا کہ وہ اس دفعہ بچ کر نکل گئے البتّہ اُنھیں غلط پروپیگنڈے کا موقع ضرور مل گیا۔ جس سے گرد و نواح کے یہودی قبائل اور منافقین کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور یہودنے تو مسلمانوں کو بُری طرح سے پریشان کرنا شروع کر دیا کیوں کہ یہ تو چاہتے ہی نہ تھے کہ آپؐ مدینہ میں رہ سکیں۔ ان کا لین دین دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا اور یہ وصُول کرنے اور قرض دینے میں اس قدر سخت تھے کہ قرض داروں کی بیویوں اور بہنوں تک کو رہن رکھوا لیتے تھے۔ زانی اور بداطوار تھے انھوں نے چاہا کہ آپؐ نکل جائیں تو مدینہ میں ان کا اقتدار پھر سے قائم ہو جائے۔ اب اُنھیں اور شہ مل گئی اور یہ دن رات مصرُوفِ شرارت رہنے لگے۔ انتہا یہ تھی کہ انھوں نے برسرِ بازار ایک مُسلم عورت کو چھیڑ دیا اور ایک عظیم ہنگامہ برپا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ یہ "اَلسّلامُ علیکم" کے بجائے "سام علیکم" کہتے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ "تمھیں موت آ جائے۔"

آپؐ نے مدینہ میں تشریف لاتے ہی یہودی قبائل سے معاہدے کر لیے تھے مگر انھوں نے معاہدوں کی کچھ پرواہ نہ کی۔ کعب بن اشرف ایک دولت مند یہودی سردار تھا۔ تمام عرب میں مخالفت کی آگ بھڑکانے کے جرم میں اسے قتل کر دیا گیا لیکن اس کے بعد بھی یہود اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے۔ بنو نضیر نے تو یہاں تک پروگرام

بنا لیا کہ آپؐ کو دھوکے سے بُلا کر اور اُوپر سے پتھر لڑھکا کر شہید کر دیا جائے۔ آپؐ نے انھیں تجدیدِ معاہدہ پر مجبور کیا۔ بنو قریظہ تو راضی ہو گئے مگر بنو نضیر آخر قریش کے بھرّوں پر تھے نہ مانے اور جب آپؐ ان کو سمجھانے کے لیے ان کے پاس جانے لگے تو یہ تلواریں سونت کر کھڑے ہو گئے۔ مجبور ہو کر ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ کسی نے بھی ان کی مدد نہ کی آخر خود ہی جلاوطنی پر راضی ہو گئے۔ آپؐ نے انھیں مال و دولت سمیت نکل جانے کی اجازت دے دی حالاں کہ یہ اس رعایت و کرم کے ہرگز مُستحق نہ تھے اور یہاں سے نکل جا کر بھی انھوں نے اپنی سازشوں کا سلسلہ بند نہ کیا بلکہ تمام عرب میں خوف ناک پروپیگنڈا کیا اور اصل میں غزوۂ خیبر کے مُحرّک بھی یہی تھے۔

ان سے پہلے بنو قینقاع بھی مُعاہدہ شکنی اور شیطنیت کاری کے جُرم میں جلاوطن کیے جا چکے تھے۔

لیکن!

بنو قریظہ کا جُرم بنو نضیر اور بنو قینقاع کے جرم سے بھی کہیں شدید تھا کہ انھوں نے اِس پریشانی کے وقت میں کہ مسلمان جنگِ احزاب کے مصائب میں مُبتلا تھے انہوں نے قلعہ کو تنہا پا کر خواتین پر حملے کی سعی کی تھی۔ آپؐ نے جنگِ احزاب سے فارغ ہوتے ہی ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ غضب یہ کہ جس وقت مُسلمان

ان کی طرف محاصرہ کو بڑھے ہیں تو ان بد باطنوں نے مسلمانوں کو مُغلّظ گالیاں دینا شروع کر دیں جس پر فوراً محاصرہ کر لیا گیا اور پھر سب کو سزائے قتل دی گئی۔

بنو قریظہ کے قتل کے مُتعلّق مخالفینِ اسلام کی طرف سے بڑے خوف ناک قسم کے اعتراضات کیے جاتے ہیں مگر ہر شخص یہ تو دیکھ لیتا ہے کہ بنو قریظہ قتل کر دیئے گئے لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ بنو قریظہ قتل ہوئے کیوں؟

اس طرح تو ہر مجرم کے ساتھ ہمدردی کی جا سکتی ہے اور ہر عدالت کو بُرا کہا جا سکتا ہے۔ رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مدینہ پہنچ کر انھیں ہر قسم کی آزادی سے نوازا۔ ان کے حقوق کا احترام کیا۔ ان سے معاہدہ مودّت کیا لیکن انھوں نے آپؐ کے دشمنوں کے ساتھ جنگِ خندق میں شرکت بھی کی۔ آپؐ کو پریشان کرنے کے لیے قلعہ پر حملہ بھی کیا۔ تجدیدِ معاہدہ کی بھی پرواہ نہ کی۔ معاہدہ کرتے اور توڑتے رہے۔ حیّی بن اخطب جیسے باغی اور معتوب وجلاوطن کو علانیہ مدینہ لا کے رکھا اور پناہ دی اور اس کے بعد جب آپؐ انھیں سزا دہی کے لیے بڑھے تو یہ تا بکار مقابلہ پر آمادہ ہو گئے اور مغلظات بکنے لگے۔

کیا آج کی تہذیبِ جدید اس قسم کی خوف ناک شرارتیں کرنے والوں کو بخش سکتی ہے؟

کیا تہذیبِ جدید دشمن کے ساتھ مل کر دشمنی کرنے والوں پر بھی انعام و اکرام کی بارش کر سکتی ہے ؟

اور !

ایسے سنگین باغیوں اور خطرناک دشمنوں کو نواز سکتی ہے ؟

ہرگز نہیں !

اور پھر ان کا فیصلہ تو شریعتِ محمدؐی کے مطابق نہیں بلکہ اُن کی اپنی ہی شریعت یعنی شریعتِ موسوٰیؑ کے مطابق اُنھی کے مقرّر کردہ ثالث نے کیا تھا کہ لڑنے والے قتل کیے جائیں۔ زن و بچّہ قید کر لیے جائیں اور تمام مال و دولت ضبط کر لیا جائے۔

بہ ہر کیف چھ سو افراد قتل ہوئے۔

جملہ فتن کا بانی حیّی بن اخطب تھا۔ جب اُسے قتل کرنے کے لیے مقتل میں لایا گیا تو اُس نے نظر اٹھا کر حضور نبی اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف دیکھا اور پھر یہ عبرت انگیز الفاظ کہے :

"خدا کی قسم مجھے اِس بات کا افسوس نہیں کہ مَیں نے کیوں تیری عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے خدا بھی اسے چھوڑ دیتا ہے تو اے لوگو ! خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں ! یہ ایک حکمِ الٰہی تھا۔ یہ لکھا ہوا تھا۔ یہ ایک سزا تھی جو خدا نے بنو اسرائیل پر لکھ رکھی تھی۔" (ابنِ ہشام)

Marfat.com

مارگولس صاحب فرماتے ہیں کہ :

"سعدؓ بن معاذ نے یہ بے رحمانہ فیصلہ اس لیے کیا کہ انھیں اس جنگ میں ایک قریظی کے تیر سے زخم لگا تھا لیکن وہ تیر انداز ابن العرقہ قریشی تھا، نہ کہ قریظی !" (بخاری)

سر ولیم میور صاحب جنگِ احزاب میں قریظیوں کی شرکت سے محض اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ اگر یہ واقعہ سچ ہوتا تو قرآن شریف میں جہاں اس جنگ کا ذکر ہے وہاں ان کی شرکت کا بھی ضرور ذکر ہوتا.

لیکن !

قرآن شریف میں تو صاف ذکر موجود ہے :

"وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ"

اس سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ یہ لوگ الزام تراشی کے لیے کس طرح بہانے ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور تنکے تنکے کا سہارا تلاش کرتے ہیں۔ قریشی اور قریظی ہم شکل نظر آئے تو قریشی کا قریظی بنا بیٹھے۔ جب الزام ہی عائد کرنا ٹھیرا تو اس کے لیے من گھڑت شواہد پیدا کرلینا کون سی بڑی بات ہے۔

قومِ یہود پر آخری اور کاری ضرب

بنو نضیر پر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تو یہ کرم کہ آپ نے انھیں مال و دولت سمیت جلاوطن ہونے

کی اجازت دے دی تھی مگر ان بدبختوں نے خیبر پہنچتے ہی وہ طوفانِ بدتمیزی برپا کیا اور منافرت و مخالفت کی ایسی آگ بھڑکائی کہ آخرکار مسلمانوں کو جنگِ احزاب جیسی خوفناک جنگ میں مبتلا ہونا ہی پڑا۔ پھر انھوں نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ ۶ ہجری میں چند باثر قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر اور ان سے خفیہ سازش کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔

سردارِ خیبر نے ایک زبردست تقریر میں کہا کہ

"اب تک جتنی تدابیر کی گئیں وہ سب غلط تھیں۔ بہتر صورت یہ ہے کہ خود محمد رسول اللہ (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کے دارالرّیاست پر حملہ کیا جائے۔"

واقعی اس وقت خیبر نے ایک خوفناک مرکزی معاند قوّت کی صورت اختیار کر لی تھی۔ چوں کہ یہودیوں کی طرف سے ابتدائی کارروائیاں شروع ہو گئی تھیں اس لیے آپؐ نے بھی پوری تیاری کے ساتھ اٹھارہ ہزار کا لشکر لے کر خیبر پر بھرپور حملہ کر دیا۔ بڑی ہولناک اور شدید جنگ ہوئی جس کے بعد خیبر فتح ہو گیا اور یہود کی قوّت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

خیبر کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی۔ اس طرح مسلمانوں کو یہود کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا۔ یہود بڑے دولت مند

اور بڑے قوی تھے اور قوت و شوکت میں یہ قریش سے کم نہیں برابر نہیں بلکہ زیادہ تھے۔ انھوں نے اس تمام دوران میں مسلمانوں کو برابر پریشان کیے رکھا۔

قبائلِ عرب کی مشترکہ یورش

بنو نضیر نے مدینہ سے نکلتے ہی ہر طرف ایک شورِ محشر برپا کر دیا۔

ان کے رؤسا حیی بن اخطب، کنانہ بن ربیع اور سلام ابن الحقیق براہِ راست قریش کے پاس پہنچے اور کہنے لگے :

"ہمارے پاس ہتھیاروں قلعوں اور دولت کی کمی نہیں
اگر تم ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاؤ تو ہم خود اپنی
قوت سے اسلام کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دیں۔"

قریش تو خود اسی آرزو کی تکمیل کے لیے زندہ تھے فوراً رضامند ہو گئے اب یہ غدار اور احسان فراموش قبیلہ غطفان کے پاس آئے اور اسے محاصلِ خیبر میں سے نصف حصّہ کا لالچ دے کر ساتھ ملایا۔

بنو اسد، غطفان کے حلیف تھے۔
بنو سعد، یہود کے حلیف تھے۔

اور !
بنو تمیم قریش سے قرابت رکھتے تھے۔

واضح رہے کہ یہ تمام قبائل عرب کے زبردست کثیر التعداد نامور اور جری قبائل تھے اور بڑا اثر و اقتدار رکھتے تھے !

Marfat.com

ان تمام قبائل نے چوبیس ہزار کا ایک عظیم الشان لشکر اکٹھا کر کے پوری شان و شوکت اور پورے طنطنہ و جلال کے ساتھ ابوسفیان کی زیرِ قیادت مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ اس لشکر کا جلال و عنوان دیکھ کر عرب کے بچہ بچہ کو اس امر کا یقین ہو چکا تھا کہ اس مرتبہ اسلام کا استیصال یقینی ہے اور وہ اپنے اس خیال میں غلطی پر بھی نہ تھے اس لیے کہ تنہا یہود اور تنہا قریش کی قوت بھی کچھ کم نہ تھی اور یہ دونوں مل کر تو پورے عرب کی ایک صف شکن اور بے پناہ قوت بن سکتے تھے نہ کہ ان کے ساتھ عرب کے اور بھی چوٹی کے قبائل شروع ہو جائیں۔ اس سے پہلے عرب میں غالباً اس سے بڑا اور کوئی لشکر کبھی ایک میدان میں آیا بھی نہ تھا۔ ایک سیلاب تھا جو امنڈتا ہوا مدینہ کی طرف بڑھا چلا آرہا تھا اور اپنے ایک ہی ریلے میں خرمنِ اسلام کو بہالے جانے کا داعیہ رکھتا تھا۔

ظاہر ہے کہ !

کھلے میدان میں عرب کی پوری اور اجتماعی قوت سے مقابلہ کر لینا مسلمانوں کے قابو کی بات نہ تھی۔ مقابلہ تو ایک طرف اس کے سامنے کھڑا رہنا بھی بڑے حوصلہ کا کام تھا۔

پھر یہ دیکھیے کتنی نازک حالت تھی کہ باہر کی طرف سے یہ سیلاب امنڈتا چلا آرہا ہے اور اندر منافقین اور بنو قریظہ موقع کی تاک میں ہیں بنو نضیر کا سردار (ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ)

Marfat.com

حیؔ بن اخطب جو خدا کو ضامن دے کر اپنے کسی معاندانہ کارروائی میں شریک نہ ہونے کا وعدہ کر گیا تھا خفیہ طور پر بنو قریظہ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"میں تمام عرب کو مدینہ پر چڑھا لایا ہوں

فوج کا ایک سیلابِ عظیم ہے جو اُمنڈتا چلا آرہا ہے، اب

اسلام کا خاتمہ ہے۔ دیکھو اس موقع پر ہرگز نہ چوکنا

پھر یہ موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ

توڑ دو۔ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب تم کھلے بندوں

لشکرِ قریش کا ساتھ دو۔ مسلمان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ

سکیں گے۔"

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس خفیہ سازش کی خبر ہوئی تو آپ نے بنو قریظہ کو معاہدہ کی یاد دہانی کرائی لیکن ان بدبختوں نے نہایت مغرورانہ انداز میں جواب دیا کہ:

"جاؤ جاؤ ہم نہیں جانتے کیسا معاہدہ؟ اور کون محمدؐ؟"

آخرکار اس لشکرِ عظیم نے اس شدت کے ساتھ حملہ کیا کہ مدینہ کی زمین دہل گئی اور دُور دُور تک اس کی دھمک محسوس ہوئی۔

اس سے بھی زیادہ سخت اور شدید تر امر یہ تھا کہ محاصرہ برابر طول کھینچتا چلا جا رہا تھا اور مسلمانوں کو تین تین فاقے پیہم گذر رہے تھے اور خود آقائے دوجہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے شکموں پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ اس پر چوبیس گھنٹے کی روزانہ

Marfat.com

پریشانی اور محنت شاقہ ۔ مقابلہ تو اس لشکرِ عظیم کا ممکن ہی نہ تھا اس لیے شہرِ مدینہ کے اردگرد کافی گہری خندق کھود لی تھی آخر کار ایک دن دشمنوں نے خوف ناک حملہ کر کے ایک طرف سے خندق کو عبور کر لیا۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی اور دن بھر پوری شدت کے ساتھ مسلسل جنگ ہوتی رہی حتیٰ کہ خود رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازیں بھی اس مصروفیتِ جنگ میں قضا ہو گئیں کہ دم مارنے کی تو فرصت ہی نہ تھی۔ پورے بارہ گھنٹہ تک تو برابر تیروں کا مینہ برستا رہا۔ پتھر اس کثرت سے آ رہے تھے کہ اپنی جگہ سے ہلنا اور ہٹنا بھی مشکل تھا۔ مسلمان بھوکے پیاسے محاصرے کے مارے لڑ رہے تھے ۔ بنُو قریظہ نے مسلمانوں کو اس قدر مصروف دیکھا اور قلعہ کو مردوں سے خالی پایا جہاں مسلمان عورتیں اور بچے پناہ گزین تھے تو ان بدبختوں نے خواتین پر حملہ کرنے کی سعی کی، وہ تو حضرت صفیہؓ کی ہوشیاری، عقل مندی، دلیری اور بہادری عین وقت پر کام آ گئی ورنہ یہ خبیث تو اپنا کام کر ہی چکے تھے۔

آخرِ کار اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ نے اپنے بندگانِ خاص کی دعا سُنی اور دشمنوں کی تباہی و بربادی کے اسباب پیدا کر دیئے۔

رسد کی قلّت نے محاصرین کو حد درجہ پریشان و سراسیمہ کر کے رکھ دیا۔ چوبیس ہزار فوجیوں اور ہزاروں حیوانوں کی روزانہ خوراک مہیّا کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، کوئی مذاق نہ تھا اس پر مستزاد یہ کہ یکبارگی

Marfat.com

اور اچانک اس زور کی آندھی آئی کہ لشکرِ کفار کے خیموں کی چوبیں اکھڑ گئیں خیمے اڑ گئے اور چولہوں پر دیگچیاں نہ ٹھہر سکیں۔ اضطراب و انتشار پھیل گیا۔ دشمنوں کے لشکر میں باہم پھوٹ پڑ گئی اور بائیس روز کے بعد محاصرین خود ہی محاصرہ چھوڑ کر چل دیئے۔

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک نے اسی امر کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ؕ

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو جب کہ تمہارے اوپر فوجوں کی فوجیں آپڑی تھیں تو ہم نے ان پر ہواؤں اور آندھیوں کو مسلّط کر دیا اور اپنی طرف سے اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تمہیں نظر نہ آتی تھیں۔"

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ویسے تو مسلمانوں کا نقصان بہت ہی کم ہوا لیکن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تیر کا زخم ایسا کاری لگا کہ خون ہی بند نہ ہوتا تھا اور چند روز کے بعد یہ اسی زخم کے باعث شہادت کا جام نوش فرما گئے۔ مسلمانوں کی اس فقید المثال مدافعت و جنگ نے عرب ہی کو نہیں بلکہ دنیا بھر کو

محوِ حیرت اور انگشت بدنداں بنادیا۔

صُلح حُدیبیہ

تقریباً پُورے ایک سال تک آپؐ بالکل خاموش رہے۔ مسلمان بھی بے چین اور مُضطرب تھے۔ آخر کار آپؐ حج کے ارادہ سے مکّہ کی طرف روانہ ہُوئے۔ قُریش جنگِ اَحزاب میں نیچا دیکھ چُکے تھے مگر وُہ پھر اکڑ گئے اور مسلمانوں کو حج وعمرہ کی اجازت دینے سے صاف اِنکار کردیا۔ آپؐ کا شعارِ عمل تھا کہ آپ حُجّت پُوری کرکے تلوار میان سے نکالا کرتے تھے۔ آپؐ نے پیغام بھجوایا کہ :

"اگر نہیں مانتے ہو تو بہتر ہے کہ ایک طویل مُدّت کے لیے صُلح کرلی جائے کہ تم بھی تھک گئے ہو، اور جنگ لڑنے کے قابل نہیں رہے ہو۔ مجھے عربوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دو، اور اگر اِس پر بھی راضی نہ ہُوئے تو قسم ہے مجھے اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مَیں اپنے خُون کے آخری قطرہ تک تم سے لڑُوں گا۔"

لیکن !

فتنہ پرداز تو یہ پیغام بھی سُننے کے مُتحمّل نہ تھے مگر کچھ سنجیدہ لوگوں کی افہام وتفہیم کے بعد قُریش کی طرف سے عروہ نے آکر کہا :

"محمّد (صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم) دیکھو ! اگر تم لڑکر کامیاب ہو گئے تو تمہاری ہی قوم تباہ ہوگی، اور اگر

کہیں ہوا پلٹ گئی تو تمھارے یہ رُفقاء تمھیں چھوڑ کر
بھاگ کھڑے ہوں گے۔"

اِس پر مسلمانوں کو جوش آگیا اور حضرت اُبُوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے متین بزرگ نے غضب ناک ہوکر کہا :

"کم بخت ! کیا کہا ہم اور رسولِ امینؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے ؟"

یہ پہلا موقع تھا کہ مخالف کیمپ کا کوئی شخص لشکرِ اسلام میں آیا ہو۔ عُروہ نے صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری و محبّت کے مناظر بہ چشمِ خود دیکھے اور مُتحیّر ہوکر واپس ہُوا اور قریش سے کہا :

"اے سردارانِ قریش ! میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں لیکن جو جوش و عقیدت اور جو والہیّت و ہیبت اور جو اتّحاد و اطاعت میں نے لشکرِ اسلام میں دیکھا وُہ بالکل نئی چیز تھی، کوئی شخص محمّد (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی طرف نظر بھی نہیں کرتا۔ وضو کا پانی برکت کے لیے حاصل کرنے کی خاطر مسلمان ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اُنؐ کے تھوک کو ہاتھوں میں لے کر فوراً چہرے یا جسم پر مَل لیا جاتا ہے۔"

لیکن پھر یہ جونک بھلا کب لگتی ہے قریش بڑی مشکل سے رضا مند ہُوئے اور ان شرائط پر صلح ہوگئی کہ :

۱۔ مسلمان اِس سال حج یا عمرہ ادا کیے بغیر واپس چلے جائیں۔
۲۔ مسلمان حج کے لیے اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام

کر کے واپس لوٹ جائیں۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جُلبّان یعنی تھیلہ میں ہو۔

۴۔ مکّہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہوں ان میں سے کسی کو بھی مسلمان اپنے ہمراہ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی مکّہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزین ہو جائے تو اسے فوراً واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے بھاگ کر مکّہ میں پہنچ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

یہ تمام شرطیں بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اس لیے اس مصالحت کو پسند نہ کیا گیا مگر درحقیقت یہ فتح عظیم تھی۔ دونوں کو باہم ملنے جلنے کا موقع ملا اور اسلام کو بہت ترقی نصیب ہوئی۔

غزوۂ موتہ اور فتح مکّہ

نواحِ مکّہ میں بنو خزاعہ اور بنو بکر دو طاقتور قبائل مدت سے برسرِ پیکار چلے آ رہے تھے مگر کفر و اسلام کی معرکہ آرائیوں کے دوران یہ جنگ و پیکار بند ہو گئی تھی۔ صلح حدیبیہ کے وقت بنو خزاعہ

نے حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا حلیف بن کر معاہدہ میں شرکت کی تھی اور بنو بکر نے کفّارِ قریش کا ساتھ دیا تھا۔ اب صُلحِ حُدیبیہ کی وجہ سے جب امن کی فضا قائم ہو گئی تو ان دونوں قبیلوں کی معاندانہ قوّتیں پھر عود کر آئیں۔ ان کی شکر رنجی سے قریش نے فائدہ اُٹھایا اور یہ پروگرام بنایا کہ رسولِ امینؐ کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ کا بنو بکر کے ہاتھوں خاتمہ کرا کے اسلام کی قوّت کو نقصان پہنچایا جائے۔ چنانچہ بظاہر تو یہ معاہدہ حُدیبیہ کی وجہ سے علیحدہ رہے مگر خفیہ طور پر بنو بکر کو شہ دے کر نہ صرف یہ کہ اچانک بنو خزاعہ پر رات کو حملہ کرا دیا بلکہ جب بنو خزاعہ نے اس اچانک اُفتاد سے گھبرا کر حرم پاک کے اندر پناہ لی تو کفارِ قریش نے بھیس بدل کر بنو بکر کے شانہ بہ شانہ بنو خزاعہ کو قتل کرنے میں حصّہ لیا اور عین صحنِ حرم میں بے گناہ بنو خزاعہ کا خون بہایا۔

بنو خزاعہ کے چند زخمی سوار دربارِ رسالت میں فریاد لے کر پہنچے۔ آپؐ کو قریش کی اس ظالمانہ حرکت پر بڑا دُکھ ہوا۔ آپؐ نے فوراً قریش کے نام پیغام بھجوایا کہ:

"یا تو قریش بنو بکر کی حمایت سے علیحدہ ہو کر بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خوں بہا ادا کریں۔ اگر انھیں یہ صورت منظور نہ ہو تو پھر معاہدۂ حُدیبیہ کی شکست کا برملا اعلان کر دیں!"

قریش نے دوسری صورت کو منظور کر لیا اور معاہدۂ حدیبیہ کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد آپؐ نے دس ہزار کا لشکرِ عظیم ہمراہ لے کر فوراً مکہ فتح کر لیا۔ قریش کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ آپؐ نے کعبہ معظمہ کو بتوں سے صاف کیا۔ صحنِ حرم میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد ایک جاہ وجلال پیغمبرانہ سے بھرپور دربار منعقد کیا اور زبردست تقریر کی۔ لوگوں سے بیعت لی۔ تمام سردارانِ قریش اور مفتوحین کو نہایت فراخ دلی اور رحم دلی کے ساتھ معاف کر دیا اور پندرہ روز مکہ شریف میں رہ کر مدینہ واپس لوٹ آئے۔

شرحبیل نے قاصدِ اسلام حضرت حارث بن عمیرؓ کو بلا وجہ محض عناد کی بنا پر قتل کر دیا تھا اس لیے آپؐ نے تین ہزار مجاہدین پر مشتمل فوج کو قصاص لینے کے لیے شام کی طرف روانہ کیا لیکن ادھر سے شرحبیل نے اطلاع پا کر پوری ایک لاکھ فوج اکٹھا کر کے مقابلے پر لا کھڑی کر دی۔ مسلمانوں نے بڑی جرأت اور دلیری کے ساتھ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیا۔ متعدد نامور صحابہؓ شہید ہو گئے۔ بے شمار شامی قتل ہوئے۔ جب فوج کی کمان یکے بعد دیگرے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں آئی تو انھوں نے زبردست مقابلہ کے بعد اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا اور مدینہ واپس پہنچ گئے۔ یہ غزوۂ موتہ تھا۔

Marfat.com

غزوۂ حُنَین

قبائلِ ثقیف اور ہوازن' یہی نہیں کہ بہت طاقت ور، بہت جنگجو، بہت کثیر التعداد اور مشہور قبائل تھے بلکہ نسبتاً خوشحال اور ماہرِ فنونِ جنگ بھی تھے۔ فتحِ مکّہ کے بعد ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا کہ اب انھیں اپنی ریاست اور بالادستی ختم ہوتی نظر آئی۔ انھوں نے نہایت زور شور کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں اور پھر زبردست لشکر لے کر ایک دن مدینہ کی طرف بڑھے۔

اُدھر نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی ان کی قوّت سے اچھی طرح واقف تھے۔ آپؐ نے ایک یہودی عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم قرض لے کر تیاری کی۔ بارہ ہزار نفوس پر مشتمل لشکر مجتمع ہوا۔ اور یہ عظیم لشکر اس کرّوفر اور شاندار ساز و سامان کے ساتھ روانہ ہوا کہ چند مسلمانوں کے منہ سے یہ نعرہ نکل گیا:

"آج عرب میں کون ہے جو ہم پر غالب ہو سکے"!

اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کو یہ غرور و تعلّی سے بھرے ہوئے الفاظ پسند نہ آئے کہ بجائے شکر کے یہ تکبّر؟

نتیجہ یہ ہوا کہ پہلی ہی ٹکّر میں فرزندانِ توحید کے قدم اُکھڑ گئے ثقیف و ہوازن والے غضب کے تیر انداز تھے۔ تیروں کی بارش آندھی اور طوفان کی طرح ہوتی رہی۔ مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے لیکن

رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تنہا میدان میں رہ گئے اور چٹان کی طرح کھڑے ہو کر پیغمبرانہ رجز پڑھتے رہے۔

مسلمانوں نے آپ کو یوں ڈٹ کر کھڑے دیکھا تو بھاگتے ہُوئے قدم رُک گئے۔ سب لوگ آپ کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے ان کی ہمّتیں تازہ ہو گئیں۔ اب جو یہ شیر غُرّاں کی طرح بڑھے ہیں تو دشمنوں کی فوج کائی کی طرح پھٹ گئی۔ ستّر لاشے پڑے میدان میں تڑپ رہے تھے۔ مسلمانوں نے بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقُب کیا اور سینکڑوں کو گرفتار کر لیا۔

معرکۂ اوطاس ثقیف و ہوازن کے شکست خوردہ افراد نے بھاگ کر اوطاس میں جا کر قیام کیا اور پھر اپنی طاقت کو نئے سرے سے مجتمع کر کے درید کی سرکردگی میں چند ہزار سپاہیوں کو لے کر مقابلے پہ آ گئے۔ درید قتل ہُوا اور ہزاروں کو گرفتار کر لیا گیا۔

گرفتار شدگان میں حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی رضاعی بہن حضرت شیما رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

بہن — اور پھر — رسُولِ امین کی بہن !

گرفتار ہوتے وقت کہنے لگیں :

"جو کرنا ہے کر لو لیکن یہ سمجھ لو کہ مَیں رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی رضاعی بہن ہُوں۔"

Marfat.com

دربارِ نبوت میں جس وقت حضرت شیمارضؓ نے اپنا شانہ برہنہ کر کے دکھایا تو کہا :

"یہ وہ نشان ہے جو آپؐ نے بچپن میں ایک بار اپنے دانتوں سے کاٹا تھا۔"

جب آپؐ نے یہ یادگار نشان دیکھا تو فرطِ محبت سے آپؐ کی آنکھیں ڈب ڈبا آئیں۔ فوراً کھڑے ہو گئے۔ اپنی چادر مبارک زمین پر بچھائی اور بڑے پیار سے بہن کو اس پر بٹھایا اور پھر دیر تک محبت و شفقت بھری باتیں کرتے رہے۔

پھر ارشاد فرمایا :

"بہن شیما! اگر جی چاہتا ہو تو میرے گھر چلو ورنہ کہو تو میں تمھیں تمھارے گھر بھجوا دوں!"

بولیں : "اب تو گھر ہی جاؤں گی۔"

آپؐ نے فوراً کچھ اونٹ اور چند بکریاں مرحمت فرما کر بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کر دیا۔

طائف والوں سے مقابلہ

حُنین و اوطاس کی مفرور فوج طائف کے مضبوط قلعہ میں جا کر محصور ہو گئی

جب اسلامی فوج وہاں پہنچی تو انھوں نے قلعہ پر سے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ چند روز کے محاصرہ سے مسلمان تنگ آ گئے کیوں کہ محصورین قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی ہمت ہی نہ رکھتے تھے

Marfat.com

اس لیے آپ نے تو مزید مقابلہ بے کار سمجھ کر مجاہدین کو واپسی کا حکم دے دیا لیکن ایک اور طاقت ور قبیلہ کے سردار صخر نے آکر ان پر زبردست حملہ کر دیا اور پھر پے در پے حملوں سے ان کے ہوش ٹھکانے کر دیئے۔ آخرکار مجبور ہو کر انھوں نے سردار صخر کی اطاعت قبول کر لی۔

رحم و فیاضی کا شاندار مظاہرہ

ثقیف و ہوازن کی تینوں جنگیں بہت عظیم جنگیں تھیں۔ چھ ہزار تو صرف اسیران جنگ کی تعداد تھی جن کی مخلصی کے لیے زہیر کی قیادت میں ایک معزز سفارت خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اس موقع پر زہیر کی تقریر اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فیاضی دونوں ہی اپنی اپنی جگہ شہرت کی حامل ہیں۔

زہیر آخر ایک فصیح و بلیغ قبیلے کا رئیس تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر ایک معرکۃ الآرا تقریر کرتے ہوئے کہا کہ :

"محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! جانتے ہو کہ ہم کون ہیں؟ اور جو عورتیں تمھاری قید میں ہیں وہ کون ہیں؟ یہ سب عورتیں تمھاری پھوپھیاں، تمھاری خالائیں اور تمھاری بہنیں ہیں۔ وہ ہمارا ہی خاندان ہے جس کا دودھ تم نے پیا ہے۔ وہ ہم ہی ہیں جنھوں نے چھ سال تک تمھیں پالا پوسا۔ کھلایا پلایا، اور

بڑا کیا۔ تم تو پھر ہمارے فرزندِ جلیل ہی نہیں پیغمبر ہو، اگر سلاطینِ عالم میں سے بھی کسی کو ہم سے یہ رضاعی تعلق ہوتا تو وہ بھی ہم سے رعایت کرتا۔"

جب چشمِ رسالتؐ اٹھی تو دُر ہائے اشک سے لبریز تھی۔ مسلمان جاں نثار تو تھے ہی، رمز شناسِ مزاج بھی تھے۔ ادب و احترام سے کہنے لگے:

"ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان آپؐ رنجیدہ کیوں ہو گئے۔ آپؐ تو مختار ہیں جو چاہیں اپنے ان قرابت داروں سے سلوک کریں۔"

بس پھر کیا تھا! دیکھتے ہی دیکھتے چھ ہزار کے چھ ہزار اسیرانِ جنگ آزاد تھے۔ اس جنگ میں چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور چوبیس ہزار اونٹ ہاتھ آئے تھے۔

آپؐ نے جدید الاسلام مسلمانوں حکیمؔ، نضرؔ، قیسؔ اور سہیلؔ کو فیاضانہ عطایا دیئے۔ باقیوں کو سو سو اور پچاس پچاس اونٹ مع سب سامان کے بانٹ دیا۔

لیکن!

خود کیا رکھا؟

کچھ بھی تو نہیں!

کیا دنیا ایسے سپہ سالار پیدا کر سکتی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلّم کو دس سال کے عرصہ میں چھوٹی بڑی اسّی لڑائیاں لڑنا پڑیں جن میں مجموعی طور پر صرف ۱۰۱۸ مسلمان و کفّار شہید و قتل ہوئے غالباً بدوِ عالم سے لے کر آج تک کوئی بھی ایسا فرماں رَوا، ایسا مُصلح ایسا ریفارمر اور ایسا جلیل القدر پیغمبر پیدا ہوا ہے؛ جس نے اتنی قلیل قربانیوں سے اتنا مُہتم بالشّان کام کر کے دکھا دیا ہو، اور وُہ بھی ایک ایسے مُلک میں جس میں رہنے والوں کی کوئی کل بھی سیدھی اور کوئی بھی پہلو درست نہ ہو !

مکمل عکسی
کتاب نماز

تالیف

عبدالرحمٰن خان میواتی

کتب خانہ شانِ اسلام اردو بازار لاہور

Marfat.com

رحم دِل فاتح

ارضِ عالم پر بڑے بڑے جلیل القدر فاتح رُونما ہُوئے اور دُنیا کی تقریباً ہر قوم نے اپنی عُمر کے کسی نہ کسی دَور میں فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کسی نے بھی مفتوحوں کے ساتھ رَوا داری نہ برتی بلکہ اُن کے نزدیک مغلوب قوم پر جبر و تشدّد، ظلم، اُس کے مذہب کو مٹانا، اُس کے معابد کو مسمار کرنا، اُس کے زن و فرزند کو غلام بنانا، اُس کے سرداروں اور تاجداروں کو ذلیل و رُسوا کرنا، مقابلہ پر آکر اسیر ہونے والوں کو زندہ آگ میں جلانا اور انھیں طرح طرح کے عذاب و اذیت میں مُبتلا کر کے ہلاک کرنا کارِ ثواب رہا ہے۔ صرف اسلام اور حلقہ بگوشانِ اسلام کا وہ مذہب اور قوم تھے جنھوں نے مفتوحوں کو بھی انسان ہی سمجھا اور ان کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک بھی رَوا رکھا۔ بنی اسرائیل پر اسی نیلگوں آسمان کے نیچے اور اسی وسیع و عریض سرزمین پر بڑے بڑے خوف ناک و ہولناک مظالم تسلسل و تواتر کے ساتھ ہوتے رہے لیکن اپنے عہدِ اقتدار میں خود انھوں نے بھی جب قابو پایا مفتوحوں پر مظالم ڈھانے میں ہرگز کمی نہ کی۔ مدیان کی فتح مندی مفتوحوں کی

Marfat.com

عورتوں اور بچوں کی اسیری تمام مال و متاع کی لوٹ اور تمام شہروں اور قلعوں کی آتش زدگی کا باعث بن گئی۔ اس پر بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل پر ناراض ہوئے کہ تم نے عورتوں کو زندہ کیوں چھوڑ دیا؟ کیوں کہ توریت اعداد ۳۱ میں یہ ہدایت موجود تھی کہ:

"مفتوحوں اور دشمنوں کے لڑکوں اور بیاہی
عورتوں کو قتل کر دو، اور صرف کنواری لڑکیوں
کو اپنے لیے رکھ لو!" (عہدِ قدیم)

کریڈل آف اسلام میں صاف موجود ہے کہ جو عیسائی ترکِ مذہب کرنے کے بعد دوبارہ عیسائی ہونے سے انکار کر دیتے تھے یہودی انھیں بلا تکلف موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔

یمن کے فرماں رَوا ذونواس نے جب یہودی مذہب اختیار کیا تو عیسائیوں پر قیامتیں ٹوٹنے لگیں۔ انھیں جبرًا یہودی بنانا شروع کر دیا گیا اور جب نجران کے عیسائیوں نے یہودی مذہب اختیار کرنے سے انکار کیا تو فرماں روائے یمن نے غضب ناک ہو کر انھیں آگ میں زندہ جھونک دیا! (تاریخِ عرب)

غیر مسلم فاتحین کی سنگدلی

سلاطین باب ۱۵ میں ملاحظہ فرمائیے:

"تو انھیں سر حد تک مار، اور پیٹ والیوں کے پیٹ پھاڑ ڈال!"

اور !

عیسائیوں نے اس ہدایت کی پوری وفاداری کے ساتھ پیروی کی۔ ہسپانیہ، سسلی اور شام کے مسلمانوں کے ساتھ آتش زدگی و آتش زنی قتل و نہب اور اخراج و بربادی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا۔ رومیوں یونانیوں اور صلیبی مجاہدوں نے رچرڈ اور فلپ بن کر جو قیامتیں برپا کیں وہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔

کوہستان الیکراز میں کاؤنٹ آف سیرین نے عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی ایک مسجد کو بارود سے اڑوا دیا۔ (کارنامہ مور)

اہلِ پرتگال نے ہندوستان کے جنوبی اور مغربی گوشے میں مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا۔ مسجدوں کو آگ لگائی اور ان کے ساتھ انتہائی بے رحمانہ سلوک روا رکھا۔ (تاریخ ہند)

ہرقل نے نینوا کی فیصلہ کن اور تاریخی جنگ کے بعد "شہزادۂ امن" کا اوتار ہونے کے باوجود ایرانیوں کے ساتھ کون سی کسر اٹھا رکھی۔ آذربائی جان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ پرانی ذلتوں کا دل کھول کر انتقام لیا۔ اس کے حکم سے آتش پرستوں کی آتش بہرام بجھادی گئی۔ مجوسی آتش کدے مسمار کر دیئے گئے۔ زردشت کے مولد قریہ ارمیاہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔

فنتس میکائیل اس ہرقلِ اعظم کے متعلق لکھتا ہے کہ اُس نے ایعقوبی عیسائیوں کے گرجے اور خانقاہیں بلا دریغ لوٹیں اور وہ نہیں

بلا وجہ ستایا۔

ربنی ڈاٹ لکھتا ہے :

"مصر کے قبطیوں پر رومیوں نے مظالم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے۔ بعض شکنجوں میں کسے جاتے تھے۔ بعض سمندروں میں گرائے جاتے تھے اور بعض اپنے پیشواؤں سمیت جلاوطن کر دیئے جاتے تھے۔ شاہ جسٹن ین نے صرف ایک شہر اسکندریہ میں دو لاکھ قبطیوں کو ایک ہی یلغار میں قتل کیا۔"

مؤرخ میکاڈ صلیبی عیسائیوں کے ظلم و جور کے بارے میں تحریر کرتا ہے کہ :

"ان عیسائیوں نے وہ ظلم و ستم ڈھائے جن کے ذکر ہی سے قلب کانپ اٹھتا ہے۔ شہر نائس تک وہ شہروں کو تباہ کرتے اور لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اتارتے چلے گئے۔ محض جوان عورتوں کو اپنی بدمستیوں کے لیے زندہ رکھ لیتے تھے۔ سلطان صلاح الدین نے انھیں فنا کیا۔ تیسری جنگ میں خود یلغاریوں نے ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ پانچویں صلیبی جنگ بہت وحشت ناک تھی۔ گاڈفرے شاہ بولان کے ماتحت یورپ بھر کی سات لاکھ افواج روانہ ہوئیں۔ انطاکیہ میں دو ہزار مسلمانوں کے سر کاٹ کر مثلہ کیا اور محصورین کو دکھا دکھا کر مزے

سے کھا گئے اور دُوسرے موقع پر مسلمانوں کی نعشیں قبروں سے نکال کر ان کی کھوپڑیاں نیزوں پر چڑھا کر نمائش کی۔

انطاکیہ اور مرّۃ الیعمان کو فتح کیا تو وہاں کے ہر گھر کو قصّاب خانہ بنا کے رکھ دیا۔

صرف میکاڈ ہی نہیں کہتا، تاریخ ملّنر بھی پڑھ کر دیکھ لو انھوں نے بیتُ المقدّس میں کیا قیامت برپا کی۔ عالیشان عمارتوں مسجدوں مدرسوں اور خانقاہوں وغیرہ سب کو تباہ و برباد کر دیا۔ بچّوں عورتوں بُوڑھوں کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ انھیں ان کے مکانوں میں بند کر کے آگ لگا دی۔

ساتویں صلیبی جنگ میں رچرڈ شاہ انگلستان، فلپ شاہ فرانس اور فریڈرک شاہ جرمنی شریک تھے۔ شہر عقر کا دو برس محاصرہ رہا۔ آخر کار محاصرین امان دیئے جانے کے وعدہ پر باہر نکلے لیکن رچرڈ نے عہد شکنی کر کے سب کو یکدم قتل کر دیا۔

نویں صلیبی جنگ میں مؤحّد عیسائیوں ہی کے تمام معابد اور گرجوں میں قسطنطنیہ کے اندرون عیسائی سُورماؤں نے آگ لگا دی اور سینٹ صُوفیہ کا عظیم الشّان گرجا صرف بیش بہا پتھّروں کی خاطر گرا دیا گیا۔

غرض یہ ہے کہ گو یہ جنگیں خالص مذہبی جنگیں تھیں مگر ان عیسائیوں نے جس طرف سے بھی وہ گذرے، قتل و غارت کے

Marfat.com

طوفان برپا کر دیئے۔ مسلمان، یہودی اور عیسائی تک ان کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہے۔ آگ لگانا، معابد جلانا اور امان دے کر بھی سب کو قتل کر دینا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ شام کو انھوں نے تباہ کر کے رکھ دیا اور لاکھوں انسانوں کو ذبح کر ڈالا۔

یہودی اور عیسائی فاتحین کی خون آشامی

یہودی اور عیسائی فاتحین کی انسانیت اور خون آشامی کی داستانوں کا اجمالی خاکہ آپ کی نظر سے گذر چکا ہے۔ اب ایرانیوں کی فاتحانہ تاختوں کا حال سنیئے جو مجوسی مذہب رکھتے تھے۔ اَرَدشیر بابکان کا بیٹا شاپور بڑا پرشکوہ اور اقبال مند بادشاہ تھا جو حریفوں کے شانے اُکھڑوا دیا کرتا تھا۔ اُس نے رُومیوں پر بڑے خوفناک حملے کیے اور ایک معرکہ میں قیصر ولیریَٹین کو گرفتار کر لیا اور اس کی یہ تذلیل کی کہ جب شاپور اپنے گھوڑے پر سوار ہوا کرتا تھا تو قیصر کی گردن پہ جُوتے سمیت پاؤں رکھ کر چڑھتا تھا۔ قیصر کے مرنے پر بھی شاپور کا جوشِ انتقام سرد نہ ہو سکا اور اس نے قیصر کی کھال کھنچوا کر اس میں بُھس بھروا دیا۔

نوشیرواں نے بھی رُومیوں کو عبرت ناک شکستیں دیں۔

افریقہ کی مہم کو حق بجانب بنانے کے لیے منذر کو حارث سے بھڑا دیا گیا اور انطاکیہ کو جلا کر خاکستر کر ڈالا۔ فرقہ مزدکیہ کے اٹھارہ ہزار افراد کو ناحق قتل کیا۔ (تاریخِ ایران۔ سرجان مالکم)

گشتاسپ کے بیٹے اسفندیار نے متعدد جہاد کیے اور جہاں بھی گیا زبردستی اپنے مجوسی مذہب کو رواج دیا۔ (مشاہیرِ عالم)

خسرو پرویز بھی بڑے طنطنہ کا بادشاہ گزرا ہے۔ ہرقل نے اس کی خدمت میں مستمندانہ سفارت بھیجی اور بہت منت و خوشامد سے بھرپور پروانہ لکھا۔ خسرو کے سپہ سالار سینا نے بھی ہرقل کی سفارش کی۔ خسرو متاثر ہوتا تو کجا اُلٹا آگ بگولہ ہو گیا اور بولا:

"اس نابکار سینا کا فرض تو یہ تھا کہ وہ ہرقل کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے قدموں پر لا ڈالتا۔ میں تو اس پر اُس وقت تک رحم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں جب تک ہرقل اپنے مصلوب خدا کی پرستش چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ نہ کرنے لگے۔"

تمام سفرا قید کر لیے گئے۔ سینا کو یہ سزا دی گئی کہ اس کی کھال کھنچوا کر اُس میں بھس بھروا دیا گیا اس کے بعد خسرو پرویز فوراً قسطنطنیہ پر چڑھ دوڑا اور ان شرائط پر صلح کر کے لوٹا کہ:

"ہرقل ہر سال ایک ہزار ٹیلنٹ چاندی، ایک ہزار حُلّہ ریشمی، ایک ہزار نادر گھوڑے اور ایک ہزار کنواری خوب صورت اور دوشیزہ لڑکیاں بطورِ خراج ادا کیا کرے گا۔"

ہرقل مجبور تھا اس لیے نہ چاہنے کے باوجود اسے یہ تمام شرائط منظور کرنا پڑیں۔

ایک اور حملہ کے دوران میں بیت المقدس پہنچ کر خسرو پرویز نے مرقدِ مسیح، کلیسائے ملکہ ہلینا اور کلیسائے قسطنطین اعظم میں آگ لگادی۔ مقدس صوامع و معابد کے جواہرات لوٹ لیے اور صلیبِ مقدس اکھڑوا کر مدائن بھجوادی۔

بیت المقدس میں خسرو پرویز نے قتل عام کر کے ۹۰ ہزار عیسائی قتل کر دیئے جب کہ عیسائیوں نے بھی اس شہر کو فتح کرنے کے بعد اتنے ہی مسلمانوں کو شہید کیا تھا پھر اس نے مغربی افریقہ پہنچ کر برقہ کی تمام رومی نوآبادیوں کو خاک سیاہ کیا۔

رومی اور ہندو فاتح

بخت نصر بابل کا بڑا مقتدر اور صاحبِ جبروت فرماں روا تھا صائبی مذہب رکھتا تھا جسے اس نے بزورِ شمشیر پھیلایا۔ اس نے یہودیوں پر یلغار کر کے انھیں تباہ کر ڈالنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا بیت المقدس میں آگ لگادی اور جتنے قتل ہو سکے اتنے قتل کیے اور جو بچ رہے ان سب کو قید کر کے بابل لے آیا جہاں سے ستّر برس کے بعد انھیں رہائی نصیب ہوئی۔ اس نے وہ خوف ناک مظالم ڈھائے جن کی نظیر روئے زمین پر صلیبی مجاہدین ہی میں مل سکتی ہے۔

سنہ ۱۷۱ قبل از مسیح ایک رومی بادشاہ انیٹوکس (شاہ سیریا) یہودیوں پر درندوں کی طرح جھپٹا۔ بیت المقدس اور ہیکل مقدس کو نیست و نابود کر دیا۔ ہزارہا بنی اسرائیل تہ تیغ ہوئے۔ شہر اور ہیکل ہی کو

Marfat.com

نہیں بلکہ اُن کی تمام کُتُب مقدسہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلا دیا اور حکم دیا کہ جس کے پاس عہد عتیق کی کوئی کتاب موجود پائی جائے گی یا کوئی اپنی شریعت کی بجا آوری کرتا پایا جائے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ہر مہینے باضابطہ طور پر تحقیقات بھی کی جاتی تھی۔

۷۰ء میں روم کے بادشاہ ٹیٹس نے حملہ کر دیا اور لاکھوں آدمی تہ تیغ کر دیئے اور شہر بیت المقدس اور ہیکل میں آگ لگا دی۔ توریت کے تمام نسخے اپنے ساتھ لے گیا۔

پھر اس حملہ کے ۶۵ برس کے بعد آدرین قیصر روم شام و فلسطین پر چڑھ دوڑا۔ اس نے شہر بیت المقدس اور ہیکل کو تباہ و برباد کر کے اس پر ہل چلوا دیئے۔ اس جگہ جیٹر یت کا مندر بنوایا اور اپنے خاندان کے نام پر بیت المقدس کا نام ایلیا رکھ دیا۔

رُوم کی سلطنت اس عہد میں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی، اور جیوپٹر و مشتری کی پوجا سلطنت اور سلطنت والوں کا شعار تھا۔

ڈیوکلیٹین ۲۸۴ء میں صدر جمہوریہ رُوم قرار پاتا ہے۔ مذہب اس کا بھی بُت پرستی ہے۔ اس نے پہلا حکم یہ دیا کہ مذہب تبدیل کرنا سب سے بڑا جرم ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رُوم میں عیسائیت پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ اس زمانہ میں جو لوگ عیسائی مذہب اختیار کرتے تھے انھیں طرح طرح کے عذاب دیئے جاتے تھے۔ زندہ آگ میں جلا دینا، لوہے کے کانٹوں سے کچوکے دینا، دہکتی آگ میں ان کا بدن جھلسانا

Marfat.com

عام سی باتیں تھیں اور سب سے بڑی غدّاری یہی سمجھی جاتی تھی۔

یہ تو تھی ڈیوکلیٹین بُت پرست قیصرِ رُوم کے عہدِ حکومت کی حالت!
چوتھی صدی عیسوی میں ایک نیا انقلاب رُونما ہُوا، اور سلطنت کا مذہب عیسائیت قرار دے دیا گیا۔

تھیوڈوسیس کے عہد میں رومن جمہوریہ "جیو میٹر" کی پُوجا ترک کر کے حضرت مسیحؑ کے اتّباع کے حق میں فیصلہ دے دیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ قلمرو میں بُت پرستی کے استیصال کے احکام صادر کر دیئے گئے۔ بُت پرستوں کی قُربانیاں اور چڑھاوے جُرم قرار دیئے گئے اور فرمان جاری ہو گیا کہ بُت پرستی کے تمام آلات اور پُجاریوں کی ساری جائدادیں بحقِ حکومت ضبط کر لی جائیں اور تمام منادر میں قُفل ڈال دیئے جائیں۔
اِن احکامات کی تعمیل میں صُوبہ گال میں ٹور کے بشپ مارٹن نے اپنے اِن کارناموں کے مناظر پیش کیے کہ بُتوں کو برباد اور مندروں کو نیست و نابود کر دیا۔

غرضیکہ ــــــ!

بُت پرستی کے استیصال کے لیے رومن سلطنت نے ایسے جابرانہ قوانین وضع کیے کہ صرف ۲۸ سال کی مختصر مُدّت ہی میں رومن سلطنت سے بُت پرستی قطعاً فنا ہو گئی اور پھر تثلیث کی پُوجا ہونے لگی۔ یہ عہدِ قدیم کی مُہذّب سلطنت کی رواداریوں کا مرقّع ہے۔

یجروید کے منتر نمبر ۲۲۸/۲، ۱۳/۱۲ اور نمبر ۱۴ میں دُشمنوں اور

مخالفوں کو بلا وجہ بھی ہلاک کرنے، جلانے اور تباہ و برباد کرنے کے احکام موجود ہیں۔

لالہ لاجپت رائے نے اپنی تاریخ ہند کے حصّہ اوّل میں اعتراف کیا ہے کہ:

"ہندوؤں نے بدھوں اور جینیوں پر اور جینیوں اور بدھوں نے ہندوؤں پر بے پناہ ظلم کیے۔ پانڈیہ کے راجہ ناتنے نے جینیوں کو بہت ستایا۔ یہ راجہ خود تو کٹر جینی تھا مگر اپنی چہیتی رانی کی ترغیب پر اس نے شیومت اختیار کر لیا اور پھر جینیوں پر مظالم ڈھانا شروع کر دیئے۔ اس نے آٹھ ہزار جینیوں کا چمڑا اُتروا دیا اور اسی طرح انھیں دردناک عذاب دے دے کر ہلاک کیا۔"

گرو گوبند جی مسلمانوں کے قتل کرنے کو ثواب عظیم اور اپنی نجات کا موجب سمجھتے تھے۔ (تاریخ پنجاب کنھیا لال)

جنم ساکھی میں لکھا ہے کہ:

"خالصہ جی پر فرض و واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کی سعی کریں"!

"برہمنوں کی لیلا" ایک مشہور کتاب ہے جس میں لکھا ہے کہ:

"جینیوں نے وید اور ہندوؤں کی جتنی کتابیں ہاتھ لگیں سب کو تلف کر دیا۔ آریوں پر حکومت کی اور انھیں خوب ستایا"!

Marfat.com

ٹاڈ راجستان میں لکھا ہے کہ :

"سنہ ۸۰۰ء میں جینیوں کو بڑا اقتدار حاصل تھا انھوں نے مفتوحین پر جزیہ عاید کیا۔ ہنود کو بہت ایذائیں دیں کیوں کہ یہ ان کے اشد و شدید دشمن تھے۔ آخر کار شنکراچارج نے انھیں غارت کیا۔"

اہلِ ہند کی فاتحانہ زندگی کے مظاہر

سداشیو مرہٹہ جب دہلی پر حملہ آور ہوا تو اس نے ایوانِ خاص اور دیوانِ عام کی چھتیں توڑ ڈالیں، اور سلاطین و اولیائے کرام دہلی کے مزارات سے جس قدر بھی آلاتِ نقرہ دستیاب ہو سکے لوٹ لیے اور سب کے روپے ڈھال کر ساتھ لے گیا۔ (گلستانِ ہند۔ راجہ درگا پرشاد)

بدن سنگھ مہاراجہ بھرت پور نے بھی دہلی کو لوٹ کر بے شمار دولت حاصل کی۔ (وقائع راجپوتانہ۔ جوالا سہائے)

میلوکوٹ میں سری وشنو برہمن رہا کرتے تھے۔ یہ مندر قیمتی زر و جواہر سے لبریز تھا۔ مرہٹوں نے اسے لوٹ لیا اور تمام مندروں اور متبرک مقامات کو نذرِ آتش کر دیا۔ (سوانح عمری حیدر علی)

نالندہ کی خانقاہ جو بدھوں کی عبادت گاہ تھی، برہمنوں نے اسے تین بار لوٹا اور منہدم و مسمار کیا۔ (تاریخ ہند)

چندیری، رنتھن پور اور سارنگ پور کی مسجدوں اور خانقاہوں کو

Marfat.com

رائے سین نے رانا اور میدنی رائے کے حکم سے گوبر سے لیپا اور پھر ان کے اندر مویشی باندھے۔ (فرشتہ)

راجہ دیو رائے نے فیروز شاہ کی سلطنت کا کچھ حصّہ فتح کر کے مساجد کو مسمار کیا اور مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ (فرشتہ)

راجپوتوں نے قاضیوں کو پکڑ کر ان کی ڈاڑھیاں منڈوا دیں اور قرآن پاک کی جلدوں کو کنوؤں میں پھینکوا دیا۔ (ٹاڈ راجستان جلد اوّل صفحہ ۴۰۶)۔

بندہ بیراگی کے مظالم کے بارے میں تو کچھ کہنا ہی فضول ہے یہ تو ایک مجسّم قہر الٰہی تھا۔ یہ جہاں جہاں پہنچا مسلمانوں کی مسجدوں کو مسمار کرایا۔ مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ سرہند شریف میں قاضیوں اور مولویوں کی ڈاڑھیاں نچوائیں۔ اماں دینے کے وعدہ پر تمام مسلمان بچّوں عورتوں اور بوڑھوں کو مسجد میں داخل ہونے دیا پھر سب کو قتل کر دیا اور مسجد کو آگ لگا دی۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چروا کر بچّے نکلوا کر انھیں نیزے مار مار کر ہلاک کر دیا۔ بڑے بڑے عالی مرتبت بزرگوں پیر بہاء الحق اور پیر قطب الدّین جیسوں کی قبریں کھدوا کھدوا کر ان کی ہڈّیاں نکلوائیں اور انھیں نذرِ آتش کر دیا۔ (شمشیرِ خالصہ حصّہ دوم مصنّفہ گیان سنگھ)۔

ہنٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق راجپوت مساجد کو برابر منہدم و مسمار کرتے رہتے تھے۔

فرماں رَوا تو ہر مُلک اور ہر قوم میں لڑتے بھڑتے رہے ہیں اور اُن کی لڑائیاں اکثر ذاتی مفاد کے لیے بھی تھیں۔ بعض ہم قوم بادشاہ بھی آپس میں لڑے ہیں لیکن ہمیں دکھانا یہ ہے کہ غیر اَقوام نے ننانوے فیصد مذہب و معابد پر حملے کیے اور مسلمانوں نے ننانوے فی صد ان کا احترام کیا کیوں کہ مسلمانوں کے یہاں غیر مذہب والوں سے سختی و تشدّد مذہباً حرام ہے جب کہ دیگر مذاہب میں یہ کارِ ثواب ہے یہی وجہ ہے کہ دیگر مذاہب کے پیشواؤں اور فرماں رَواؤں نے بالعموم مذاہبِ غیر کے معابد کو تباہ کرنے اور انھیں ہر قسم کی ایذا پہنچانے میں کوئی باک نہیں کیا لیکن مسلمانوں کے مذہبی قائد حضور پُر نور رسُولِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور اُن کے غلاموں نے کبھی غیر مذاہب والوں کو محض مذہبی مخالفت کی بنا پر نہ کبھی ستایا اور نہ اِس بنا پر حملہ کیا اور نہ اُن کے معابد و مناد ر کو ہاتھ لگایا۔

مذاہبِ غیر کے فاتحین کے متعلق ہم مستند تاریخی کتب سے جستہ جستہ واقعات حوالۂ قلم کر چکے ہیں۔ اب اسلامی پیشوا اور اسلامی فاتحین کی رواداری کے متعلق ہم سے نہیں بلکہ مغربی اور ہندی فضلاء ہی کی زبان سے سُن لو کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا لکھتے ہیں :

اسلامیوں کی فاتحانہ عظمت

پروفیسر آرنلڈ لکھتے ہیں کہ :

" اگر خلفائے اسلام اپنے دل میں ٹھان لیتے تو اپنی

قلمرو سے مسیحی دُنیا کو اس طرح ملیامیٹ کر دیتے جیسے
بادشاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازبلہ نے ہسپانیہ سے اسلام
کو نکالا تھا، یا لُوئی چہار دہم شاہِ فرانس نے پروٹسٹنٹ
مذہب کو اپنے ملک میں قانونی طور پر جرم قرار دے
دیا تھا جس طرح سلطنتِ انگلستان نے ۳۵ برس
تک یہودیوں کو اپنے ملک میں داخل ہی نہ ہونے
دیا تھا۔ مشرقی کلیسا جتنے بھی ایشیا میں تھے ان کا
تعلق باقی مسیحی دُنیا سے بالکل منقطع ہو گیا تھا اور
ان میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان کی طرف انگلی بھی
اُٹھا سکتا کیوں کہ مشرقی کلیساؤں کو اصل دین سے
منحرف سمجھا جاتا تھا پس ان کا آج تک مشرقی ممالک
میں زندہ رہنا اسلامی حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا
بیّن ثبوت ہے"!

کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان کرنا یا کسی قسم کے ظلم و ستم کو روا
رکھنا عربی فتوحات میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اسلامی ممالک میں بجز ایسے
جرائم کے جو شریعتِ اسلامیہ کے خلاف سرزد ہوں۔ عیسائیوں کے
تمام مقدمات خود اُن ہی کے ججوں کے سامنے اور اُن ہی کے قانون
کے مطابق فیصلہ پاتے تھے۔ مذہب کی پیروی میں عیسائیوں کا
کوئی مزاحم نہ تھا۔ مسیحی واعظ لوگوں کو کھُلے بندوں وعظ سُناتے تھے

Marfat.com

عیسائی اپنی دینی اور مذہبی رسوم پوری آزادی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ باجوں گاجوں کے ساتھ مسیحی گیت گائے جاتے تھے اور گرجاؤں کے سب تہوار حسب معمول منائے جاتے تھے۔

(پروفیسر آرنلڈ۔ صفحہ ۱۳۵)

مسٹر رابنس لکھتے ہیں کہ:

"اہلِ اسلام کی مظفر و منصور فوجوں نے جدھر کا بھی رُخ کیا قرآن کی تعلیمات ان کے ساتھ گئیں۔ اُنھوں نے کہیں بھی جور و ظلم کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ کسی کو اس بنا پر قتل کیا کہ وہ اسلام کے قبول کرنے سے منکر تھے۔"

مسٹر جان ڈیون پورٹ، مسٹر ایچ ڈی سینٹ ہلیئر، پروفیسر آرنلڈ، موسیو لیبان، لالہ لاجپت رائے اور ٹی ایل وسوانی سبھی کو تسلیم ہے کہ اسلام کی اشاعت ہرگز بزورِ شمشیر نہیں ہوئی۔

سلطان محمود غزنوی، شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر، سلطان ٹیپو کے خلاف منادر شکنی اور ہندو آزاری کے الزامات تواتر کے ساتھ لگائے جاتے ہیں لیکن اس کے متعلق بھی خود ہندو محققین اور مغربی فضلاً کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

"سلطان محمود غزنوی نے نہ کسی ہندو کو ہندو ہونے کے باعث قتل کیا اور نہ کسی کو جبراً اپنے مذہب میں

میں داخل کیا۔" (واقعات ہند۔ تلسی رام)

الیگزانڈر ڈاؤ لکھتا ہے کہ:

"اورنگ زیب نے ہندوؤں اور غیر مذہب والوں پر کوئی سختی نہیں کی۔" (تاریخ ہندوستان جلد سوم)

تاریخ ہند کلارک مارسمین میں بھی سلطان محمود غزنوی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"اُس نے جنگ کے سوا کسی ایک ہندو کو بھی کبھی قتل نہیں کیا۔"

الفنسٹن صاحب بھی سلطان محمود غزنوی کو اس فعل سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔

مسٹر سیل کہتے ہیں کہ:

"وہ لوگ سخت دھوکا کھاتے ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہب اسلام بزورِ شمشیر پھیلا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام تو اُن لوگوں نے بھی قبول کیا جن پر مسلمانوں نے کبھی فوج کشی کی ہی نہ تھی۔"

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فتوحات

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسلام کے قائدِ اعظم ہیں۔ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لیے آپ ﷺ نے پوری زندگی وقف کر دی تھی۔ تمام مسلمان آپ ﷺ کے حکم کے

Marfat.com

بندۂ بے دام ہیں۔ اب ہم اجمالی طور پر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ آپؐ کا سلوک مفتوحوں کے ساتھ کیا رہا۔

واضح رہے کہ آپؐ پورے عرب کے فاتح ہیں اور حدود شام سے لے کر یمن بحرین حضرموت اور عمّان تک آپؐ کا اقتدار پھیل گیا تھا۔ پھر آپؐ کی تمام لڑائیاں غیر مسلموں ہی سے نہیں بلکہ اپنے تشنہ خون اور جانی دشمنوں سے ہوئیں اور اس حالت میں ہوئیں جب کہ مسلمانوں کے جذبات بھڑکے ہوئے تھے اور جو ان کے مسلّمہ معاند اور دشمن تھے اس لیے بہترین معیارِ رواداری آپؐ ہی کی فتوحات قرار پا سکتی ہیں۔ بدر کی جنگ پہلی جنگِ کفر و اسلام ہے جس میں اسلام کو تباہ اور ملیامیٹ کرنے کے لیے قریش بڑھے تھے۔ اس معرکہ میں آپؐ کو فتح حاصل ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیے !

اب اسیرانِ جنگ آپؐ کے سامنے آتے ہیں۔ لیکن آپؐ نے نہ تو ان کے قتل کا حکم دیا اور نہ ہی اسلام ان کے سامنے پیش کیا بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا کہ :

"ان اسیرانِ جنگ کو ہر طرح سے آرام کے ساتھ رکھا جائے !"

پھر تو یہ حالت تھی کہ صحابہؓ خود بھوکے پڑے رہتے تھے اور ان اسیروں کو پیٹ بھر کر کھلا دیتے تھے۔ جن قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے یا

Marfat.com

پھٹے ہوئے تھے اُنھیں کپڑے بھی دیئے گئے۔

حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں اسلام کا بدترین دشمن سمجھ کر ان کے قتل کر دینے کی رائے بھی دی تھی لیکن آپؐ نے اس رائے کو منظور نہ کیا اور پھر چار چار ہزار درہم فدیہ لے کر اُن کو چھوڑ دیا اور جن کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی وہ ویسے ہی رہا کر دیئے گئے۔ جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے اُن سے عہد لیا گیا کہ وہ دس دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور رہا ہو جائیں۔

اُدھر مکّہ میں گھر گھر ماتم برپا تھا کہ بڑے بڑے سردار تو جنگ میں کام آئے اور جو اسیر ہو گئے وہ بھی یقیناً قتل کر دیئے جائیں گے لیکن!

یہاں تو نہ خسرو پرویز تھا، نہ نوشیرواں، نہ رچرڈ تھا، نہ فلپ بلکہ فاتح رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تھے جو دُنیا کو انسانیت و اخلاق کا سبق پڑھانے آئے تھے۔

یہودیوں سے جنگ

مدینہ منوّرہ میں یہودیوں کے تین زبردست متموّل اور بااثر قبائل رہتے تھے ان کے پاس مستحکم قلعے تھے۔ اِن سب نے رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے باہمی معاونت کے معاہدے کر لیے تھے لیکن اِن سب نے غدّاریاں کیں۔ معاہدوں کی خلاف ورزیاں کیں۔ قریش سے مل کر اسلام کے استیصال اور رسولِ کریم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم

Marfat.com

کو شہید کر ڈالنے کی ناپاک سعی میں سرگرمی کے ساتھ مصروف رہے۔ غزوۂ احزاب میں انھوں نے علانیہ دشمنوں کا ساتھ دیا۔ دُنیا کی کوئی حکومت بھی ایسے دشمنوں اور غداروں کو نہیں بخش سکتی۔

لیکن آپؐ نے قابو پاکر اُن سے وُہ سلوک کیا جو ازل سے لے کر تا ایں دم کوئی فاتح ایسے خوں خوار درندوں کے ساتھ نہیں کر سکا۔ جب کہ ان معاندین کے سبب رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا رانوں کو باہر نکلنا مخدوش ہو گیا تھا۔

فتحِ بدر کے بعد یہودیوں کے ایک سب سے بہادر قبیلہ نے اسلام کو ایک اُبھرتی ہوئی طاقت بنتے دیکھ کر عہد توڑ دیا اور لڑائی شروع کر دی۔ پندرہ روز تک اُن کا محاصرہ رہا۔ آخرکار مجبور ہو کر اُنھوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ہاتھ میں دے دیا۔ آپؐ نے ہسپانیوں، مجُوسیوں، صلیبیوں اور ہندیوں کی طرح اُنھیں قتل نہیں کیا اور نہ ہی اُنھیں لُوٹا بلکہ اس پُورے قبیلہ کو صحیح سلامت شام کے علاقہ اذریحات میں جلاوطن کر دیا۔ یہ شوال ۲ سنہ ہجری کا واقعہ ہے۔ یہ قبیلہ سات سو افراد پر مشتمل تھا۔

دُوسرا قبیلہ بنو نضیر تھا!

اس قبیلہ کے پاس بھی نہایت مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعے موجود تھے۔ دولت اور اسلحہ کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ بنو قریظہ نے اس قبیلہ کو اپنی امداد کا یقین دلایا تھا۔ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین نے بھی انھیں

Marfat.com

اطمینان دلایا تھا کہ تم مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ شروع کرو۔ میں بھی دو ہزار آدمیوں کی فوج لے کر تمھاری مدد کو آتا ہوں۔

فتح الباری میں مرقوم ہے کہ یہ لوگ تلواریں سونتے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہید کرنے کو بالکل تیار کھڑے تھے کہ فوراً ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مجبور ہو کر انھوں نے اس شرط پر جلا وطن ہونے کے لیے رضامندی ظاہر کر دی کہ جس قدر مال واسباب اور دولت اپنے اونٹوں پر لاد کر لے جا سکیں لے جائیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شرط کو منظور فرما کر اس بات کی اجازت دے دی اور پھر جب وہ اپنے قلعوں سے نکل کر جانے لگے تو آپ نے ان خوں خوار درندوں کو جنھوں نے آپ پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا دیگر فاتحین کی طرح ان کے قلعوں سے نکلتے ہی تلواروں کی نوکوں پر نہیں رکھ لیا بلکہ دنیا میں یہ جلا وطنی بھی اپنی شان وطمطراق کے ساتھ بالکل عجیب ہے۔

ذرا دل فریب منظر ملاحظہ فرمائیے :

جانی دشمن و مفتوح قلعوں سے باہر نکلتے ہیں تو اس شان و شوکت کے ساتھ کہ شاہی جشن کا دھوکا ہوتا ہے۔ اونٹوں پر سوار ہیں، مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گاتی جا رہی ہیں۔ ساتھ ساتھ باجا بجتا چلا جا رہا ہے۔ خود اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس شان کا جلوس

پیشتر ازیں کبھی اُن کی نظروں سے نہ گزرا تھا۔

کیا کوئی ایسا فاتح پیش کر سکتے ہو جس نے مفتوحین کے ساتھ اس قدر شاندار اور انسانیت نواز سلوک کیا ہو ؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے غلام سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی اپنے عہد میں عیسائیوں کو بیت المقدس سے کچھ اسی شان و شوکت کے ساتھ جلاوطن ہونے کی اجازت دے دی تھی اور اس طرح سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا اعادہ کیا تھا۔

ان یہودی جلاوطنوں میں سے معزز رؤسا اپنے حواریوں سمیت خیبر میں جا کر آباد ہو گئے اور سلام، کنانہ اور حیّی وہاں کے رئیس تسلیم کر لیے گئے۔ (طبری صفحہ ۱۴۸۲)

واضح رہے کہ جنگِ احزاب انہی رؤسا کی شیطنت کا نتیجہ تھی۔ ان ملعونوں نے جوشِ انتقام سے مغلوب ہو کر قبائل عرب میں دورے کیے اور سارے ملک میں مسلمانوں کے خلاف منافرت کی آگ بھڑکا دی اور قریش کے ساتھ مل کر مدینہ منوّرہ پر حملہ آور ہونے کا سنگین جرم کر بیٹھے۔

بنو قریظہ کا خاتمہ

رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم مدینہ میں قیام کے آغاز ہی میں یہود سے معاہدہ کر کے انھیں جان و مال و مذہب غرض یہ کہ ہر چیز

Marfat.com

میں آزادی دے دی تھی لیکن قریش کی تہدید و تسوید پر یہ آمادہ بغاوت ہو گئے اور پھر مدینہ میں انھیں اپنا اقتدار بھی ختم ہوتا نظر آیا۔ بنو نضیر نے تجدیدِ معاہدہ سے صاف انکار کر دیا اور آخر کار جلاوطن ہوئے۔ بنو قریظہ نے معاہدہ کر لیا چنانچہ انھیں امان دے دی گئی اور ان پر یہ احسان کیا گیا۔

ایک یہودی سردار حیّ بن اخطب نے خیبر پہنچ کر جب قبائلِ عرب کو بھڑکایا تو بنو قریظہ کو بھی مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدہ سے منحرف کرا لیا اور اُن سے وعدہ کیا کہ :

"تم مسلمانوں کے خلاف اِس جنگ میں قریش کا ساتھ دو۔ اگر قریش حملہ سے دست بردار بھی ہو گئے تو مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ خیبر کو چھوڑ کر تمھارے پاس چلا آؤں گا۔ پھر مسلمانوں کے ہاتھوں جو حشر تمھارا ہو گا وُہی میرا ہو گا۔"

اِس وعدے کے بعد بنو قریظہ نے جنگِ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف قریش کے دوش بدوش علانیہ شرکت کی اور اُس قلعے پر حملہ آور ہونے کی کوشش بھی کی جہاں مسلمان عورتیں اور بچے محفوظ رکھے گئے تھے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگِ احزاب سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے مجاہدین کو حکم دیا کہ :

"ابھی کوئی شخص ہتھیار نہ کھولے۔ بنو قریظہ کا فیصلہ کرنا

Marfat.com

ابھی باقی ہے"!

اب بھی اگر یہ صلح و آشتی سے پیش آتے تو یقیناً آپؐ انھیں امن دے دیتے مگر وہ تو مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ حضرت علیؓ جب ان کے قلعوں کے پاس پہنچے تو انھوں نے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دیں (نعوذ باللہ)۔ (طبری و ابنِ ہشام جلد دوم)

آخر کار ان کا محاصرہ کر لیا گیا جو تقریباً ایک ماہ تک رہا۔ بالآخر بنو قریظہ نے حالات سے تنگ آ کر خدمتِ اقدس میں درخواست پیش کی کہ سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہو گا۔ سعد بن معاذؓ اور ان کا قبیلہ اوس بنو قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ عرب میں یہ تعلق، ہم نسبی سے بڑھ کر خیال کیا جاتا تھا۔

حضرت سعد بن معاذؓ نے تورات کے اس حکم و آیت کی بنا پر فیصلہ دے دیا کہ:

"جب تم کسی شہر پر حملہ کرنے جاؤ تو پہلے انھیں صلح کا پیغام دو۔ اگر وہ اس پیغام کو منظور کر لیں اور شہر کے دروازے کھول دیں تو وہ سب تیرے غلام ہو جائیں گے لیکن اگر وہ صلح نہ کریں اور مقابلے پر اڑ جائیں تو ان کا محاصرہ کر لو، اور پھر جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے اور باقی جس قدر بچے عورتیں اور جانور اور دیگر

Marfat.com

جو جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لیے
مالِ غنیمت ہوں گی۔

یہودی اس فیصلہ پر کیونکر اعتراض کر سکتے تھے۔ ایک تو یہ اُنہی کے اپنے حلیف کا فیصلہ تھا جسے اُنھوں نے خود ہی ثالث مقرر کیا تھا اور دوسرے یہ فیصلہ شریعتِ محمدیؐ کے مطابق نہیں تھا بلکہ شریعتِ موسوی کے مطابق تھا جس کے وہ پیرو کار تھے۔ اِس لیے یہ فیصلہ اُنھیں قبول کرنا ہی پڑا۔

جب حیّ بن اخطب جو تمام فتن کا بانی تھا مقتل میں لایا گیا تو اُس نے کہا کہ:

"خدا کی قسم مجھ کو اِس بات کا افسوس نہیں کہ میں نے
کیوں تیری عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص
خدا کو چھوڑ دیتا ہے خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔"

حیّ بن اخطب کا اشارہ اِس امر کی طرف تھا کہ جب بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا تو اُس وقت حیّ بن اخطب نے آپؐ کی مخالفت پر کسی کی مدد نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا اور اس پر خدا کو ضامن دیا تھا جب وہ خیبر میں جا کر مقیم ہو گیا تو جوشِ انتقام میں اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکا اور مسلمانوں کے خلاف قبائل عرب کو بھڑکانے، قریش کو جنگ پر اُکسانے اور بنو قریظہ کو معاہدہ سے منحرف ہو کر قریش کے دوش بہ دوش جنگِ احزاب میں شریک کر لینے کے جرائم کا مرتکب ہوا۔

Marfat.com

مخالفینِ اسلام نے اس واقعہ پر بڑے زور شور کے ساتھ ظلم اور بے رحمی کے اعتراضات کیے ہیں لیکن جب انھیں ہر قسم کی مذہبی و مالی آزادی دی جاتی ہے۔ ان کا رتبہ بنو نضیر کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ کی عہد شکنی کے بعد تجدیدِ معاہدہ کی رعایت دی جاتی ہے اس کے باوجود یہ جنگِ احزاب میں دشمن کا ساتھ علانیہ دیتے ہیں۔ حیی بن اخطب جیسے جلاوطن باغی کو، کہ جس نے جنگِ احزاب قائم کر دی تھی اور سارے عرب کو برانگیختہ کر کے رکھ دیا تھا، اپنے ساتھ لاتے ہیں۔

تو بتائیے!

ایسی صورت میں یہ ظالم اور غدّار اور کس سلوک کے مستحق تھے؟ اور پھر بنو نضیر نے جلاوطن ہو کر کون سی بھلائی تھی جو ان سے کسی اچھائی کی توقع ہوتی۔ ان کی دولت بھی تو بربادیٔ اسلام کے لیے وقف تھی۔ مقتولینِ بنو قریظہ کی تعداد اربابِ سیر نے ۰۰۰ لکھی ہے لیکن صحاح میں ۰۰ہ مذکور ہے۔ اس تمام تعداد میں صرف ایک عورت قتل ہوئی اور قصاص میں اس نے نہایت عجیب اور بہادرانہ طریق پر جان دی۔

غزوۂ خیبر

اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لیے سب سے زیادہ خطرناک مرکز تھا خیبر، جو مدینہ منورہ سے دو سو میل یا کچھ زائد فاصلہ پر واقع ہے۔

Marfat.com

یہودیوں کے یہاں بڑے بڑے مستحکم اور مضبوط قلعے تھے اور ان کی دولت مندی اور ان کا اثر تمام عرب میں آگ سی لگا رہا تھا۔ جنگ احزاب بھی انہی کی سعی وجہد کا نتیجہ تھی۔ جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ لوگ مدینہ پر حملہ کر دینے کی تیاریوں میں مصروف ہیں تو آپ نے انھیں صلح کا پیغام بھجوایا جسے انھوں نے بڑی رعونت کے ساتھ نامنظور کر دیا۔

ناکامی کی صورت میں آپ سولہ سو کی جمعیت لے کر خیبر کی طرف چل کھڑے ہوئے اور خیبر کا محاصرہ کر لیا۔ ابھی آپ حملہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ پوری تصدیق اور چھان بین کے بعد جب آپ کو ان کی طرف سے تیاری اور مقابلے کا یقین ہو گیا تب آپ نے حملہ کا حکم دے دیا بڑے معرکوں کے بعد خیبر کے تمام قلعے فتح ہو گئے۔ ان کا افسر و سردار کنانہ بطور قصاص قتل ہوا، اور بھی بڑے بڑے سردار جو اسیر ہوئے تھے قتل ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی دلیری کے ساتھ قموص کا قلعہ فتح کیا۔

اب تک جتنی بھی جنگیں لڑنا پڑیں وہ محض اپنے دفاع کے لیے تھیں۔ غزوۂ خیبر پہلی جنگ تھی جس میں غیر مسلموں کو رعایا ہونے کا شرف بخشا گیا اور طرزِ حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اسلام کا اولین مقصد دعوت و تبلیغ ہے۔ کوئی اس میں مزاحم نہ ہو، سدِ راہ نہ بنے تو اسلام کو

Marfat.com

نہ تو اس سے جنگ ہے نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت! صرف معاہدہ وصلح کافی ہے لیکن جب کوئی مخالفت پر آمادہ ہو جائے اور اس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لیے تلوار ہاتھ میں لینا ہی پڑتی ہے اور پھر مقابلہ کرنے والوں کو اپنے زیر اثر رکھنا ہی پڑتا ہے۔

خیبر اس قاعدہ کے مطابق پہلا مفتوحہ علاقہ تھا۔ اس غزوہ میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے مفتوحہ زمین پر قبضہ کر لیا گیا اور یہ تمام مجاہدین کو تقسیم کر دی گئی۔ اس میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خمس بھی شامل تھا۔

یہودیوں نے درخواست کی کہ:

"زمین ہمارے ہی قبضہ میں رہنے دی جائے ہم نصف پیداوار دے دیں گے۔"

ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

اس کے بعد دوسرا مرکز وادی القریٰ اور فدک بھی فتح ہو گئے اور خیبر ہی جیسی شرائط پر ان سے بھی معاملہ طے ہو گیا۔ اس غزوہ نے یہودی فتنہ کا ہمیشہ کے لیے سر کچل کر رکھ دیا اور نہایت زرخیز مقامات اسلامیوں کے قبضہ میں آ گئے۔

اگر اس وقت کوئی اور فاتح ہوتا تو یقیناً یہاں قدم رکھتے ہی قتل عام شروع کر دیتا اور تمام قلعوں کو آگ لگا دیتا لیکن

آپ نے اِن اسلام کے ازلی دشمنوں اور مسلمانوں کے خون کے پیاسوں کو اب بھی بخش دیا اور صرف رعایا بنانے پر اکتفا کی۔

"فتوح البلدان" میں صراحت ہے کہ:

خیبر کی زمین دو برابر حصّوں میں تقسیم ہوئی نصف حصّہ بیتُ المال، مہمانی، اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لیے مخصوص کر لیا گیا اور نصف مجاہدین پر اٹھارہ سو حصّوں میں تقسیم ہُوا۔ رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو بھی عام مجاہدین کے برابر حصّہ ملا۔

یہودیوں کا زور تو بالکل ٹوٹ چکا تھا مگر پھر بھی انفرادی طور پر شرارتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اِسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں اپنے عہدِ خلافت میں شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ انتہا یہ ہے کہ فتحِ خیبر کے دوسرے ہی روز سردار کے خاندان کی ایک عورت آپ کو زہر دیتی ہے لیکن اس کے باوجود آپ عام یہودیوں سے کچھ نہیں کہتے۔ جب کہ نوشیروان عادل بھی ہوتا تو ان سب کے ٹکڑے کر دیتا، پرخچے اُڑا دیتا مگر آپ تو رحم و عفو کے پیکر تھے۔

فتحِ مکّہ کا دل افروز نظّارہ

سنہ ہجری میں خیبر فتح ہُوا پھر صُلحِ حُدیبیہ معرضِ وقوع میں آئی۔ یکایک آپ کے پاس ایک ناقہ سوار پہنچا اور فریاد کی کہ

"آپ کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ پر بنو بکر نے شبخون مارا ہے اور قریش کے تین سرداروں نے بھی بھیس بدل

کر بنو خزاعہ کو قتل کرنے میں بنو بکر کا ساتھ دیا ہے۔"

یہ اطلاع پاکر آپؐ نے فوراً قاصد کے ہاتھ تین شرطیں قریش کی طرف روانہ کیں اور کہلا بھیجا کہ اِن تین شرطوں میں سے کوئی سی ایک شرط قبول کرلیں:

۱۔ بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

۲۔ بنو بکر کی حمایت سے قریش علیحدہ ہو جائیں۔

۳۔ قریش کی طرف سے اعلان کر دیا جائے کہ معاہدۂ حُدیبیہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے غرور و تکبّر میں آکر تیسری شرط قبول کرلی اور اس طرح نبیِ اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو مکّہ پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ بعد میں وہ پچھتائے تو بہت اور ابُوسفیان کو مدینہ بھیج کر تجدیدِ معاہدہ کی کوشش بھی کی لیکن حضُور نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم مشیّتِ ایزدی کی وجہ سے مجبُور تھے اس لیے ابُوسفیان کو تجدید معاہدہ کے حصُول میں ناکامی ہُوئی اور وہ مایُوس اور ناکام و نامراد لوٹ گیا۔

آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو مکّہ کی طرف کُوچ کرنے کے لیے تیّاری کا حکم دے دیا۔ دس رمضان المبارک سنہ ہجری کو کوکبۂ نبویؐ اِس عظمت وشان کے ساتھ مکّہ کی طرف بڑھا کہ دس ہزار آراستہ و پیراستہ مجاہدین جلَو میں تھے۔ راہ میں حلیف قبائلِ عرب

آ آکر فوج سے ملتے اور شریکِ سفر ہوتے جاتے تھے۔ مکّہ سے ایک منزل سے کم فاصلہ پر جاکر قیام کیا گیا۔ فوج کے ہر دستہ نے رات کو آگ روشن کی تو تمام صحرا وادیٔ ایمن بن گیا۔ مکّہ والوں کو مجاہدین کی آمد کا علم ہوا تو ابوسفیان تحقیقِ حال کے لیے آیا اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر جو دیکھا تو اُسے عساکرِ اسلام کا ایک سیلاب اُمڈتا نظر آیا۔ ہر دستہ اپنے اپنے عَلَم لیے اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا گذر رہا تھا۔ سب سے آخر میں کوکبۂ نبویؐ نمایاں ہوا جس کے انوار کی ضیا دُور دُور تک فضا و صحرا کو منوّر بناتی چلی جا رہی تھی۔

آپؐ نے اعلان کر دیا تھا کہ :

۱۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اسے امن ہے۔

۲۔ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ رہے گا اسے امن ہے۔

۳۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ گزین ہو گا اسے امان دی جائے گی۔

۴۔ جو شخص حرمِ کعبہ کے اندر داخل ہو جائے گا وہ محفوظ رہے گا۔

ہر جگہ امن ہی امن رہا، تاہم قریش کے ایک شرارتی گروہ نے جزوی طور پر مقابلہ کیا جس سے دو جاں بازانِ اسلام شہید ہو گئے

Marfat.com

اور ۱۳ کفار نے آغوشِ اجل میں پناہ لی۔

مکہ فتح ہو گیا مگر اس شان سے کہ نہ کوئی قتل ہوا نہ کہیں آگ لگی اور نہ کسی کو لوٹا گیا۔

جبارانِ قریش ایک طرف کھڑے تھے ان میں وہ سب لوگ بھی شامل تھے جنھوں نے اکیس برس تک رسولِ کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ستانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ جان لینے کی کوششیں انھوں نے کیں، یلغاریں انھوں نے کیں، اینٹوں اور پتھروں سے آپ کو زخمی انھوں نے کیا، گرم ریت اور دہکتے انگاروں پر مسلمانوں کو انھوں نے لٹایا اور آپ کو مسلمانوں کو اور اسلام کو مٹانے میں عمر بھر مصروف رہے۔

آپ نے ان سے پوچھا:

"تمھیں کچھ معلوم بھی ہے کہ آج میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں"

یہ ظالم اور شقی القلب ضرور تھے لیکن ادا و مزاج شناس رسالت بھی تھے۔ فوراً پکار اٹھے

"تو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے!"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ! آج تم سب آزاد ہو!"

Marfat.com

دُنیا میں ایسے اشقیا اور جان کے لاگوؤں کے ساتھ اِس قسم کی رحم دلی و عفو اور اِس نوع کی فتح مندی کی کوئی ایک مثال بھی پُوری دُنیا پیش کرسکتی ہے ؟

نہیں !

اور قیامت تک نہیں !

انتہا یہ ہے کہ آپؐ نے ان سے مہاجرین کے گھروں کا بھی مطالبہ نہیں کیا حالاں کہ اس وقت آپؐ ان کی جانوں جسموں مالوں اور عزّتوں کے تنہا مالک تھے اور کچھ نہیں تو تباہی کرسکتے تھے۔

یہ تھی پیغمبرِ اسلام کی فتح !

اور یہ تھا دُنیا کے فاتحِ اعظم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا مظاہرۂ عفو و کرم !

حرم کے بُت ضرور نکال دیئے گئے لیکن حرم کے قیمتی اور گراں بہا خزائن و جواہر کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ مخالفین اسلام دیکھیں کہ اسلام کا پیشوا فاتحِ عالم کی صُورت میں کن اخلاق کا مظاہرہ کررہا ہے۔

غزوۂ حنین، اوطاس و طائف

مکّہ اور طائف کے مابین حُنین ایک وادی ہے۔ یہاں ثقیف و ہوازن دو زبردست قبیلے آباد تھے جو نہایت جنگجو اور فنونِ جنگ کے ماہر تھے۔ اسلام کے غلبہ سے انھیں اپنے

Marfat.com

امتیاز کے مٹ جانے کا اندیشہ بڑھتا چلا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد انھوں نے پورے عرب کا دورہ کر کے ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کا ارادہ کیا اور تمام عرب میں خفیہ طور پر یہ قرار داد بھی پاس ہو گئی کہ سب مل کر اس "نورِ الٰہی" کو بجھا دیں ورنہ پھر اس طاقت کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ یہ تیر انداز بھی بلا کے تھے اور اپنے زن و فرزند بھی فوج کے ساتھ ہی لے آئے تھے تاکہ ان کی وجہ سے کوئی میدان سے ہٹ نہ سکے۔ بڑی زبردست تیاریاں تھیں۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تصدیق ہو گئی تو شوال المکرم ۸ ہجری کو آپ بھی چند ہزار کا لشکر لے کر مقابلے کے لیے نکلے۔ حریف کی تعداد کچھ کم تھی اس لیے مسلمانوں کو اپنی کثرت پر کچھ غرہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ سزا یہ ملی کہ پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دشمن فتح یاب نظر آنے لگا۔ میدان صاف ہونے لگا۔ اب تنہا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جگہ چٹان کی طرح کھڑے رجز پڑھ رہے تھے۔

آخر کار آپ نے انصار و مہاجرین کو پکارا اور للکارا۔ تیر اندازی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ بارش کی طرح تیر برس رہے تھے۔ اسی لیے مسلمانوں کے قدم بھی اکھڑے تھے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹے اور پلٹتے ہی میدان فتح کر لیا۔ وادی سے ہٹ کر شکست یافتہ فوج

Marfat.com

اوطاس اور طائف میں جمع ہوئی - اوطاس میں شکست کھا کر سب طائف میں آ گئے - یہاں پہلی مرتبہ اسلامیوں نے آلاتِ قلعہ شکن اور منجنیق کا استعمال کیا - بیس روز تک محاصرہ رہا - آخر کار ان شکست یافتوں کا پیچھا ترک کر دیا گیا - کامل فتح تو ہو ہی چکی تھی - مالِ غنیمت کا انبار لگا ہوا تھا - چھ ہزار اسیرانِ جنگ، ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ لگی تھی - (طبقات ابنِ سعد)

پانچواں حصہ بیت المال اور غربا و مساکین کے لیے رکھ کر باقی حسبِ قاعدہ مجاہدین کو تقسیم ہوا - عام تقسیم کی رو سے فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں آئیں - سواروں کو تگنا حصہ ملا - چونکہ نوجیوں کو انعامات بھی دیئے گئے اس لیے بعض بعض کو سَو سَو اونٹ بھی مل گئے - انعام لینے والے عموماً اہلِ مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے - انصار میں سے بعضوں نے کہا :

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش ہی کو نوازا حالانکہ خدمت ابتدا سے ہم کرتے رہتے ہیں - مشکلات میں ہماری یاد آتی ہے اور مالِ غنیمت میں حصہ ان کا !" (صحیح بخاری)

آپ نے سُنا تو نہایت بلیغ خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا :

"کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی، تم منتشر تھے خدا نے

Marfat.com

میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے
خدا نے میرے ذریعہ سے تمہیں دولت مند کیا ؟"
ہر فقرہ پر انصار "بے شک" ! "بے شک" ! کہتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا
" نہیں ! تم یہ جواب دو کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
جب لوگوں نے تجھے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی ،
تجھے عزیز و اقربا نے چھوڑا تو ہم نے تجھے پناہ دی ۔
تو یہاں آیا تو مفلس و نادار تھا اور ہم نے ہر طرح مدد کی
کیا تمھیں پسند نہیں کہ لوگ غنیمت لیں اور تم محمد کو لیکر
گھر آؤ ؟"

یہ سُن کر انصار چیخیں مار مار کر رونے لگے ۔
آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ :
" یہ لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے انھیں حق کی بنا پر نہیں بلکہ
تالیفِ قلوب کے لیے دیا ہے ۔"

اس کے بعد سفارت آئی اور عرض کیا گیا کہ جو عورتیں محبوس ہیں
وہ تیری خالائیں اور پھوپھیاں ہیں تو نے ہمارے ہی خاندان کا دودھ
پیا ہے تجھ سے ہمیں بہتر توقعات ہیں ۔
آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ :
" تمام مسلمانوں کے سامنے اپنی یہ درخواست پیش کرنا
کیوں کہ مجھے تنہا اختیار نہیں !"

Marfat.com

غرض یہ چھ ہزار اسیرانِ جنگ بھی سب کے سب چھوڑ دیئے گئے۔

یہ تھی اسلامی فاتح اعظم کی فتح مندی۔

کہیں بھی آپ نے پڑھا کہ مفتوحوں یا اسیروں کے سامنے اسلام پیش کیا گیا ہو، کہیں قتلِ عام ہوا ہو، کہیں معابد گرائے گئے ہوں۔ کہیں غیر حربی اور شہر لُٹے ہوں؟

حالانکہ!

شنکراچارج جینی، زردشتی، عیسائی اور یہودی پیشواؤں اور سلاطین کی فتوحات کا ذکر بھی تم پڑھ چکے ہو۔

موسیو لیبان نے ٹھیک اور سچ لکھا ہے کہ:

"دُنیا کو مسلمانوں جیسے رحم دل فاتح کبھی نصیب نہیں ہوئے"!

ہم سے طلب کریں
جنت کا منظر
منگوانے کا پتہ
دوزخ کا منظر
کُتب خانہ شانِ اسلام
راحت مارکیٹ
اردو بازار لاہور

Marfat.com

کریم النفس جنرل

مکّہ پر یلغار کے اسباب و علل

حضور رسالت مآب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا اوّلین فریضۂ عمل تطہیرِ کعبہ تھا کہ توحید کی عظمت عرب کے اندر اسی صورت میں قائم ہو سکتی تھی۔ اگر یہود و قریش کی سازشیں، شر انگیزیاں، ریشہ دوانیاں اور معرکہ آرائیاں فرصت دیتیں تو آپ اوّلین مہلت میں یہ فریضہ انجام دیتے لیکن اکیس سال پیہم انتظار میں گذر گئے اور قریش نے اپنی شیطنت و شرارت سے خود ساعتِ منتظرہ کو لا کر سامنے کھڑا کر دیا۔

یہ ایک معلومہ حقیقت ہے کہ عرب میں حلیفی تعلق ہم نسبی و اخوّت کے ہم پلّہ تھا۔ قبیلہ بنو خزاعہ رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا حلیف تھا اور بنو بکر آپ کا حریف تھا جس نے قریش سے معاہدہ کر رکھا تھا۔ یہ دونوں قبیلے مدّت سے مصروفِ پیکار چلے آ رہے تھے مگر جب نیّرِ رسالت طلوع ہُوا تو اس کی وجہ سے ان دونوں قبیلوں کی معرکہ آرائیاں کچھ عرصہ کے لیے رُک گئی تھیں۔

اسی دوران مصالحت حدیبیہ وقوع پذیر ہوئی اور لوگوں کو چین اور اطمینان نصیب ہوا تو بنو بکر کی رگ شرارت پھڑک اٹھی اور کچھ قریش نے بھی بنو بکر کو بنو خزاعہ پر حملہ کرنے پر اکسایا اور خود بھی چوری چھپے امداد دینے کا وعدہ کیا۔ بنو بکر جو پہلے ہی بپھرے ہوئے تھے قریش کی شہ پاکر ایک شب انھوں نے بنو خزاعہ پر ہلّہ بول دیا۔

قریش سمجھتے تھے کہ اسلام ایک طاقت بن چکا ہے اس لیے سردست اس کے ساتھ مقابلہ کرنا بھی مناسب نہیں مگر بروئے معاہدہ بنو بکر کی امداد ضروری ہے اس لیے بظاہر تو وہ علیحدہ رہے لیکن خفیہ طور پر انھوں نے بنو بکر کی پوری مدد کی جس کی انتہا یہ تھی کہ عکرمہ بن ابوجہل، سہیل بن عمرو اور صفوان بن اُمیّہ وغیرہ نے بھیس بدل کر بنو خزاعہ پر تلواریں چلائیں جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا ایک حلیف قبیلہ تباہ و برباد ہو کر ان کی قوّت کے ضعف کا باعث بن جائے۔ گو بنو خزاعہ بھی ایک طاقت ور قبیلہ تھا لیکن ایک مشترکہ یورش اور ناگہانی حملے کی تاب نہ لاسکا اور حرم کعبہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ حرم کعبہ کے احترام کی وجہ سے بنو بکر نے تو قتل سے ہاتھ روک لیا مگر قریش نے بنو بکر کے رئیس نوفل کو بھڑکایا اور کہا کہ :

یاد رکھو محمد (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) اس خبر کو سنتے ہی تم پر حملہ کر دیں گے اس لیے اس موقع کو ہاتھ سے

Marfat.com

نہ جانے دو، اور بہتر یہی ہے کہ بنو خزاعہ کے ایک ایک فرد کو یہیں ختم کر دو، تاکہ مدینہ میں اطلاع دینے والا کوئی زندہ نہ رہے۔"

چنانچہ جوشِ عداوت میں احترامِ کعبہ کی بھی پرواہ نہ کی گئی اور صحنِ حرم میں انتہائی سنگدلی کے ساتھ بنو خزاعہ کا خون بہایا گیا۔

عساکرِ اسلام کا کوچ

بنو خزاعہ نے حرمِ کعبہ ہی میں آپ کو امداد کے لیے پکارا۔ اُدھر بنو خزاعہ کے ناقہ سوار امداد طلبی کے لیے مدینہ جا پہنچے۔ اپنے حلیفوں کی بپتا دردناک داستان سُن کر آپ بے تاب ہو گئے لیکن پھر بھی آپ نے ہوش مندی اور صبر و تحمّل سے کام لے کر قریش کی طرف فوراً ایک تیز رَو سفیر روانہ کیا اور لکھا کہ ذیل کی شرائط میں سے جو چاہو ایک شرط منظور کر لو:

- اوّلاً: بنو بکر کی حمایت نہ کرو۔
- ثانیاً: مقتولوں کا خون بہا ادا کرو۔
- ثالثاً: معاہدۂ حُدیبیہ کی شکست کا اعلان کر دو۔

عداوت کے جوش میں انسان اندھا ہو جاتا ہے اور اسے اچھائی اور بُرائی میں کوئی تمیز نہیں رہتی۔ یہی حال قریش کا ہُوا۔ انھوں نے بلا سوچے سمجھے شکستِ معاہدہ کا اعلان کر دیا لیکن پھر خود ہی اپنی اس جلد بازی پر پشیمان بھی ہوئے اور ابُو سفیان کو تجدیدِ معاہدہ

کے لیے عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا لیکن وہاں سے اُسے کوئی جواب نہ ملا اور اسے ناکام لوٹنا پڑا۔

آخر کار آپؐ دس رمضان المبارک کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں حلیف اور معاہد قبائل برابر آ آ کر شامل ہوتے جاتے تھے۔ آپؐ مکّہ سے ایک منزل پر پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ قریش کو جو خبر لگی تو حکیم بن حزم، ابُوسفیان اور بدیل پتہ لگانے کے لیے نکلے لیکن جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر لیے گئے۔

سردارِ قریش کی گرفتاری

وہ ابُوسفیان جس کی زندگی کا ہر لمحہ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی اذیّت رسانی کے لیے وقف رہا تھا، جس نے مدینہ پر بار بار خوف ناک اور شدید حملے کیے تھے اور جو دشمنانِ اسلام میں پیش پیش تھا، انقلابِ زمانہ دیکھیے کہ آج وہی ابُوسفیان ایک مُلزم و جاسوس کی حیثیّت سے دربارِ نبوّت میں پیش ہوتا ہے۔ آئینِ جنگ کی رُو سے وُہ اِس قابل ہے کہ اُس کا سر تن سے فوراً جُدا کر دیا جائے۔ وُہ خود بھی اچھی طرح سے سمجھتا ہے کہ آج خیر نہیں آخر اُس نے خُود کون سی کسر اُٹھا رکھی تھی جو اُسے مُعافی کی توقع ہوتی رنگ فق، چہرہ زرد، جسم پر لرزہ، تھر تھر کانپ رہا تھا۔ قدم اُٹھا کر رکھتا کہیں تھا اور وُہ پڑتا کہیں تھا۔ حضُور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اُس کی دہشت زدگی کو دیکھ کر فرماتے ہیں :

Marfat.com

"ابُوسفیان ! گھبراؤ نہیں ! آگے بڑھو !"

آپؐ اس کے ساتھ نہایت رفق و ملاطفت کا سلوک کرتے ہیں، اپنے پاس بٹھلاتے اور پوچھتے ہیں :

"ابُوسفیان ! کہو اب بھی یقین ہوا کہ نہیں کہ اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ؟"

ابُوسفیان نے گردن جھکا کر جواب دیا کہ :

"یقیناً اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو وہ آج میری مدد ضرور کرتا۔"

پھر ارشاد فرمایا کہ :

"کیا میری رسالت میں کوئی شک ہے ؟"

ابُوسفیان نے جواب دیا :

"نہیں !"

اب وُہی اکڑی ہوئی گردن جو سرداری قریش کے فخر سے کبھی خم نہ ہوتی تھی آج آستانِ نبوّت پر جھکی ہوئی تھی۔

مکّہ کی شاندار تسخیر

حکمِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے مطابق ابُوسفیان کو عساکرِ اسلام کی شان و عظمت دکھانے کے لیے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا کر دیا گیا اور چند ہی لمحہ کے بعد اُس نے دیکھا کہ مسلّح اور طاقت ور انسانوں کا ایک سیلاب ہے جو پرچمِ اسلام اور اللہ اکبر کے کفر سوز نعرے لگاتا ہوا اُمنڈتا چلا آتا ہے۔

Marfat.com

اَبُو سفیان قُریش کا رئیسِ اعظم بھی تھا اور فوج کا سپہ سالار بھی! مگر قبل ازیں اُس نے کسی لشکر کا یہ جلال و احتشام کا ہے کو دیکھا تھا آخر کو اُسے مرعُوب ہونا ہی پڑا۔

اسی اثنا میں انصار کا لشکر اس شان و شوکت اور شکوہ و سامان سے گذرا کہ آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ سب سے آخر میں کوکبۂ نبوی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اِس شانِ تقدّس اور جلالِ پیغمبرانہ سے گُذرا کہ ہر طرف نُور کی چادریں بچھ گئیں۔ اِس لشکر کے عَلَم بَردار حضرت زُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

مکّہ مکرّمہ میں داخل ہوتے ہی عام مُنادی کرا دی گئی کہ جو ہتھیار ڈال دے گا، گھر کا دروازہ بند کر لے گا یا اَبُو سفیان کے گھر میں پناہ لے لے گا اُسے اَمان دی جائے گی۔

وُہ قُریش جو بیس اکیس سال سے پُورے جوش و قوّت سے سرفروشانہ حملے کرتے چلے آ رہے تھے اُن کا سارا غرورُ آن کی آن میں خاک و نامرادی میں دفن ہو گیا۔ اُن کے حوصلے پست ہو گئے اور وُہ ایسے دہشت زدہ ہُوئے کہ مُقابلہ تو مُقابلہ اُلٹا اُنھیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ کچھ شرارتی لوگوں نے ضرور اتنا حوصلہ کیا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے دستے پر چند تیر برسا دیئے جس سے دو اصحابؓ شہید ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ کو بھی تاب بر داشت نہ رہی فوراً جوابی ہلّہ بول دیا مگر دم کس میں تھا سب بھاگ کھڑے ہُوئے۔ رحمتِ عالم

صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس مقدس و متبرک شہر کی سرزمین پر انسانی خون کا ایک قطرہ بھی گرے لیکن آپ نے جو اس جھڑپ کا حال سنا تو بہت افسوس ہوا اور فرمایا کہ :

"منشائے الٰہی میں کسی کو دخل نہیں!"

فاتحِ مکہ کی پُر جوش اور فاتحانہ تقریر

رحمتِ عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سیدھے حرم پاک میں گئے جہاں ۳۶۰ بت نصب تھے جنہیں آپ نے ایک لکڑی ہاتھ میں لے کر وَجَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ پڑھ پڑھ کر صاف کیا اور اس کے بعد نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ نے ایک دربارِ عام منعقد کیا۔ جس میں تمام لشکرِ اسلام، عوام و خواصِ مکہ اور بڑے بڑے اُمرا و گردن فرازانِ قریش شریک تھے۔ دُور دُور تک نفوسِ انسانی کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر پھیلا ہوا تھا ہزارہا مخلوق سامنے موجود تھی۔ حدِ نگاہ تک سروں کا ایک دریا سا لہلہاتا نظر آ رہا تھا۔ کفارِ مکہ بھی کثیر تعداد میں شریکِ اجلاس تھے عورتیں تک آ آ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

زہرہ کس کا تھا؟

جو فاتحِ مکہ کا اعلان اور خطبۂ پیغمبری سننے کے لیے نہ آتا!

سبھی دم بخود تھے۔ رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے قلبِ اقدس

Marfat.com

میں ہزار رحمت و رافت کا دریا لہریں لے رہا تھا۔

لیکن!

یہ حقیقت ہے کہ مہاجرین و انصار کا لشکر اپنے خُوں خوار دشمنوں پر دانت پیس رہا تھا۔ حکم کا منتظر تھا۔ دُوسری طرف قُریش اِس خطرۂ شدید میں گھُلے جا رہے تھے کہ دیکھیے، کب ہمارے متعلق کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ بہت سے تو ایسے تھے جنھیں اپنی زندگی کی کوئی اُمید باقی ہی نہ رہی تھی۔ سب کے سب ہمہ تن انتظار تھے کہ پیغمبرِ امین کیا فرماتے ہیں۔ ہماری قسمتوں کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ سینوں میں دل دھڑک رہے تھے۔

آخرِ کار آپؐ نے کھڑے ہو کر ایک پیغمبرانہ جلال کے ساتھ ارشاد فرمایا:

"لوگو! خوب سمجھ لو کہ ذاتِ احدیت اپنی ذات و صفات میں یکتا و یگانہ ہے، تنہا ہے، ایک ہے اس کا نہ کوئی ثانی ہے نہ مثیل، نہ شریک ہے اور نہ سہیم۔ دیکھو اُس نے جو وعدہ اپنے بندے سے کیا تھا وہ آج پورا ہُوا۔ جو میں تم سے کہا کرتا تھا آج وہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اُس نے اپنے بندہ کی مدد کی۔ یہ وُہی بندہ تو ہے جو اِسی شہر اور اِسی آبادی میں صد ہزار اذیتوں اور مصیبتوں کا

Marfat.com

آماجگاہ بنا ہوا تھا جسے تم نے قید کیا، تنگ کیا، ستایا اور پھر گھر سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ قتل کرنا چاہا۔ تم یہ سمجھتے تھے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے اور صرف تم ہی نہیں سبھی لوگ یہی سمجھتے تھے لیکن مجھے مواعید الٰہی پر پورا یقین تھا۔ میرے قلب سے ایک ثانیہ کے لیے بھی یقین کی شمع کی روشنی گل نہ ہوتی تھی آخر تم نے دیکھ لیا کہ اس نے کس طرح تمام قوتوں جتھوں اور طاقتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ آج جملہ خوں بہائے قدیم، تمام مفاخرِ رنگ و نسل وغیرہ سارے انتقامات میرے قدموں کے نیچے ہیں۔"

اس کے بعد آپؐ نے قریش کو مخاطب کیا اور بڑے جوش کے ساتھ ارشاد فرمایا:

"اے قوم قریش! آج جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر اللہ جل شانہٗ نے مٹا دیا، فنا کر دیا۔ تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور ان کا خمیر مٹی سے اٹھایا گیا یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ

Marfat.com

عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ حَرَّمَ الْبَیْعَ وَالْخَمْرَ۔"

توحید کے بعد سب سے بڑی خاندانی و نسلی مفاخر خوں بہا اور انتقام ہی تھے اسی لیے آپؐ نے ان کے متعلق پُرزور تقریر کی۔

جبّارانِ قریش کو نویدِ عفو

اجتماعِ عظیم پر پورا سنّاٹا چھایا ہُوا تھا۔ انبوہِ کثیر پتھّر کا ایک مجسّمہ معلوم ہوتا تھا۔ تقریر کے بعد آپؐ نے ہجوم کی طرف نظر جو اُٹھائی تو سامنے جبّارانِ قریش کھڑے نظر آئے۔ ان میں وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جھلستی ہُوئی دُھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر بھاری پتھر رکھ دیا کرتے تھے۔ وُہ بھی تھے جن کی زبانیں رسُولِ کریم پر گالیوں کے تیر برسایا کرتے تھے۔ وُہ دلیرانِ شرک بھی تھے جو اسلام کی بیخ کنی میں سب سے زیادہ دلیر تھے۔ وُہ بھی تھے جن کی جہنمی پیاس حضرت رسالت مآبؐ کے لہو کے سوا اور کسی شے سے بھی فرو ہونے والی نہ تھی۔ وہ بھی تھے جو تبلیغ کے اوقات میں آپؐ پر پتھّر اور خاک و دُھول پھینکا کرتے تھے۔ وُہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کو تین برس تک بھُوکا پیاسا رکھ کر مار ڈالنے کے لیے شعبِ ابی طالب میں قید کر دیا تھا۔ وُہ بھی تھے جنھوں نے آپؐ کو قتل کر ڈالنے کے لیے کاشانۂ نبوّت کا محاصرہ کر لیا تھا۔ وُہ بھی تھے جنھوں نے آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے

Marfat.com

تھے جنھوں نے سیلاب بن بن کر مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ وہ بھی تھے جنھوں نے جنگِ اُحد میں آپؐ کے عزیز چچا کا کچا جگر چبایا اور اُن کا خُون پیا تھا۔ وہ بھی تھا جس نے آپؐ کی پیاری بیٹی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرا دیا تھا۔ وہ بھی تھے جنھوں نے اکیس برس تک آپؐ پر اور مسلمانوں پر سُکھ اور چین کی نیند حرام کیے رکھی تھی۔

رحمتِ عالم راحتِ کونین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مُرسلانہ جلال کے ساتھ پوچھا :

"معلُوم ہے آج میں تمھارے ساتھ کیا سلُوک کرنے والا ہوں۔"

یہ لوگ کتنے ہی شقی القلب اور سنگدل سہی مگر طبیعت کے اداشناس ضرور تھے۔ یکبارگی پُکار اُٹھے :

"اَخٌ کَرِیْمٌ وَّ ابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ"

یعنی : "تُو شریف بھائی اور شریف بھائی کا بیٹا ہے۔"

دشمنانِ اسلام سے کریمانہ سلوک

مغرور و گردن فراز دشمن یہ الفاظ کہے اور وُہ بھی رسُولِ امین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے ! رحمتِ عالم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا دریائے کرم جوش میں آگیا۔

ارشاد فرمایا :

Marfat.com

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا
فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ ط

ترجمہ: "جاؤ! تم الزام سے بری ہو۔ میں سب کو آزاد کرتا ہوں، سب کو بخشتا ہوں۔"

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ بدو ظہورِ عالم سے لے کر آج تک اِس کرم و عفو کی کوئی ایک مثال بھی دُنیا میں نہیں ملتی۔ اتنے تشنہ خُون دشمن تو دشمن، کوئی بے قصور مفتوحین کو بھی نہیں بخشتا۔ نماز کا وقت ہُوا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ بامِ کعبہ پر چڑھ کر اذان کہی۔ صحنِ حرم میں فرزندانِ توحید نے پُورے زور و شکوہ کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپؐ نے مقامِ صفا میں ایک بُلند مقام پر بیٹھ کر لوگوں سے بیعت لی۔ اِس وقت رؤسائے مکہ میں دس رئیس قریش کے سرتاج تھے ان میں سے چار صفوان بن امیہ، عُمیر بن وہب، عبداللہ بن زبعری اور عکرمہ بن ابو جہل پاداشِ عمل کے خوف سے بھاگ گئے تھے لیکن اس کے باوجود انھیں امان دی گئی وہ واپس لوٹے اور پھر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ ابُو سفیان تو پہلے ہی اسلام قبول کر چکا تھا۔ دس خطرناک اور انتہائی شیاطین افراد کے لیے سزائے موت کا حکم صادر ہُوا لیکن ان میں سے بھی سات افراد نے دامنِ کرم میں پناہ لے لی اور صرف تین گردنیں ضرور تن سے جُدا کر دی گئیں۔ یہ دو مرد تھے اور

ایک عورت

۱- ابنِ خنطل ۲- مقیس ۳- قریبہ

۱- ابنِ خنطل اسلام لاکر مُرتد ہو گیا تھا اور اس نے دو قتل کیے تھے۔

۲- مقیس نے اسلام تو قبول کیا مگر مُنافق رہا اور پھر موقع پاکر ایک انصار کو قتل کر کے بھاگ گیا۔

۳- قریبہ ایک لونڈی تھی۔ یہ زبردست گانے والی نہایت شیطان خصلت تھی۔ طول و عرض عرب میں رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف گیت گاتی پھرتی تھی اور باز ہی نہ آتی تھی۔

تو اِن تینوں کا قتل کوئی بہت اہم اور سیاسی نہیں ہو سکتا اور اگر ہو بھی تو ایک پورے مفتوح شہر سے تین اور صرف تین قتل سمندر میں قطرے کی حیثیت بھی نہ رکھتے تھے۔ تمام جبّار و قہّار رؤسا اور وحشی و ہندہ و ہبار و ابو سفیان ہی جیسے لوگ بخش دیئے گئے تو رہا کیا۔ ایسی فتح بھی چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی حالانکہ آئینِ جنگ کی رُو سے سب قتل اور غلامی کے سزاوار تھے۔

حرمِ پاک میں اللہ اکبر کی صدائیں

فتح کے بعد اس دَور میں کیا آج بھی رُعب جمانے اور مفتوحین پر دھاک بٹھانے کے لیے شہروں پر آگ نہیں برسائی جاتی؟

قتلِ عام نہیں ہوتا ؟ گرفتاریاں عمل میں نہیں لائی جاتیں ؟ اور جوش و غضب کا پورا پورا اظہار نہیں کیا جاتا ؟

لیکن !

یہاں تو معاملہ ہی اُلٹا ہے۔

دریائے رحمت جوش پر تھا۔ رئیسِ مکہ عکرمہ بن ابوجہل خود تو ڈر کے مارے یمن کی طرف بھاگ گیا مگر اس کی بیوی اُم الحکیم اُسی روز اسلام لے آئی اور اس نے اپنے شوہر کے لیے امان بھی حاصل کر لی۔ خود یمن گئی اور شوہر کو واپس لے آئی۔ عکرمہ نے بھی آتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ عکرمہؓ جب دربارِ نبوّت میں حاضر ہوئے تو آپؐ فرطِ مسرّت سے کھڑے ہو گئے اور اس عجلت سے اُن کی طرف بڑھے کہ ردائے مبارک دوشِ پاک سے گر گئی۔ آپؐ دیر تک اُن سے محبت سے باتیں کرتے رہے۔

یہ تھا دشمنوں سے آپؐ کا کریمانہ سلوک !

حرمِ پاک صدیوں سے زیارت گاہِ عوام و خواص بنا ہوا تھا۔ اس لیے اس کے خزائن و دفائن و نفائس کا کوئی شمار نہ تھا۔ دولت کے انبار لگے ہوئے تھے۔ آپؐ نے اس کی کنجیاں تو اصل کلید بردار ہی کے پاس رہنے دیں مگر خزائن و دفائن اور دولت کو محفوظ رکھنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ

”حرم کا خزانہ حرم ہی کے لیے ہے !“

Marfat.com

البتہ تصاویر تمام کی تمام ضبط کر کے فنا کر دی گئیں۔ پندرہ روزہ قیام کے بعد آپؐ واپس مدینہ تشریف لے گئے اور معاذ بن جبلؓ کو یہاں تعلیم و انتظام پر مامور فرما دیا۔

قریش کے اقتدار کے پاش پاش ہوتے ہی میدان صاف تھا۔ صرف ایک طائف مقابلہ کرنے کے بعد مغلوب ہوا۔ باقی سارا عرب بلا مقابلہ ہی مطیع ہو گیا اور ہر طرف سے ہجوم کے ہجوم آ آ کر بیعت کرنے لگے اور اسلام قبول کرنا شروع کر دیا گویا فتحِ مکہ اطاعتِ عرب کا دیباچہ تھا!

اسلامی
بہشتی زیور
مکمل
حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

Marfat.com

فقیدُ المثال مُبلّغ

رسولِ امین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پیغمبر تھے اور آپؐ کا اوّلین فریضۂ عمل دعوتِ اسلام تھا۔ مکّی زندگی کا سیزدہ سالہ دَور خالص تبلیغی دَور تھا۔ مدینہ کا پنج سالہ عہد بڑی مصروفیّت و انہماک کا عہد تھا ایک لمحہ اور ایک ثانیہ بھی یہاں ایسا نہ گزرا کہ آپؐ سکونِ خاطر سے بیٹھے ہوں۔ ہر طرف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے جال بچھے ہوئے تھے قریش و یہود کے اتّحاد نے آپؐ کی تمام تر توجہات اپنی طرف مبذول کر رکھّی تھیں تاہم اس ہجوم و افکار میں بھی فرصت کے چند لمحے جب بھی نصیب ہو گئے آپؐ نے انھیں فوراً تبلیغ و ارشاد کے لیے وقف کر دیا۔ بہر کیف خدا خدا کر کے صُلحِ حُدَیبیہ کی تکمیل کے بعد آپؐ کو گو نہ مُہلت ملی اور سب سے بڑے دشمنِ اسلام کی طرف سے کسی قدر اطمینان حاصل ہُوا تو ہمہ تن تبلیغ و ارشاد کی طرف مصروف ہو گئے اور حقیقت یہ ہے کہ جتنا اسلام اس پنج سالہ دَور میں پھیلا تھا صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ اِس مُہلت کے زمانہ میں پھیلا۔ اس فرصتِ مغتنم سے آپؐ نے سب سے بڑا فائدہ یہ اُٹھایا کہ آپؐ نے

سلاطینِ عالم کے نام دعوت نامے ارسال کیے۔

آپؐ نے ایک روز تمام صحابہ کرام کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک مہتم بالشان اور بصیرت افروز تقریر کی اور فرمایا کہ :

" لوگو ! دیکھو اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ صرف پیغمبر بلکہ رحمتِ عالم بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف کے دریا میں غوطے کھانے لگو۔ جاؤ ! اور میری طرف سے پیغامِ حق دنیا کو پہنچاؤ۔"

اتنا فرما کر آپؐ نے کاتب کو بلوایا اور سلاطینِ عالم کے لیے دعوتِ اسلام کے مکاتیب لکھا کر ارسال کیے۔ جو بزرگ حضرات یہ دعوت نامے لے کر مختلف اطراف میں روانہ ہوئے اور جن سلاطین کے نام یہ خطوط لکھے گئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے :

۱۔ حضرت دحیہ کلبیؓ : مکتوب بنام ہرقل شاہِ روم

۲۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ : مکتوب بنام شہنشاہِ خسرو پرویز کجکلاہِ ایران۔

۳۔ حضرت عمر بن امیہؓ : مکتوب بنام نجاشی شاہِ حبش۔

۴۔ حضرت سلیط بن عمرو بن عبدِ شمس : مکتوب بنام رؤسائے یمامہ۔

۵۔ حضرت حاطب بن ملتعبہ : مکتوب بنام عزیزِ مصر۔

Marfat.com

۶- حضرت شجاع بن وہب الاسدی : مکتوب بنام رئیسِ حدودِ شام حارث غسّانی بادشاہ۔

شاہِ حبش سے قریش کی عداوت

مکّہ والوں کو اس بنا پر کہ شاہِ حبش کے گورنرِ یمن ابرہہ نے جو مذہبًا عیسائی تھا بیتُ اللہ شریف پر چڑھائی کی تھی، عیسائیوں سے گونہ کد اور پرخاش پیدا ہو گئی تھی اسی لیے جب ایران کی بُت پرست مجوسی قوم کے فرماں روا شہنشاہ خسرو پرویز نے ہرقل شہنشاہِ رُوم کو جو عیسائی تھا زبردست شکست دی تو قریش نے بڑی خوشی منائی تھی اور رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو یہ طعنہ دیا تھا کہ : " دیکھ لو ! اہلِ کتاب کو ایک بُت پرست فرماں روا نے کیسی زبردست شکست دی۔"

اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قریش کا ایک خیال یہ بھی قائم ہو گیا تھا کہ آپ عیسائیت کے قیام کے لیے ساعی ہیں۔ اسی زمانہ میں سورۂ روم نازل ہوئی تھی جس میں یہ ربّانی پیشین گوئی درج تھی کہ :

" چند سال کے اندر ہی رُومی اہلِ کتاب، بُت پرست ایرانیوں پر غالب ہو جائیں گے۔"

یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ ہرقل نے انتقام کے لیے کھڑے ہو کر خسرو پرویز کو شکست دی اور اسی فتح مندی کا شکرانہ ادا کرنے کے لیے حمص سے بیتُ المقدّس آیا ہوا تھا اور کچھ اس

Marfat.com

اہتمام وشان کے ساتھ آیا تھا کہ جدھر جاتا تھا اُدھر ہی زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھتے چلے جاتے تھے۔ (فتح الباری)

شام میں اس وقت عرب کا غسّانی خاندان حکمران تھا اس کا پایہ تخت بصرٰی تھا جو دمشق کے علاقہ میں واقع ہے اور آج کل حُوران کہلاتا ہے۔ حارث غسّانی تختِ حکومت پر متمکّن تھا۔ حضرتِ دحیہؓ نے نامہ مبارک یہیں لاکر دیا جسے اس نے بیت المقدّس قیصر کے پاس بھجوادیا۔

قیصرِ رُوم کے نام دعوتِ اسلام کا خط

قیصر نے نامہ مبارک پڑھتے ہی حکم دیا کہ

"اگر اس وقت یہاں عرب کا کوئی شخص موجود ہو تو اسے لاکر حاضرِ دربار کیا جائے۔"

اور یہ محض اتّفاق ہی تھا کہ اُس وقت اُبوسفیان بہ سلسلہ تجارت وہاں آیا ہُوا تھا اور غزّہ میں مقیم تھا۔ سرکاری آدمی وہاں پہنچے اور اسے پکڑ کر دربار میں لے آئے۔ ساتھ دوسرے ساتھی بھی تھے۔

قیصر بڑے کرّوفرّ سے اپنے دربار میں تختِ سلطنت پر بیٹھا ہُوا تھا۔ چاروں طرف رہبان، قسیس اور بطارقہ کی صفیں قائم تھیں۔ قیصر نے اہلِ عرب سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے اہلِ عرب! کیا تم لوگوں میں اس مدّعیِ نبوّت کا کوئی رشتہ دار بھی ہے؟"

اُبُوسفیان نے کہا :

"جہاں پناہ ! مَیں اُس کا عزیز ہُوں"۔

اب دونوں میں یہ گفتگو ہوئی :

قیصر : مُدعیٔ نبوّت کا خاندان کیسا ہے ؟

اُبُوسفیان : شریف اور مُعزّز ہے۔

قیصر : اِس خاندان میں سے کبھی کسی اَور نے بھی نبوّت کا دعوٰے کیا ہے ؟

اُبُوسفیان : نہیں !

قیصر : اس کے خاندان میں پہلے کوئی بادشاہ بھی ہُوا ہے ؟

اُبُوسفیان : نہیں !

قیصر : جن لوگوں نے اس جدید مذہب کو قبُول کیا ہے وُہ لوگ صاحبِ اثر ہیں یا کمزور ؟

اُبُوسفیان : کمزور اور ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں۔

قیصر : اس کے پیرَو بڑھ رہے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں ؟

اُبُوسفیان : ان کی تعداد روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

قیصر : کبھی تم لوگوں کو اس کے کذب اور جھُوٹ کے مُتعلق بھی تجربہ ہُوا یا نہیں ؟

اُبُوسفیان : نہیں ! کبھی نہیں !

قیصر : کبھی وہ عہد و اِقرار کی خلاف ورزی کا بھی مُرتکب ہوتا ہے ؟

اَبُوسفیان : ابھی تک تو ایسا کوئی تجربہ نہیں ہُوا، البتّہ اِسی سال اس سے ہمارا جدید معاہدہ ہُوا ہے، اب یہ معلوم ہو جائے گا کہ وُہ اپنے عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔

قیصر : کبھی تم لوگوں نے اس سے جنگ بھی کی ؟

اَبُوسفیان : بے شک کئی جنگیں ہُوئی ہیں۔

قیصر : نتیجۂ جنگ عموماً کیا رہا ؟

اَبُوسفیان : کبھی ہم غالب آئے کبھی وہ غالب رہا۔

قیصر : وہ کیا تعلیم دیتا اور کیا سکھاتا ہے ؟

اَبُوسفیان : وہ کہتا ہے کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو اس کا شریک قرار نہ دو، نماز پڑھو، پاک دامنی اختیار کرو، صلہ رحمی کرو، اور ہمیشہ سچ بولو۔

یہ تمام جوابات سُن کر قیصر نے اَبُوسفیان سے کہا :

"تم نے اسے شریف النّسب بتایا تو بے شک پیغمبر ہمیشہ اچھّے خاندانوں ہی میں پیدا ہُوا کرتے ہیں۔ تم نے یہ بھی کہا کہ اس کے خاندان میں کبھی اور کسی نے نبوّت کا دعوٰی نہیں کیا ہے اور نہ کوئی بادشاہ ہُوا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مَیں سمجھتا کہ خاندانی اثر ہے یا بادشاہت کی ہوس ہے۔ تمھیں یہ بھی تسلیم ہے کہ اس نے کبھی لغو بیانی سے بھی سروکار نہیں رکھا۔ بھلا جو شخص خُود کبھی جھُوٹ نہیں بولتا

Marfat.com

وُہ خدا پر کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے۔ تُم نے مان لیا ہے
کہ اس کے پیرو کمزور ہیں تو سب ہی پیغمبروں کے
پیرو ابتدا میں ہمیشہ غریب اور ادنیٰ درجہ کے لوگ
ہُوا کیے ہیں۔ تمھیں یہ بھی تسلیم ہے کہ اس کا مذہب
ترقی کر رہا ہے یہ بھی اس کی صداقت و سچائی کی ایک
دلیل ہے۔ تُم نے ابھی کہا ہے کہ وُہ نماز اور تقویٰ و
عفاف کی تعلیم دیتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو اس جگہ تک
جہاں اِس وقت میرے قدم ہیں اس کا قبضہ ہو جائے گا۔
مجھ کو بھی یہ خیال تھا کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہونے
والا ہے اور ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا کہ وُہ عرب میں پیدا
ہو گا۔ اگر ممکن ہوتا اور مَیں وہاں جا سکتا تو ضرور اس کے
پاؤں دھو کر پیتا۔"

نامۂ رسُولؐ کا مضمون

اس کے بعد قیصرؔ نے حکم دیا، کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا خط دربار میں بہ آوازِ بلند پڑھا جائے۔

نامۂ مبارک میں لکھا تھا کہ :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمّد رسُول اللہ کی طرف سے جو
اللہ کا بندہ اور اس کا رسُول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام
ہے جو رُوم کا رئیسِ اعظم ہے، اسے سلامتی ہو جو ہدایت

Marfat.com

کا پیرو ہے اس کے بعد میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لا تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھے دُگنا اجر دے گا اور اگر تُو نہ مانا اور اسلام قبول نہ کیا تو تو اہلِ مُلک کا گناہ تیرے اُوپر ہوگا۔ اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے وُہ یہ کہ خُدا کے سوا کسی کو نہ پُوجیں اور ہم میں سے کوئی خُدا کے سوا کسی اور کو خدا نہ بنائے اور اگر تم نہیں مانتے تو پھر تم گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں!

اُبُوسفیان کے ساتھ قیصر کی جو گفتگو ہوئی تھی اس سے درباری اُمرآ اور بطارقہ سخت ناراض ہو چکے تھے اور اب نامۂ مبارک کو سُن کر تو وہ اور بھی برہم ہوئے اور غصّہ سے پیچ و تاب کھانے لگے۔ قیصر ان کے تیور دیکھ کر ان کے دلوں کی حالت بھانپ گیا اور دربار فوراً برخاست کر دیا۔ قیصر بلاشُبہ بہت مُقتدر اور شکوہ و شان کا فرمانروا تھا لیکن اس زمانہ میں بطارقہ اور پوپ کا اثر تمام یورپ پر مستولی تھا۔ وُہ جانتا تھا کہ اگر ان کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی اٹھایا تو خیر نہیں۔ اس کے قلب میں نُورِ اسلام کی چمک پیدا تو ضرور ہوئی لیکن فوراً ہی تخت و تاج کے ہاتھ سے نکل جانے کی تاریکی میں کچھ اس طرح گُم ہو کر رہ گئی کہ جیسے پیدا ہی نہ ہوئی تھی۔ اور اس طرح وُہ دُنیا کے ڈر سے دولتِ ایمان کے حصُول سے محرُوم رہ گیا۔ (مسند احمد بن حنبل)

Marfat.com

رئیسِ فارس کو دعوت

خسرو پرویز کی جلالت شان اور غرور حکومت بھی اس عہد میں ایک مسلّم امر تھا اپنے وقت کا ایک مقتدر اور مُہتم بالشان شہنشاہ تھا۔ مدائن پایۂ تخت تھا۔ خزائن ودفائن کی کوئی انتہا و شمار نہ تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے جو نامۂ نبوت دیا وہ اس نے پڑھا۔ چونکہ اس کے دربار کی عظمت و سطوت اس وقت کی دنیا میں یکتائی کا رنگ رکھتی تھی اس لیے عجم میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ سلاطین کو جو خطوط و مکاتیب لکھے جاتے تھے ان میں ادباً پہلے بادشاہ کا نام لکھنا ضروری ہوتا تھا لیکن عرب میں طریقہ تحریر اس کے برعکس تھا اس لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے طریق پر پہلے اپنا نام لکھا تھا۔

خسرو پرویز نے اس طریق تحریر کو اپنی تحقیر پر محمول کیا اور تکبّرانہ غیظ و جلال میں سرشار ہو کر کہ مجھے یوں لکھا اور مخاطب کیا گیا ہے وہیں تخت پر بیٹھے بیٹھے نامۂ مبارک کو پرزے پرزے کر ڈالا۔ مکتوبِ مقدّس کا مضمون یہ تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد پیغمبر خدا کی طرف سے کسریٰ رئیسِ فارس کے نام۔ سلام ہے اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو، اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے

تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے۔ اسلام قبول کر تو سلامت رہے گا ورنہ مجوسیوں کا وبال تیرے سر پر ہوگا۔"

اس کے بعد خسرو پرویز نے یمن کے گورنر باذان کے نام حکم صادر کیا کہ تم فوراً حجاز سے اس مدعیٔ نبوت کو گرفتار کرکے دربار میں حاضر کرو۔

باذان نے فرمانِ خسروی کی تعمیل میں کاخرخسرہ اور بابویہ دو اشخاص کو دربارِ نبوت میں مدینہ بھیجا۔ انھوں نے آکر عرض کی کہ:

"آپؐ کو شہنشاہ خسرو پرویز نے مدائن طلب کیا ہے اگر آپؐ اس حکم کی تعمیل نہ کریں گے تو وہ آپؐ کو اور آپؐ کے ملک کو تباہ و برباد کر دے گا۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا

"تمھارے شہنشاہ خسرو کو تو اسی کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے۔ تم واپس جاؤ اور باذان سے سے کہہ دینا کہ اسلام کی حکومت انشاء اللہ تعالے کسریٰ کے پایۂ تخت پر قبضہ جمانے کے لیے خود پہنچ جائے گی۔"

شاہِ مصر کے نام مکتوبِ مبارک

مصر، افریقہ کا ایک نہایت دولت مند اور سرسبز و شاداب

علاقہ ہے۔ یہاں مقوقس جاہ وجلال کے ساتھ حکومت کر رہا تھا۔ اس کے پاس جب دعوتِ اسلام کا خط پہنچا تو شہنشاہ رُوم قیصرِ ہرقل کی طرح یہ بھی اسے پڑھ کر بہت متأثر ہُوا، اور اس کے جواب میں یہ خط لکھا:

"محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیسِ قبط کی طرف سے سلام علیک کے بعد میں نے آپ کا مکتوب گرامی پڑھا اور اس کا مضمون ومطلب سمجھ لیا۔ مجھے اتنا تو معلوم تھا کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہونے والے ہیں لیکن میرا خیال یہ تھا کہ وہ ملک شام میں ظہور کریں گے۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزّت کی۔ آپ کی خدمت گزاری کے لیے دو لڑکیاں بھیجتا ہُوں جن کی مصر کی قوم قبطیوں میں بڑی عزّت کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی میں آپ کے لیے کپڑا اور سواری کو خچّر بھی بھیجتا ہُوں!"

شاہِ مصر نے جو لڑکیاں بھیجی تھیں ان میں ایک لڑکی حضرت ماریہ قبطیہؓ تھیں جو حرم نبویؐ میں داخل ہُوئیں اور دُوسری سیرینؓ تھیں جن کا عقد حضرت حسانؓ سے ہُوا۔ خچّر آپ کی سواری میں آیا۔ جو دُلدُل کے نام سے مشہور ہُوا۔ غزوۂ حنین میں آپ اسی دُلدُل پر سوار تھے۔

نجاشی کا قبولِ اسلام

بادشاہ نجاشی کے نام آپ نے جو مکتوب دعوت ارسال کیا تھا اس کے

Marfat.com

جواب میں اس نے لکھا کہ :

"مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے سچّے پیغمبر ہیں۔"

اس زمانہ میں حضرت جعفرؓ طیّار حبش ہی میں موجود تھے۔ نجاشی نے نامۂ مُبارک پڑھ کر ان کے ہاتھ پہ اسلام قبول کر لیا۔ نجاشی نے اپنے فرزند کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ دربارِ نبوّت میں بھیجا تھا لیکن بادِ مخالف کے تھپیڑوں سے یہ جہاز سمندر میں غرق ہو گیا۔ (ابنِ اسحاق)

حبش میں بہت سے مُسلمان موجود تھے جو مکّہ سے ہجرت کر کے حبش پہنچے تھے اور اب تک یہیں تھے۔ ان مہاجرین میں قریش کے رئیسِ اعظم ابُوسفیان کی صاحب زادی حضرت اُمِّ حبیبہؓ بھی تھیں۔ چونکہ ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ یہاں بے مُونس و غم خوار اور بے رفیق و مددگار بیوگی کے دن گزار رہی تھیں۔ آپؐ کو یہ حالت معلوم ہوئی تو نجاشی کی وساطت سے انھیں شادی کا پیغام بھیجا اور لکھا کہ نکاح کے بعد انھیں مدینہ روانہ کر دیا جائے۔

نجاشی نے نامہ مبارک پڑھنے کے بعد حضرت خالد بن العاص کو اس خدمت پر مامور کیا۔ انھوں نے رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی طرف سے ایجاب و قبول کے فرائض انجام دیئے اور نجاشی نے حضور نبیِ اکرم علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کی طرف سے خود حقِ مہر ادا کیا، جو چار سو اشرفیوں پر مشتمل تھا۔ نکاح کی تکمیل کے بعد حضرت اُمِّ حبیبہؓ حضرت جعفر طیّار اور دیگر مہاجرین کے ہمراہ جہاز میں سوار ہوئیں اور

Marfat.com

مدینہ پہنچ گئیں۔ آپؐ اس وقت خیبر گئے ہوئے تھے۔

آپؐ کی عادت تھی کہ آپؐ حضرت اُمّ حبیبہؓ سے نجاشی کے حالات اکثر دریافت کیا کرتے تھے۔

رئیسِ یمامہ کا جواب

ہودہ بن علی رئیس یمامہ نے آپؐ کے مکتوبِ گرامی کے جواب میں لکھا کہ :

"آپؐ نے جو باتیں لکھی ہیں وہ بہت اچھی ہیں لیکن اگر آپؐ مجھے اپنی حکومت میں شریک کرنے اور سلطنت کا کچھ حصّہ دینے پر آمادہ ہوں تو پھر میں اسلام قبول کرنے کے لیے تیّار ہوں۔"

آپؐ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ :

"اگر زمین کا ایک ٹکڑا بھی میرے پاس ہو تو میں اس میں ہرگز کسی کو شریک نہ کروں گا اور نہ اس کا حصّہ کسی کو دوں گا!"

شاہِ غسّان کی بدبختی

حارث غسّانی بھی ایک جلیل القدر بادشاہ تھا گو رومیوں کے ماتحت تھا مگر حدودِ شام میں اطراف کے عربوں پر فرماں روائی کر رہا تھا۔ اسے ہر قسم کی داخلی آزادی حاصل تھی۔ جب اس کے پاس نامۂ مبارک پہنچا تو اسے پڑھ کر وہ بے حد غضب ناک ہوا، اور اسی وقت اس نے

اپنی فوج کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان دنوں مدینہ میں اس کے حملہ آور ہونے کا بہت شور تھا اور مسلمان ہر وقت اس کے منتظر رہتے تھے۔

یاد رہے کہ موتہ اور تبوک کی لڑائیاں اسی حملہ کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں اور تبوک کی جنگ ایک زبردست جنگ تھی۔

یمن کے گورنر باذان نے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت کو دیکھ کر اور خسرو پرویز کے قتل کی تصدیق پا کر کہ آپؐ نے جو فرمایا تھا وہ سچ نکلا ہے فوراً اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کی قسمت میں تو یہ سعادت نہ تھی مگر اس کے گورنر باذان کو یہ شرف حاصل ہو گیا۔

باذان بھی اقتدار اور شان و شکوہ میں کسی خودمختار بادشاہ سے کم نہ تھا۔ یمن جیسے زرریز اور زرخیز صوبہ پر مدت سے فرماں روائی کر رہا تھا۔ پھر یہ تنہا ایمان نہیں لایا تھا بلکہ اس کے ساتھ یمن کے بڑے بڑے عجمی عمائدین و امراء شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے۔

ملوکِ مناذرہ کے نام مکتوب

قریش کے بھی دو سرتاج اسی زمانہ میں نورِ اسلام سے منور ہوئے یہ دونوں نامی گرامی سردار حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ تھے۔ دونوں خود رئیس اور رئیس زادے تھے۔ دونوں نے آگے چل کر

Marfat.com

تاریخِ اسلام میں عدیم المثال اور فقید النظیر شہرت حاصل کی۔ اوّل الذکر نے شام کا دولت مند اور زرخیز ملک قیصرِ رُوم سے چھین لیا، اور ثانی الذکر فاتحِ مصر بنے۔

حضرت خالدبن ولید فنونِ سپہ گری اور شجاعت وقیادت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اور حضرت عَمرو بن العاص تدبّر وسیاست میں لاثانی تھے۔ اسلامی تاریخ کا ہر طالبِ علم جانتا ہے اور واقف ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے مابین اب تک جتنی بھی جنگیں اور لڑائیاں ہُوئیں خالدرضؓ بن ولید ان سب میں پیش پیش تھے۔ ہر معرکہ میں ان کا نام نمایاں جگہ پر نظر آتا ہے اور ایّامِ جاہلیت میں رسالہ کی افسری انہی کے سپُرد ہُوا کرتی تھی۔ جنگِ اُحد میں قریش کے اُکھڑے ہُوئے پاؤں انہی کی سپہ گرانہ قابلیت سے جمے تھے اور ان کی شکست فتح کی صُورت اختیار کر گئی تھی۔ حُدَیبیہ کے موقع پر بھی قریش کے مقدمۃ الجیش کی قیادت یہی کر رہے تھے۔ قریش کے سپہ سالارِ اعظم حضرت خالدؓ بن ولید ہی تھے اور بڑی شہرت اور بڑے اثر ورسُوخ کے حامل تھے۔

جب معاہدۂ حُدَیبیہ مکمّل ہو چکا تو کچھ دن کے بعد حضرت خالدؓ مکۂ معظّمہ سے نکل کر خراماں خراماں مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت عمرو بن العاص بھی مل گئے جنھوں نے خالدؓ کو دیکھتے ہی پُوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟

حضرت خالدؓ نے صاحبِ دَوراں صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا نام لے کر

Marfat.com

صاف الفاظ میں جواب دیا :

"اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ آخر کب تک قائم رہوں گا۔"

عمروؓ بن العاص کہنے لگے :

"بھئی ارادہ تو میرا بھی یہی ہے۔"

چناں چہ دونوں ساتھ ساتھ روانہ ہوئے۔ بہ یک وقت بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور دونوں نے اپنی اکڑی ہوئی گردنیں اسلام کے آگے جھکا دیں۔

ان دونوں حضرات کا اسلام قبول کرنا بھی کسی رئیس اور فرماں روا کے اسلام قبول کرنے سے کم نہ تھا۔ آخر حضرتِ خالدؓ قریش کے رئیسِ اعظم ولید بن مغیرہ کے اور حضرت عمروؓ عاص بن وائل جیسے ذی اثر اور چوٹی کے رؤسا کے صاحب زادے تھے۔

مخالفینِ اسلام کہہ دیا کرتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت تلوار و جبر کی رہینِ منّت ہے لیکن کوئی ہمیں بتائے کہ حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت نجاشیؓ، حضرت باذانؓ اور حضرات ملوک مناذرہؓ کی گردن پر کون سی تلوار رکھی گئی تھی اور شہنشاہِ روم اور عزیزِ مصر کو کس خنجر کی برش کے خوف نے استحسانِ اسلام پر آمادہ کر دیا تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ اسلام رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے بزرگ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سرگرم جدّ و جہد اور اپنی ذاتی

خوبیوں کی بنا پر پھیلا۔ اب نہ ایسے قدسی نفس و سرگرمِ عمل بزرگ ہیں اور نہ ہی کسی کی زندگی اُن زندۂ جاوید بزرگوں کی طرح تعلیماتِ اسلامی کا نمونہ نظر آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تبلیغ کی رفتار سست پڑ گئی ہے۔

اشاعتِ اسلام اور تبلیغِ دین

رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا اوّلین فریضۂ عمل دعوتِ اسلام اور پیغامِ حق تھا جس کے لیے نیزہ و سنان، تیر و تبر اور فوج و اسلحہ کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن دعوت و ارشاد کے ضمن میں خود تراشیدہ بتوں اور خود ساختہ خداؤں کی مذمت و تنقیص بھی جزوِ لاینفک کی حیثیت رکھتی تھی اس لیے پرستارانِ اصنام کی مخالفت و معاندت سے مقابلہ لازمی امر تھا، بالخصوص اس صورت میں جب کہ اعتقادیات کی دنیا میں تلاطم کے ساتھ اس کے ذریعہ حاصل کردہ اقتدارِ سیاسی و مالی پر بھی کاری ضرب پڑ رہی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ مکّہ میں صدائے حق کی بجلی کے کڑکتے ہی ہر طرف سے مخالفت کی گھٹائیں ہجوم کر کے آئیں اور افق پر تیرہ و تار ابر کے ٹھٹے کے ٹھٹ لگ گئے۔

رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم بحرِ مخالفت کی موّاج لہروں کے ساتھ اِدھر اُدھر تنہا بہتے اور تیرتے پھرتے تھے۔ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے تھے ہر قبیلہ کے سردار سے کہتے تھے کہ

"قریش مجھے صدائے حق کے اعلان سے روکتے ہیں

آپ مجھے اپنی پناہ میں لے لیں اور صرف اتنا موقع دِلا دیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام اُس کے بندوں تک پہنچادوں !"

لیکن !

استیلائے قریش سے مرعُوبیّت اِس قدر بڑھی ہُوئی تھی اور تولیّتِ حرم نے ان کے اثر کو اِس درجہ وسیع اور عام کر دیا تھا کہ ہزاروں لاکھوں انسانوں میں سے کوئی ایک بھی تو اِس اقرار و پیمان پر آمادہ نہ ہوتا تھا مگر حق کی کرنیں باطل کے حجابات میں نہ کبھی چُھپ سکی ہیں نہ چُھپ سکیں اور انھوں نے کسی نہ کسی طرح اپنے لیے راستہ پیدا کر ہی لیا اور اپنے نُور کو منتشر کر کے رہیں۔ خود مخالفت ہی نے موافقت کا کام کرنا شروع کر دیا۔

ہر سال موسمِ حج میں عرب کے دُور دراز مقامات سے لوگ زیارتِ بیتُ اللہ شریف کے لیے آتے رہتے تھے۔ اسلام کو صرف اشتہار و اعلان ہی کی ضرورت تھی۔ رسُول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی راہ میں تو موانع کے پہاڑ کھڑے کر دیئے گئے تھے مگر خود ان کی مخالفانہ کارفرمائیاں مصروفِ یاورگیری ہُوئیں۔

حج کا زمانہ آتا تو قریش اِس اندیشہ سے کہ کہیں رسُول کریمؐ ان تک پہنچ کر انھیں شیفتۂ اسلام نہ بنالیں، عام گزرگاہوں اور شاہراہوں کے سروں اور ناکوں پر خیمے لگا لیتے اور حفظِ ماتقدّم

کے طور پر ان سے کہتے کہ :

"ہمارے شہر میں ایک بدعقیدہ (نعوذ باللہ) شخص پیدا ہوا ہے جو ہمارے تمھارے معبودوں کی مذمت کرتا ہے اور لات و عزّیٰ تک کی تنقیص سے باز نہیں رہتا۔"

کچھ تو ویسے ہی شور مچ گیا تھا۔ شہرت ہو رہی تھی۔ کچھ اس مخالفانہ رنگ آرائیوں نے لوگوں کے قلوب میں شوقِ تجسّس و دید پیدا کرنا شروع کیا۔ کچھ لوگوں کو از خود یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ اصلیّت کا پتہ تو لگائیں اور وہ آپ تک پہنچنے لگے۔ چناں چہ حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق یمن اور کویت تک سے لوگ تحقیقِ حال کی غرض سے مکّہ آئے اور اسلام قبول کر کے واپس گئے۔

قبیلہ اوسؔ کا قبولِ اسلام

جو لوگ ظہورِ نبوّت سے پیشتر بُت پرستی سے متنفّر ہو گئے تھے اور دینِ ابراہیمی اختیار کر چکے تھے ان میں سے اکثر نے تو ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا۔ طفیل بن عمرو دوسی عرب کا ایک با اثر اور نامور شاعر تھا۔ عرب کے باسیوں نے اسے اسلام قبول کرنے سے روکنے کے لیے بہت کوششیں کیں مگر وہ کسی نہ کسی طرح خدمتِ نبوی میں باریاب ہو کر مسلمان ہو

Marfat.com

گیا اور قرآنِ پاک کی چند آیات نے اس کے دل کی دُنیا بدل کے رکھ دی۔ اس کے اثر ہی کا ثمرہ تھا کہ قبیلہ دوس میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔ (زرقانی و مسلم)

لیکن!

پھر بھی قبیلہ بہ حیثیت مجموعی اسلام سے اعراض ہی کرتا رہا۔

اس صورتِ حالات سے رنجیدہ اور مایوس ہو کر اس نے رسُولِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے ان کے لیے بددُعا کی استدعا کی۔ آپؐ کی بددُعا ذرا ملاحظہ فرمایئے!

آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا:

"یا اللہ دوس کو ہدایت دے۔"

اس دُعا کے بعد آہستہ آہستہ سارے کا سارا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

سُبحان اللہ! (صحیح بخاری)

ایک اور بزرگ عمرو بن عنبہ سلمی لوگوں کی زبانی آپؐ کی نبوّت کا حال سُن کر مکّہ آئے اور بہ مشکل آپؐ تک پہنچ کر نہایت مشتاقانہ انداز میں چند سوالات کیے:

"آپ کون ہیں؟"

ارشاد ہُوا:

"پیغمبر ہوں۔"

پھر دریافت کیا: "پیغمبر کسے کہتے ہیں؟"

Marfat.com

ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص پیغامات دے کر دنیا میں بھیجے اسے پیغمبر کہتے ہیں۔

پھر دریافت کیا کہ کیا پیغام دے کر آپؐ کو بھیجا گیا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے۔ بتوں کو توڑ پھوڑ کر نیست و نابود کر دیا جائے، خدا کو ایک مانا جائے اور کسی دوسرے کو اس کا شریک و سہیم نہ ٹھیرایا جائے۔

عمرو نے پوچھا:

"اس مذہب کے پیرو کتنے ہیں؟"

آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"ایک آزاد (ابوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ)"۔

عمرو نے بے ساختہ کہا:

"میں بھی آپؐ کی پیروی کرتا ہوں"۔

اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"فی الحال یہاں سے چلے جاؤ اور اپنے اسلام کو خفیہ رکھو۔ جب میری کامیابی کا حال سنو تو میرے پاس چلے آنا"۔

چنانچہ حضرت عمروؓ نے جب یہ سنا کہ آپؐ ہجرت کر کے مدینہ شریف میں مستقل طور پر قیام پذیر ہو چکے ہیں تو وہ مدینہ منورہ جا کر آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ اور آپؐ کے زیرِ سایہ زندگی گزارنے لگے۔ (صحیح مسلم)

دلِ کی پرواز

قبیلہ ازدشنوہ کے رئیس ضماد بن ثعلبہ آپؐ کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ آپؐ کی شہرت اور جنون کا حال قریش کی زبانی سنا۔ قریش آپؐ کو پاگل اور دیوانہ ہی مشہور کیا کرتے تھے۔ ضماد یہ سن کر رہ نہ سکے فوراً آپؐ سے ملنے اور آپؐ کی دیوانگی کا علاج کرنے کے لیے آئے۔ آپؐ نے ان کے سامنے یہ جملے پڑھے :

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔"

یہ جملے سن کر ضماد مسحور ہو چکے تھے۔ دوبارہ سہ بارہ یہی جملے پڑھوائے اور کہنے لگے کہ :

"میں نے دوگروہوں کاہنوں اور شاعروں کا کلام سنا ہے لیکن یہ تو چیزے دیگر ہے یہ تو دریا کی تہ تک بھی اثر کر جائے گا۔"

ضماد نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور پھر بعد میں اس کا پورے کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت ابوذر غفاری بھی اسی طرح آپؐ کی شہرت سن کر تحقیق حال کے لیے مکہ آئے اور مسلمان ہو گئے۔ ان کی تلقین سے نصف قبیلہ تو فوراً مسلمان ہو گیا۔ اسلام سے پیشتر یہ دونوں قبیلے عرب کے اندر

چوری کے فن میں مشہور اور بدنام تھے۔

حج کے موسم میں جو قبائل مکہّ آتے تھے آپؐ ان کے پاس جا کر برابر تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ مدینہ کے دو مشہور انصاری قبائل سے اوس و خزرج کی کثیر جماعت نے اسی زمانے کی تبلیغ سے متاثرّ ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ آپؐ کے مدینہ ہجرت کر جانے پر اس نواح کے آباد قبائل میں بھی اسلام کا نور آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔ معرکۂ بدر کے بعد اسیرانِ جنگ کو چھڑانے کے لیے جو لوگ مکہّ سے مدینہ آئے وہ بھی آپؐ کے پاکیزہ اخلاق اور اعلیٰ نمونۂ عمل کو دیکھ کر متاثرّ ہوئے اور پھر اسلام قبول کرنے لگے۔ انھی میں متعدّد اشخاص ایسے بھی تھے جن کے کانوں میں قرآنِ مجید کی صدا بالکل اتفاقیہ طور پر پڑ گئی اور وہ آپؐ کے غلام بن گئے۔

حضرت جبیر بن مطعم اسیرانِ بدر میں تھے۔ اسیرانہ حالت تھی کہیں ان کے کان میں قرآنِ کریم کی آیات کی صدا پڑ گئی۔ آپؐ خود یہ آیات پڑھ رہے تھے:

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ
أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَل لَّا يُوقِنُونَ

ترجمہ: "کیا یہ یونہی آپ سے آپ پیدا ہو گئے یا ان لوگوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا یا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بلکہ بات یہ ہے کہ ان کو یقین ہی نہیں ہے!"

Marfat.com

خود حضرت جبیرؓ ہی کا بیان ہے کہ یہ آیات سُن کر انھیں یہ معلوم ہُوا کہ جیسے اُن کا دل پرواز کر گیا ہے۔ (صحیح بخاری)

رُومیوں کی فتح کے متعلق قرآن کریم میں جو پیشین گوئی کی گئی تھی سات برس کے بعد اس کے سچا ہونے کا بھی یہ اثر ہُوا کہ لوگ اسے اسلام کی صداقت کا ایک معجزہ سمجھنے پر مجبُور ہو گئے اور بہت سے کفّار ایمان لے آئے اور اسلام بتدریج پھیلتا چلا گیا۔

قبائلِ اشجع وجُہَینہ کا قبولِ اسلام

غزوۂ احزاب تاریخِ اسلام کی ایک نہایت خوفناک جنگ ہے۔ اس شکست نے قریش کے عالمگیر و ہمہ گیر اثر و اقتدار پر گونہ بُرا اثر ڈالا اور جو قبائل قبولیتِ اسلام کے لیے تیار بیٹھے تھے مگر قریش کے اثر سے مرعُوب تھے اب اُنھوں نے اپنے وفود خدمتِ نبویؐ میں بھیجنا شروع کر دیئے۔

سب سے پہلا وفد جو چار سَو افراد پر مشتمل تھا وُہ قبیلہ مزنیہ کا وفد تھا۔ یہ قبیلہ پُورے کا پُورا مسلمان ہو گیا۔ (طبقات ابنِ سعد)

قبیلہ اشجع کے سَو آدمی بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہوئے اور معاہدۂ مصالحت مکمّل کر لیا۔ اُس وقت تو یہ کافرانہ حالت ہی میں واپس ہوئے لیکن فیضِ صحبت کی یہ اعجاز فرمائی تھی کہ وطن پہنچتے پہنچتے ہی سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ (طبقات)

جہینہ ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ آئے۔ اسلام قبول کیا

اور اس کے بعد اکثر غزوات میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ (اصابہ)

جہینہ، غفار، اسلم اور اشجع عرب کے وہ چار قبائل ہیں جن کی مسابقتِ اسلام کی بنا پر سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی تھی۔ (صحیح بخاری)

صلح حدیبیہ نے اشاعتِ اسلام کی رفتار کو پر لگا دیئے۔ اس کے بعد جس کثرت سے اسلام پھیلا اتنا اس سے پیشتر کبھی نہ پھیلا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ اب مکہ اور مدینہ میں آمدورفت شروع ہو گئی۔ میل جول پیدا ہوا اور کفار کو پہلی مرتبہ مسلمانوں کے ساتھ آزادانہ ملنے جلنے اور ان کے اخلاق و عمل کی پاکیزگیوں کے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا اور اس سے ان کے قلوب بے حد متاثر ہوئے۔ اس سے ہی اندازہ لگا لیجئے کہ آپ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں عمرہ کو مدینہ سے نکلے ہیں تو اس وقت آپ کے ساتھ صرف چودہ سو مسلمان تھے لیکن دو برس کے اندر اندر یہ انقلاب تھا کہ فتح مکہ کو چلے ہیں تو دس ہزار جاں نثارانِ اسلام ہمرکاب تھے۔

فتحِ مکہ کے بعد رفتارِ اسلام کی سرعت

صلح حدیبیہ کے بعد اگرچہ اطرافِ عرب میں داعیانِ اسلام کی ترسیل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا لیکن فتح مکہ کے بعد تو یہ سلسلہ منظم صورت اختیار کر گیا تھا۔ عمرو بن سلمہ کی یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے کہ عرب قریش کے اسلام کا انتظار کر رہے تھے

وہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی قوم قریش پر چھوڑ دو اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پر غالب آ گئے تو بلاشبہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی شروع کر دی۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عرب کے اندر فروغِ اسلام میں جو دیر لگی اس کا باعث زیادہ تر قومی وخاندانی مخالفتیں تھیں ورنہ اسلام کی سچائی وسادگی ایسی چیز نہ تھی کہ وہ عربوں جیسی تیز فہم اور ذہین قوم کو عجلت کے ساتھ اپنی طرف مائل نہ کر لیتی جب یہ پتھر راہ سے ہٹ گیا تو پھر حق کے آگے بڑھنے میں کوئی دیر نہ تھی۔

دُعاۃِ اسلام کا تقرر

فتح مکہ کے بعد آپؐ نے صیغۂ تبلیغ و ارشاد کو منظم صورت عطا کی۔ اس لیے کہ آپؐ پیغمبر تھے اور پیغمبر کو ہر حالت میں حق کی تبلیغ کا خیال مقدم رکھنا ہی چاہیے تھا۔ آپؐ نے پاکیزہ اخلاق اور ذی علم بزرگوں کو اطرافِ عرب میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجنا شروع کر دیا۔ یہ بزرگ اصحابؓ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق لوگوں کو فضائل و محاسنِ اسلام بتا کر اسلام کی ترغیب دیتے تھے۔ ان دُعاۃِ اسلام کے ساتھ حفاظتِ خود اختیاری کے طور پر کسی قدر فوج بھی ساتھ کر دی جاتی تھی۔ دُعاۃ کے انتخاب میں بھی خاص احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اس لیے کہ تجربہ یہ ہوا تھا کہ ہر شخص وعظ و ارشاد کا کام بحسن وخوبی

Marfat.com

انجام نہیں دے سکتا۔ حضرت خالدؓ یمن گئے مگر چھ ماہ تک ان کی دعوت پر کسی نے بھی توجہ نہ کی۔ اس لیے کہ وہ سپہ سالار اور فاتح تھے واعظ نہ تھے۔ ان کی ناکامی کا حال سن کر رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجا۔ ان کی تبلیغ سے دفعتہً ملک اسلام کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ (طبری)

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ جزیمہ کے پاس بھی دعوت و ارشاد کے لیے گئے تھے وہاں کشت وخون کر بیٹھے۔ رسول کریمؐ کو ان کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری اور آپؐ نے یہاں بھی ان کی جگہ حضرت علیؓ کو بھیجا۔ جنھوں نے قبیلہ جزیمہ کے پاس جاکر ہر ایک مرنے والے کا خوں بہا ادا کیا یہاں تک کہ وہاں اس دوران جو کتے مارے گئے تھے ان کی بھی قیمتیں ادا کیں۔

اسلام کی یہی رواداریاں تھیں جن کی نظیر دنیا کی کوئی تہذیب پیش نہ کر سکی اور جس کی طرف لوگ ازخود کھنچتے تھے۔ اشاعتِ اسلام کے لیے آپؐ جب بھی کوئی مسلح جماعت بھیجتے تھے تو ہر ایک فرد کی قابلیت کا امتحان پہلے سے لے لیتے تھے اور ان میں جو شخص سب سے زیادہ عالمِ قرآن ہوتا تھا اسی کو تبلیغی جماعت کا امیر مقرر فرما دیتے تھے۔ (ترغیب وترہیب)

عدن والوں کا قبولِ اسلام

اب اسلام کو گونہ اطمینان اور سکون حاصل ہو چکا تھا

اس لیے ہر حرکت وعمل میں تبلیغ کا پہلو نمایاں رکھا جاتا تھا۔ زکوٰۃ و جزیہ کی وصولی کے لیے زیر اثر ممالک میں جو عمّال بھیجے اور مقرر کیے جاتے تھے ان کے متعلق یہ اہتمام ہوتا تھا کہ وہ واعظ و عالم ہوں اور ان کا تقدس، زہد اور پاکیزگیِ اخلاق مسلّم حیثیت کے حامل ہوں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوتا تھا کہ وہ تحصیل زکوٰۃ کے ساتھ تبلیغ اسلام بھی کر سکیں۔ اس خصوصیت کے عمّال و دُعاۃ یمن، حضرموت، بحرین عدن اور ذوالکلاع حمیری میں بھیجے گئے تھے۔ جو عمّال ان مقامات پر بھیجے گئے ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، جریر بن عبداللہ بجلی، علاء بن حضرمیؓ اور خالد بن سعیدؓ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ جریرؓ مشہور صحابی ہیں۔ ذوالکلاع حمیری یمن کے خاندان سلاطین سے تھے۔ ایک موقعہ پر انھیں ایک لاکھ انسانوں نے سجدہ کیا تھا۔ جریرؓ کی دعوت و تبلیغ پر یہ سب کے سب اسلام لے آئے جس کی خوشی میں انھوں نے چار ہزار غلام آزاد کیے تھے۔

حضرت ابوموسیٰؓ کی تبلیغ سے بھی عدن و زبید کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

مشہور صاحب علم صحابی خالد بن سعید سابقین اوّلین اور مہاجرین حبش میں سے ہیں۔

غرض یہ کہ اسی پایہ کے صحابہ کرامؓ اس خدمت پر مامور ہوتے تھے جو دیگر فرائض کے دوش بدوش تبلیغ اسلام بھی کرتے رہتے تھے۔

Marfat.com

کیا اِس دَور کے مسلمان اِس سے کوئی سبق حاصل کریں گے اور وُہ سمجھیں گے کہ تبلیغ کا فریضہ کتنا اہم فریضۂ اسلام ہے۔

قبیلہ ہمدان آغوشِ اسلام میں

سطوُرِ بالا میں ایسے بزرگوں کا ذکر تھا جن کے سپُرد بہ یک وقت کئی خدمات تھیں لیکن بعض بزرگ ایسے بھی تھے جو مخصوص طور پر صرف دعوتِ اسلام ہی کے لیے بھیجے جاتے تھے چنانچہ کُتبِ سیَر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ قبیلہ ہمدان، مذحج، اور جزیمہ میں۔ مغیرہ بن شعبہؓ نجران میں۔ عمرو بن العاصؓ عمان میں، خالد بن ولیدؓ اطرافِ مکّہ میں، وبرؓ بن نخیس ابنائے فارس میں۔ مہاجرؓ بن امیہ بطرف حارث بن عبد کلال شہزادۂ یمن اور محیصہ بن مسعودؓ فدک میں محض اشاعتِ اسلام ہی کے لیے بھیجے گئے تھے۔

یہ تو وُہ نظام تھا جو دارالخلافت مدینہ میں قائم تھا اور وہیں سے سرکاری طور پر یہ خدمات سپرُد ہوتی تھیں اور سرکاری ہی طور پر ضبط و انتظام کے ساتھ تقرّریاں ہوتی تھیں اِس کے علاوہ پرائیویٹ طور پر بھی مسلمان اسے ایک اہم فریضۂ اسلام سمجھ کر انجام دیتے رہتے تھے وُہ رؤسائے قبائل جو دربارِ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیتے تھے وہ جب اپنے اپنے قبیلے کی طرف مراجعت کرتے تھے تو بطور خود یہ خدمات انجام دیا کرتے تھے اور خدا اور رسُولؐ کی خوشنودی حاصل کرتے تھے۔ ان افرادی مساعی سے بھی اشاعتِ اسلام میں بہت

ترقی ہوئی اور فتحِ مکہ کے بعد اس سُرعت کے ساتھ اسلام پھیلنا شروع ہُوا کہ حجاز تو ایک قلیل وقفۂ مدّت ہی میں سارے کا سارا مسلمان تھا اور عرب کے ہر گوشہ میں اسلام کی شعاعیں ضو ریز ہو رہی تھیں۔

حجاز سے باہر یہود و قریش کی مسلسل و خوف ناک مخالفت و مزاحمت کی وجہ سے نبوّت کے اکیس سال میں اسلام کو اصلاً کوئی ترقی نصیب نہ ہُوئی تھی۔ اِدھر اُدھر خال خال مسلمان نظر آتے تھے جو کچھ شور و جوشش تھا وہ حدُودِ حجاز کے اندر تک محدُود تھا۔ جب خیبر میں یہود کی اور مکہ میں قریش کی قوّت کے دیو ہیکل بُت پاش پاش ہو گئے تو میدان صاف تھا۔ مزاحمت و مخالفت کی دیواریں سامنے سے ہٹ گئیں اور صرف تین برس کے اندر اندر ۸-۹-۱۰ھ میں اسلام کا نُور ایک طرف تو عراق و شام کی حدُود تک وسیع ہو گیا اور دوسری طرف یمن، بحرین، یمامہ اور عمان تک پھیل گیا۔ یہ کوئی معمولی اور غیر اہم علاقے نہ تھے بلکہ عرب کے وہ عظیم الشان اور مشہور صُوبے تھے جہاں ظہُورِ اسلام سے پیشتر بڑی بڑی پُرشکوہ فرماں رَوائیاں قائم رہ چکی تھیں اور وہاں زبردست سلاطین حکومت کر چکے تھے۔

کلدانیہ، نینوا، تدبر، حمیر کے تخت یہیں بچھتے تھے اور اس وقت بھی یہ دُنیا کی دو پُرسطوت و صُولت شہنشاہیوں رُوم و

فارس کے زیرِ اثر تھے۔ اس کے باوجود اسلام برابر آگے قدم بڑھاتا چلا گیا اور اس نے صلح و امن کے سائے ہی میں سارے عرب پر قبضہ کر لیا۔ تاریخ گواہ ہے، کتبات شاہد ہیں، مؤرخینِ عالم کے بیانات موجود ہیں، کسی سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا اور نہ کوئی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ اس وقت اشاعتِ اسلام کے لیے کہیں تلوار و تحریص سے کوئی کام لیا گیا اور اگر لینا بھی چاہتا تو مجال کس کی تھی کہ وہ فارس و روم کے زیرِ اثر علاقوں میں مذہبی جبر و ظلم سے کام لے سکتا۔

لبیک کی صدائیں آئیں اور ہر گوشے سے آئیں۔ اسلام کی صدا پر سب نے سر جھکا دیئے۔ دنیا بھر میں کوئی مذہب بھی ایسی سریع ترقی اور پُر امن فروغ کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

یمن میں اسلام

یمن نہ صرف یہ کہ اپنی شادابی و زرخیزی اور اپنے قدیم تمدن و تجارت کے لیے مشہور تھا بلکہ یہاں کسی زمانہ میں حمیر اور سبا کی مہتم بالشان فرماں روائیاں بھی قائم ہو چکی تھیں۔ گو ولادتِ نبوی کے چند سال بعد سے یمن پر ایران والوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا مگر اس سے پہلے اس پر عیسائی قابض تھے جن کا تصرف اس پر ولادتِ نبوی سے تقریباً پچاس سال پیشتر ۵۲۵ء میں ہو چکا تھا۔ یہاں اسلام کی اشاعت میں متعددِ موانع و علائق تھے مثلاً:

اختلافِ جنسیت، کہ رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تو اسماعیلی تھے اور یمنی قحطانی! پھر اہلِ یمن کو اپنے تمدّن و حکومت اور قدیم جاہ وجلال پر بڑا غرّہ اور بڑا ناز تھا اور تمام عرب بھی ان کے اس ناز کو بجا سمجھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہی لوگ عرب کی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ حالت یہ تھی کہ عرب میں جہاں کوئی باقاعدہ حکومت تھی وُہ یمن ہی کے خاندان سے شمار ہوتی تھی۔ چناں چہ جب قبیلہ کندہ کا وفد یمن سے آکر رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی خدمت میں باریاب ہُوا ہے تو اُس نے آپؐ کو ایک فرماں روا سمجھ کر پوچھا:

"کیا ہم اور آپؐ ایک ہی خاندان سے نہیں ہیں؟"

آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"ہم نضر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں۔"

دُوسری بات یہ کہ یمن اس وقت ایرانیوں کے زیرِ اقتدار تھا اور یہاں کے باشندے بالعموم یہودی اور عیسائی تھے۔ اتنے عوائق کے باوجود یمن میں اسلام کی روشنی پہنچی اور شریعت کے ساتھ پہنچی۔ قبیلہ دوس یمن ہی کا ایک ممتاز قبیلہ تھا۔ قبیلہ کندہ کو آپؐ نے زمانۂ حج میں دعوتِ اسلام دی تھی مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔

۷ھ میں جب کہ آپؐ خیبر میں تشریف فرما تھے قبیلہ دوس پورے کا پورا مسلمان ہو کر دارالاسلام میں منتقل ہو گیا۔ یمن کا ایک اور مشہور قبیلہ اشعر بھی اسی زمانہ میں خود بخود مسلمان ہو گیا۔ حضرت

Marfat.com

ابُوہریرہؓ یمن کے قبیلہ دوس اور حضرت ابُوموسیٰ قبیلہ اشعر ہی کے فرزند تھے۔ یہاں کا سب سے زیادہ صاحبِ اثر اور کثیرُ التعداد قبیلہ ہمدان تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید چھ ماہ تک اسی قبیلہ میں دعوت و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے تھے مگر حضرت علیؓ کے وعظ سے یہ سب کے سب مسلمان ہوئے اور رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ خبر سُن کر فرطِ مسرت سے "اَلسَّلَامُ عَلٰی ہَمْدَانَ" ! فرمایا۔

قبیلہ ہمدان میں حضرت علیؓ کی کامیابی آپ کے دوبارہ یہاں آنے کا باعث ہوئی اور رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو قبیلہ مذحج میں تبلیغ کے لیے بھیج دیا، گو انھوں نے دعوتِ اسلام کا جواب تیروں سے دیا مگر جب حضرت علیؓ نے مقابلہ کیا تو یہ لوگ اپنے بیس مقتولوں کی نعشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے لیکن بعد کو انھوں نے خود حاضرِ خدمت ہو کر اسلام قبول کر لیا!

رؤسائے فارس میں اسلام

ایرانی اقتدار و حکومت کے زمانہ میں جو ایرانی اُمرا یہاں سکونت اختیار کر چکے تھے وہ ابناء کہلاتے تھے۔ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں تبلیغ کے لیے ۱۰ھ میں وبرؓ بن نخیس کو مامور کیا۔ اُن کی سعی سے فیروز دیلمی، مرکبود اور وہب بن منبہ وغیرہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مسلمانوں میں جن بزرگوں نے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا وہ حضرت وہب بن منبہؓ اور حضرت عطاء

Marfat.com

بن مرکبودؓ ہی تھے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت موسیٰ بن اشعریؓ کا تقرر عام یمن میں تبلیغ اسلام کے لیے ہوا تھا۔ دونوں بزرگ یمن کے ایک ایک ضلع کو بھیجے گئے۔ آپؐ نے چلتے وقت انھیں جو ہدایتیں کیں وہ اس قدر اہم ہیں کہ آج بھی اُن کی اہمیت اسی شان کے ساتھ قائم ہے اور بالکل اصولی باتیں ہیں۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ مل کر کام کرنا۔

۲۔ لوگوں کو نفرت نہ دلانا بلکہ خوش خبری سنانا۔

۳۔ سخت گیری سے کام نہ لینا۔

۴۔ جو لوگ کسی مذہب کے پیرو ہوں، پہلے انھیں توحید و رسالت کی تعلیم دینا جب وہ اسے تسلیم کرلیں تو کہنا کہ خداوند تعالیٰ نے تم پر دن اور رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اسے بھی مان لیں تو کہنا کہ تم پر اُس نے زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو امیروں سے وصول کرکے غریبوں کو دی جائے گی۔ اس کا خیال رکھنا کہ جب وہ زکوٰۃ دینا منظور کرلیں تو انتخاب کرکے اُن سے اچھی اچھی چیزیں نہ وصول کرنا اور مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا!

Marfat.com

مسلمانو!

رسولِ کریم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو بار بار پڑھو اور اگر توفیقِ ایزدی شاملِ حال ہو تو ان سے سبق حاصل کرو!

یمن والوں نے بالعموم بلاترہیب و مزاحمت اسلام قبول کرلیا تھا جس سے ان پر برکات کا نزول شروع ہوا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

"ایمان یمن کا ایمان ہے اور دانائی یمن کی دانائی ہے اور یہ لوگ نرم دل اور رقیق القلب ہیں۔" (بخاری شریف)

قبیلہ ہمدان کے قبولِ اسلام کی خبر سن کر بھی آپ نے انھیں سلامتی کی دعا دی۔ (زرقانی)

حقیقت بھی یہ ہے کہ یمن کے حالات و عوائق اور اہلِ یمن کے خاندانی مفاخر و معالی دیکھتے ہوئے اُن کا اس قدر جلد اسلام قبول کرلینا ایک مسرّت انگیز واقعہ تھا، گو عرب کا یہ ایک محض صوبہ ہی تھا لیکن اپنی شہرت و تہذیب اور زرخیزی و دولت مندی میں پورے عرب کے ہم مرتبہ و ہم پلّہ تھا۔

بحرین میں اسلام

یمن کے بعد کثرتِ آبادی، شادابیٔ ارض، فراوانیٔ دولت اور وسعت و شہرت میں بحرین کا درجہ تھا اور عہدِ نبوّت میں یمن کی طرح یہ بھی ایران ہی کے زیر اثر تھا۔ قبائلِ عرب، وادیوں میں آباد تھے۔

Marfat.com

ان میں سب سے با اثر اور مشہور قبائل تمیم، بکر بن وائل اور عبد القیس تھے۔ مؤخر الذکر قبیلہ کے فرزند منقذ بن حبان تجارت کے لیے چلے اثنائے سفر میں مدینہ قیام کیا اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کے پاس پہنچ کر انھیں دعوتِ اسلام دی جس پر یہ اُسی وقت مسلمان ہو گئے پھر بعد میں اُن کا سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

اسلام قبول کر لینے کے بعد اُن کے قبیلہ میں سے چودہ اشخاص کی سفارت اُن کی طرف سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئی اور آپؐ کو دیکھتے ہی یہ تمام احتراماً اپنے اونٹوں پر سے کود پڑے اور آپؐ کے ہاتھ چومنے لگے۔

۸ھ میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علاحضرمیؓ کو بحرین میں تبلیغِ اسلام کی خدمت پر مامور کیا۔ اُن کی دعوت پر منذر بن ساوی نے بھی اسلام قبول کیا جو حکومتِ ایران کی طرف سے اس صوبہ کا گورنر تھا۔ اس کے اسلام قبول کرتے ہی تمام قبائلِ عرب اور کچھ باشندگانِ عجم بھی مسلمان ہو گئے۔

اسی صوبہ میں ہجر ایک جگہ ہے جہاں ایران کی جانب سے ایک شخص سی بخت حکومت کر رہا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے نام بھی دعوتِ اسلام کا مکتوب بھیجا جسے پڑھتے ہی وہ شرفِ اسلام سے بہرہ مند ہو گیا۔ اور خود بخود تبلیغِ اسلام کا فرض ادا کرنے لگا۔

Marfat.com

حدودِ شام میں اسلام

حدودِ شام میں عربوں کی کئی ریاستیں تھیں۔ ان میں سے معآن اور اس کے اضلاع فروہ بن عمرو کے زیرِ حکومت تھے اور اسے سلطنتِ رُوم کی طرف سے گورنری کا منصب حاصل تھا۔ توفیقِ ایزدی سے اس کا قلب نورِ اسلام سے منوّر ہُوا تو تعلیماتِ اسلامی سے واقفیت پیدا کر کے یہ خود بخود مسلمان ہوگیا۔ اس پر رُومیوں کو سخت غصّہ آیا۔ انھوں نے اسے گرفتار کر کے اذیتیں دیں اور پھر پھانسی پر چڑھا دیا۔ جس وقت یہ عاشقِ رسولؐ پھانسی پر چڑھا ہے تو اُس وقت بھی اس کی زبان پر حمدِ باری تعالیٰ جاری تھی۔

شام اور عرب کے درمیانی علاقہ میں عذرہ، بلی اور جذام کے جو قبائل آباد تھے یہ بھی سب رفتہ رفتہ مسلمان ہوگئے۔

نجران میں اسلام

نجران یمن کے قریب ایک وسیع و سرسبز اور آباد صوبہ تھا اور مکہ معظّمہ سے کوئی سات منزل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ نجران عیسائیت کا مرکز تھا۔ یہیں ان کا ایک عظیم اور شان دار کلیسا بھی تھا جسے وہ کعبہ کہتے اور کعبہ کا جواب سمجھتے تھے۔ ان کے بڑے بڑے مذہبی پیشوا یہاں رہتے تھے۔ یہ مسیحی کلیسا تین سو کھالوں سے بشکل گنبد بنا ہُوا تھا جس کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ

Marfat.com

سالانہ تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان عیسائیوں کو بھی دعوتِ اسلام کا خط لکھا۔ جسے پڑھ کر اس کلیسا کا محافظ اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ مدینہ آئے۔ مسجدِ نبوی میں ٹھہرے اور وہیں انھوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنے طریق پر اپنی نماز پڑھی۔ کچھ بحث کی اور پھر مباہلہ پر تیار ہوئے مگر بعد کو لرز کر رہ گئے اور سالانہ خراج دیتے رہنے کی شرط پر انھوں نے صلح کرلی۔

سنہ ۸ھ میں مغیرہ بن شعبہؓ ان کے پاس دعوت و تبلیغ کیلئے گئے۔ مگر جب اُن لوگوں نے قرآن پر اعتراضات کیے تو مغیرہؓ ان اعتراضات کا کوئی واضح اور مدلّل جواب نہ دے پائے اور واپس چلے آئے۔ پھر انھیں باضابطہ دعوت دی گئی اور سنہ ۱۱ھ میں آپؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اُن کے پاس بھیجا۔ انھوں نے تین روز زبردست تبلیغ کی جس سے قبیلہ بنو حارث جو ایک مشرک قبیلہ تھا، مسلمان ہو گیا اور حضرتِ خالدؓ چند روز قیام کر کے لوٹ آئے۔ عمّان بھی عرب کا ایک کاروباری اور زرخیز مقام تھا جو قبیلہ آزد کے قبضہ و تصرف میں تھا۔ عبید و جعفر یہاں کے رئیس تھے جو حضرت ابوزید انصاریؓ کی دعوت و تبلیغ پر مسلمان ہو گئے۔ پھر بعد میں اُن کی ترغیب سے یہاں کے تمام قبائل اسلام لے آئے۔

وفودِ عرب کا سیلاب

قبائلِ عرب مکہ کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ فتحِ مکہ اور فتحِ خیبر کے

کے بعد قریش و یہود کی طاقتیں پاش پاش ہو جانے کے بعد اب کس امر کا انتظار تھا سمجھ گئے کہ اب نہ سرکشی کا یارا ہے اور نہ انتظار کی ضرورت! ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ اسلام لانے پر مجبور نہ کیے جائیں گے مگر زیرِ اقتدار تو آنا ہی پڑے گا۔ اس لیے انھوں نے ارادہ کیا کہ خود ہی چل کر کوئی فیصلہ کر لیں۔ چناں چہ فتحِ مکہ کے بعد ہر گوشۂ عرب سے سفارتیں آنا شروع ہو گئیں، ان میں چند ایک سفارتوں کے سوا باقی سب نورِ ایمان سے مستنیر ہو کر واپس گئیں۔ اس وقت عرب کے سب سے زیادہ طاقت ور قبیلے بنو سعد، بنو حنیفہ، بنو اسد، کندہ، ہمدان، ازد، طے، بنو تمیم اور سلاطینِ حمیر تھے۔ ان سب کی سفارتیں آئیں۔ چند ایک سفارتوں کی غرض قبولیتِ اسلام تھی اور باقی سفارتیں اس لیے آئیں کہ بہ حیثیتِ فاتح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر لیں۔

ان قبائل کا اثر دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ بنو تمیم کا قبیلہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ آیا۔ عربی فخر و غرور سے سرشار دربارِ نبوت میں پہنچا۔ بڑے بڑے خطیب و شعرا جو دربارِ ایران سے خلعتیں حاصل کر چکے تھے اس سفارت کے ساتھ تھے۔ انھوں نے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطابت و شاعری میں نہایت شکوہ و جلالت سے مناظرہ کیا لیکن آخر میں اعترافِ عجز کے ساتھ سب نے اسلام قبول کر لیا۔

Marfat.com

دیکھا آپ نے ۔ عرب کیا تھے اور اُن میں غرور و نخوت کا نشہ کس قدر دو آتشہ بنا ہُوا تھا لیکن آخرِ کار اُنھیں اسلام کے آگے سرِ نیاز خم کرنا ہی پڑا۔

بنُو سعد کی شانِ اسلام

بنُو سعد کی طرف سے ضمام بن ثعلبہ سفیر ہو کر آئے اور آتے ہی کہا:

" محمد (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ! میں آپ سے سختی کے ساتھ سوال کروں گا بُرا نہ ماننا !"

چناں چہ اُس نے سوال کیا :

" خدا کی قسم کھا کر کہو کہ کیا تمھیں خدا نے تمام دُنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے ؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا :

" ہاں !"

اُس نے پیہم سوال کیے :

" کیا تمھیں خُدا نے پنج وقتہ نماز کا حکم دیا ہے ؟"

" زکوٰۃ ادا کرنے کا امر کیا ہے ؟"

" روزہ و حج کا حکم آیا ہے ؟"

آپؐ ہر سوال کے جواب میں " ہاں !" فرماتے رہے ۔ آخر میں اُس نے کہا کہ :

" میرا نام ضمام ہے ۔ میں جاتا ہوں اور جو کچھ آپؐ نے کہا ہے بجنسہٖ

اپنی قوم سے کہہ دوں گا۔"

اس کے جانے کے بعد آپؐ نے لوگوں سے فرمایا :

"اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی۔" (صحیح بخاری)

ضمام نے اپنی قوم سے جاکر کہا کہ :

"لات وعزّٰی کوئی چیز نہیں۔"

لوگوں نے کہا :

"کیا کہتے ہو ؟ کچھ جنُون تو نہیں ہو گیا تمھیں کہیں جذام ہی نہ ہو جائے۔"

اُس نے جواب دیا :

"خدا کی قسم ! نہ وُہ (لات وعزّٰی) کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر۔ وُہ تو محض پتھر کے بے جان بُت ہیں۔ مَیں تو خدا اور اُس کے رسُولؐ پر ایمان لاتا ہوں۔"

اُس کی اِس مختصر سی تقریر کا یہ اثر ہُوا کہ شام ہوتے ہوتے اس قبیلہ کا بچّہ بچّہ مسلمان ہو گیا۔

یہ تھی عربوں کی آزادہ رَوی اور سادگی ! ذرا اندازہ کیجیے کہ رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو کیسے کیسے عجیبُ الطّبع لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا۔

طائف میں اسلام کی رَوشنی

یمن کا نہایت مشہور قبیلہ اشعری معتقدانہ آیا اور آتے ہی

احکامِ اسلام پُوچھے اور سوال کیا کہ :

"ابتدائے کائنات کی صورت کیا تھی ؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا :

"پہلے صرف خدا تھا اور کچھ نہ تھا اور اس کا تخت پانی پر تھا"

اس کے بعد یہ سب کے سب مُسلمان ہو گئے۔

بُنو حرث بن کعب نجران کا ایک نہایت مُعزّز خاندان تھا۔ ان کے رؤسا خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوئے۔ آپؐ نے پوچھا :

"تمھارے اکثر غلبہ حاصل کرنے کے وجُوہ کیا ہیں ؟ کہ تم لوگ اکثر معرکوں میں غالب رہتے ہو"

اُنھوں نے عرض کیا کہ :

"ہم سب ہمیشہ مُتفق و مُتحد ہو کر جنگ کرتے ہیں اور کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتے" (اصابہ)

طائف کا وفد بھی بڑے شان و شکوہ کے ساتھ آیا اور کہا کہ ہم اِن شرائط کے ساتھ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہیں :

۱۔ زنا ہمارے لیے جائز رکھا جائے کیوں کہ ہم میں اکثر لوگ مجرّد رہتے ہیں۔

۲۔ سُود خواری جائز رکھی جائے۔

۳۔ شراب سے نہ روکا جائے کہ ہمارے یہاں انگور بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہماری سب سے بڑی تجارت ہے۔

مگر یہ تینوں شرائط نامنظور ہوئیں تاہم کچھ رد و قدح کے بعد یہ لوگ اسلام لے آئے اور پھر دو برس کے اندر اندر یہ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

یمن کا ایک اور مشہور اور طاقت ور قبیلہ بنی طے بھی دربارِ نبوت میں حاضر ہوا اور مشہور فیاض اور سخی حاتم طائی کا بیٹا بھی نورِ اسلام سے منوّر ہوا۔

حضر موت میں بھی اسلام

حضر موت کے اضلاع میں ایک شہر کندہ تھا جہاں کندی خاندان کی حکومت قائم تھی۔ اس خاندان کا حاکم اشعث ۱۰ھ میں ۸۰ سواروں کے ہمراہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ ان تمام سواروں نے حریر کی بیش قیمت چادریں اپنے کاندھوں پر ڈال رکھی تھیں۔ اس وقت یہ لوگ محض زیارتِ رسولؐ کی غرض سے حاضرِ خدمت ہوئے تھے کیوں کہ یہ پہلے ہی سے دولتِ ایمان سے مالا مال ہو چکے تھے۔ آپؐ نے ریشمی اور قیمتی چادروں کے استعمال پر اعتراض کیا۔ انھوں نے سعادت مندی یہ دکھائی کہ اسی وقت اپنی تمام چادریں پھاڑ ڈالیں۔

بنو عامر کا ایک وفد دربارِ نبوت میں حاضر ہوا لیکن اس کے دو سرداروں عامر اور اربد کے دلوں میں کینہ اور شر تھا۔ عامر نے اربد کو پروگرام سمجھاتے ہوئے کہا کہ میں مسلمانوں کے نبیؐ کو باتوں

Marfat.com

میں مصروف رکھوں گا اور تم اس دوران میں موقع پاکر ان کا کام تمام کر دینا۔ لیکن دورانِ گفتگو اربد پر کچھ ایسی خود رفتگی طاری ہوئی کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کر سکا اور جلالِ نبوّت نے اسے ششدر بنائے رکھا۔ آخر کار گفتگو ختم ہو گئی اور دونوں کینہ پرور سردار اُٹھ کر چلے آئے۔ باہر آکر عامر نے اربد کو لعنت ملامت کی کہ تو نے خواہ مخواہ اتنا اچھا موقع ہاتھ سے نکال دیا۔

اربد نے برہم ہو کر جواب دیا کہ :

" تو نے تو مجھے مروانے کی تدبیر سوچی تھی۔ میں نے کئی بار حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ محمد ؐ ایک شیر ہیں جو میری طرف اپنی خوفناک آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"

عامر کو اس گستاخی کی سزا کے طور پر یکایک طاعون ہوا اور اس پر ایسی تکلیف دہ حالت طاری ہوئی کہ اس نے تڑپ تڑپ کر بے کسی کے عالم میں جان دی۔

اس قبیلہ کے دیگر سردار اور عوام دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے۔ اسی طرح بہراء، بنو بکا، بنو حمیر، عبد قیس، بنو اسد اور نجران وغیرہ کی سفارتیں آئیں اور فوجوں کی فوجیں اور انبوہ کے انبوہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ عرب کا کوئی گوشہ ایسا نہ بچا تھا جہاں سے قبائل کے وفود دربارِ نبوّت میں حاضر نہ ہوئے ہوں۔ اسی وقت یہ آیات نازل ہوئیں :

Marfat.com

اِذَا جَآءَ نَصْرُاللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ
يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا

ترجمہ: "جب اللہ تعالےٰ نے تجھے فتح عطا فرمائی اور اُس کی بارگاہ سے تیری امداد ہوئی تو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لوگوں کی فوجیں دینِ اسلام میں داخل ہو رہی ہیں پس تو اپنے پیدا کرنے والے کی تعریف و ثنا کر کہ وہ انسانوں اور بندوں کی رجوعیت کو بڑے استحسان کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کی توبہ قبول کرتا ہے!"

ان واقعات پر ایک ہی طائرانہ نظر واضح کر دے گی کہ عربوں کی فطرت ایسی نہ تھی جس پر کوئی ترغیب و ترہیب اثر انداز ہو سکتی۔ وہ تو بات کا جواب طعن سے نہیں بلکہ تلوار سے دینے والے تھے۔ یہ تو اسلامی تعلیم کی سچائی، سادگی اور نبی اکرمؐ کی پُر انوار زندگی کی کشش اور سب سے بڑی بات یہ کہ تائیدِ ربِّ قدیر تھی کہ ایک قلیل مدت میں اسلام سارے عرب پر حاوی ہو گیا اور بڑے بڑے فرعونوں کے سر اس کے سامنے جھک گئے۔ ڈاکٹر آرنلڈ، لالہ لاجپت رائے اور موسیو لیبان کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ:

"اشاعتِ اسلام ہرگز تلوار و جبر کی رہینِ منت نہیں۔"

Marfat.com

مایۂ ناز منتظم

منشائے ربانی اور نظامِ عالم

بندوں سے خدائے برتر و توانا کا وعدہ رہا ہے کہ وہ اپنے شریف و لائق اور نیکوکار بندوں کو شرفِ خلافت سے مشرف کرے گا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ۔

اللہ تعالیٰ نے سلطنت یا حکومت کا لفظ استعمال نہیں کیا کہ اس کے معنے پھر خود مختاری اور مطلق العنانی کے ہو جاتے ہیں۔ بندہ اور خود مختاری، غلامی اور مطلق العنانی دو متضاد باتیں ہیں۔ دنیا اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو اس پر حکومت و فرماں روائی کا حق حاصل ہے۔ جو بندہ اس کا مدعی ہو وہ باغی ہے کہ اسے بندہ ہو کر فرماں روائی ربانی میں مداخلت کا حق حاصل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں حقیقی حکمرانی و فرماں روائی میری ہو، میرا ہی قانون نافذ العمل رہے اور مجھے ہی بندے اللہ، بادشاہ، سلطان اور فرماں روا سمجھیں لیکن اس کا دستور و طریق

اُس نے یہ مقرر کیا ہے کہ وہ دُنیا کے ظاہری انتظام کے لیے اپنی طرف سے دُنیا میں کسی کو خلیفہ مقرر کر دیتا ہے۔ اپنی خلافت عطا کر دیتا ہے۔ اسی طرح جس طرح ملک معظم کی طرف سے ہندوستان میں وائسرائے مقرر ہوتا تھا۔ ہندوستان بھی ملک معظم کا تھا' اور قانون بھی انہی کا تھا۔ وائسرائے ان کے نائب کی حیثیت سے ان کے آئین وضوابط کے مطابق فرمان روائی کرتے تھے لیکن دُنیا جانتی ہے کہ یہ وائسرائلٹی اور نیابت بھی بڑے نفع، بڑے آرام اور اور بڑی عزت کی چیز تھی۔

ملک معظم اپنے نائب کو ہر ممکن آرام و آسائش پہنچاتے تھے۔ ان کے قیام وطعام اور تمام دیگر ذاتی مصارف ملک معظم کے ذمے تھے۔ تنخواہ اس کے علاوہ تھی۔ ان کی سفارشیں بھی سُنتے تھے اور تمام جزوی انتظام کے اختیارات ان کے سپرد کر رکھے تھے۔ وائسرائے اچھا کام کرتا تھا۔ تو پنشن کے علاوہ انگلستان میں بڑی قدر و منزلت بھی ہوتی تھی۔

یہی صورت خلافت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دُنیا میں اپنے کسی شریف و نیکوکار بندے کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیتا ہے۔

اس کے لیے تمام عیش و آرام فراہم کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ خلیفہ اگر اپنے فرائض ایمان داری سے انجام دیتا ہے تو اسے بڑا اجر ملتا ہے۔

Marfat.com

خلافت وسلطنت

منصبِ رسالت، خلافت سے افضل ترین منصب ہے اِس لیے آپؐ کو کسی وقت بھی خلیفہ کے نام سے نہ پکارا گیا تاہم آپؐ کو یہ حیثیت بھی حاصل تھی یا یہ سمجھیے کہ آپؐ بندوں کو نیابتِ الٰہی کا اہل بنانے کے لیے مامور ہوئے اور ایک نمونۂ خلافت ان کے سامنے پیش کر کے دُنیا سے پردہ کر گئے۔

اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ نے حکم دیا کہ:

"بندوں کو اطاعت بِاَمرِ اللہ اور شفقت علی الخلق کا سبق پڑھائیں اور اِس قابل کردیں کہ وُہ نائبِ ربّانی کی حیثیت میں قانونِ قرآنی کے مُتعلق حکومت کریں!"

بس خلافت وسلطنت میں اتنا فرق ہے کہ اوّل الذّکر کے گردوپیش گو تمام لوازمِ شاہی اور عساکر و خزائن ہوتے ہیں مگر وُہ ہر امر میں اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہوتا ہے اور اسی کے قانون (قرآن) کے مطابق حکومت کرتا ہے اور مؤخّر الذّکر اپنا قانون بناتا ہے۔ خلفاء ترقّی کر کے مرتبہ و درجہ میں ملائکہ سے بھی بڑھ جاتے ہیں اور بادشاہ وسلاطین ترقی کرتے ہیں تو نمرُود و شدّاد کے ہم مرتبہ ہو جاتے ہیں پھر عام معنیٰ میں خلافت سلطنت ہی ہے اِس لیے بڑی ہی وقیع نعمت ہے اور پھر سلطنت سے بڑھ کر اور نعمت ہے بھی کیا!

Marfat.com

مشکل یہ ہے کہ نیکوکاروں کو بھی اقتدار کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ مخالف عناصر سے عہدہ برآ ہو سکیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ کے بندے سکون و اطمینان کے ساتھ بلا مداخلت غیر کے کر سکیں۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اسی لیے سیاسی اقتدار کی ضرورت تھی۔ آپ نے خلافتِ الٰہیہ کے قیام کے لیے پرچم اسلام اپنے ہاتھ میں لیا، لوگوں کو تیار کیا اور لڑ بھڑ کر باغیوں (مشرکین) کا زور توڑتے اور راستہ صاف کرتے رہے۔

خیبر کی فیروزمندی کیا اس سے پیشتر ہی آپ نے انتظامات تو شروع کر دیئے تھے لیکن یوم فتح مکہ آپ کی شاہنشاہی کا یا خلافت کا پہلا دن تھا۔ اس کے بعد ایک طائف نے مقابلہ کی ہمت کی مگر وہ بھی سر جھکانے پر مجبور ہو گیا۔

عرب کے گوشے گوشے سے لوگ وفود کی شکل میں جوق در جوق آنے اور اللہ کا دین قبول کرنے لگے۔ سارے عرب پر نواحِ شام سے لے کر یمن و بحرین تک آپ کی خلافت کا علم لہرانے لگا۔ اس وسیع و عریض سلطنت کے لیے اولین ضرورت تو انتظام کی تھی اور بعد کو اس کی کہ قیصر و کسریٰ اس سلطنتِ الٰہیہ کو ہضم نہ کر جائیں۔

حکام و نائبین کا تقرر

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام امن اور انتظام کے لیے

اس سلطنتِ الٰہیہ میں گورنروں، والیوں اور حاکموں کا تقرر فرمایا، اور جس صوبے اور جس ولایت کے لیے جو شخص لائق و موزوں نظر آیا اس کا وہیں تقرر فرما دیا۔

زیاد بن لبید حضر موت کے، ابوموسیٰ اشعری عدن کے، معاذ بن جبل زبید کے، عمرو بن حزم جند کے، یزید بن ابوسفیان نجران کے، عتاب بن اسد تیما کے، حضرت علی مکہ کے، عمرو بن العاص الحسا کے، علا بن حضرمی عمان و بحرین کے گورنر مقرر کیے گئے شہر بن باذان کو صنعا کا اور باذان کو یمن کا والی مقرر کیا گیا۔

یمن بہت متمدن، دولت مند اور بڑا ملک تھا اس لیے آپ نے سہولتِ انتظام کے لیے پوری ملکی و انتظامی قابلیت سے کام لے کر اسے پانچ حصوں میں منقسم کر کے ہر حصہ پر ایک ایک گورنر مقرر کر دیا۔ اسی طرح نجد اور نواحِ شام وغیرہ کا انتظام فرما دیا۔

اہلیتِ حکام کا معیار تقررِ حکام میں آپ کی سیاسی قابلیت اچھی طرح مصروف کار فرمائی رہتی تھی۔ بہت جانچ تول کر تقرر عمل میں لایا جاتا تھا اور جلد جلد ان کے تبادلے بھی ہوتے رہتے تھے تاکہ انھیں وسیع انتظامی تجربہ ہو جائے۔ تقرر سے پہلے آپ یہ جانچ لیا کرتے تھے کہ امیدوار کی اہلیت و لیاقت کیا ہے۔ پاکیزگیِ اخلاق

تبحرِ علمی اور خوش خلقی تقرر کی لازمی شرائط تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپؓ کے مقرر کردہ گورنروں اور حاکموں میں ایک بھی ایسا نہ نکلا جس نے اپنی انتظامی قابلیت کا پورا ثبوت نہ دیا ہو، جس نے رعایا پر کوئی سختی اور تشدد روا رکھا ہو۔

آپؓ ہر گورنر اور والی کو روانگی کے وقت حسب ذیل ہدایات فرمایا کرتے تھے:

۱۔ لوگوں کو بشارت دینا۔

۲۔ لوگوں کو وحشت زدہ نہ کرنا۔

۳۔ دشواری پیدا نہ کرنا۔

۴۔ اختلاف نہ پیدا ہونے دینا۔

۵۔ اتفاق قائم رکھنا۔

۶۔ ہر شخص کے ساتھ نہایت شفقت اور خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

۷۔ کسی پر سختی نہ کرنا۔

۸۔ لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہ کرنا۔

کیا آج بھی کوئی اِن ہدایات کا تصور کرتا ہے؟

آج تو رعایا میں نفاق پیدا کر کے اسے کمزور کیا جاتا ہے۔

اور!

آج تو ہمارے علماء تک کی یہ حالت ہے کہ وہ لوگوں کو

Marfat.com

پُراُمید نہیں کرتے۔ اُس کی رحمت و کرم کا تذکار نہیں سُناتے کہ اس سے محبّت پیدا ہو بلکہ بات بات پر لوگوں کو ڈراتے ہیں اُن کے دِلوں میں وحشت پیدا کرتے ہیں اور خود بھی خوش اخلاقی سے کام نہیں لیتے۔ ڈر سے عبادت و کام کرنے میں وُہ لُطف کہاں جو محبّت سے کرنے میں ہے۔

گورنروں کے فرائضِ عمل

رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے یہ انتظام کیا تھا کہ جس ولایت میں جو گورنر مقرّر ہو وہ اِس ولایت کا انتظام بھی کرے اور مقدّمات اور نزاعات کا فیصلہ بھی کیا کرے۔ ظاہر ہے کہ ہر ذمّہ داری اپنی جگہ مستقل توجّہ کی طالب ہے اور اس وقت کے والیوں کو کتنا کام کرنا پڑتا ہوگا نیز یہ کہ وُہ سیاسیات اور فوج داری و دیوانی امُور و معاملات کے بھی ماہر ہوتے ہوں گے۔ ساتھ ہی انھیں اس کی بھی تاکید کر دی جاتی تھی کہ وُہ اشاعتِ اسلام میں سرگرمی کے ساتھ مصرُوف رہیں اور مسلمانوں کو سُنن و فرائض کی تعلیم برابر دیتے رہیں۔

رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کسی کا تقرّر کرنے سے پہلے اُس کا امتحان لے لیا کرتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اُمیدوار عاید شُدہ فرائض بہ حُسن و خوُبی انجام بھی دے سکتا ہے یا نہیں!

Marfat.com

کلکٹروں کا تقرر اور اُن کے وظائف

زکوٰۃ و عشر اور جزیہ و خراج کے لیے

کلکٹروں کا تقرر جداگانہ ہوتا تھا اور وُہ بھی وقتی! ان کے تقرر میں اور بھی زیادہ احتیاط برتی جاتی تھی جن کا زُہد و تقدّس مسلّم ہوتا تھا وہی کلکٹری پہ مامُور کیے جاتے تھے۔ تقرر کے وقت انھیں ایک فرمان عطا ہوتا تھا اور وضاحت کر دی جاتی تھی کہ فلاں فلاں مال میں سے اتنا مال بطور زکوٰۃ لینا، حق سے زیادہ نہ لینا، اچھا اچھا چھانٹ کر نہ لینا، زکوٰۃ میں زیادہ تر اونٹ اور بکریاں ہی وصُول ہوتی تھیں۔ اُنھیں مُعاوضہ ضرُور ملتا تھا لیکن بہت کم! صرف میاں بیوی، نوکر اور گھر کے خرچ کے مُطابق مُعاوضہ دیا جاتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر والوں نے رشوت دینی چاہی تو فرمانے لگے:

"اللہ کے دشمنو! کیا تُم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو؟"

حضرات عدی بن حاتم، عُمر فاروق، عبادہ بن بشر، عبیدہ بن الجراح، مالک بن نویرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نجران، حضرموت، بحرین، مدینہ اور دیگر مختلف قبائل میں کلکٹر مقرر ہوئے۔ اکثر تقرر سرداران قبائل ہی میں سے ہوتے تھے جو اپنے اپنے قبیلہ سے وصول کر کے خدمتِ اقدس میں بھیج دیا کرتے تھے۔

Marfat.com

مداخلتِ خلافت کی نوعیت

رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مداخل کے ذرائع خراج وعشر، جزیہ وزکوٰۃ اور مالِ غنیمت تھے۔ عرب میں جاہلیت کے زمانہ میں غنیمت بڑی پاک اور خاص چیز سمجھی جاتی تھی، جس میں سے سب سے پہلے سردار اپنا چوتھائی حصّہ لے کر باقی محاربین کا حق خیال کیا جاتا تھا اور پھر جس کے ہاتھ جتنا پڑتا تھا اُس پر قبضہ جمالیتا تھا۔

غزوۂ بدر کے بعد مالِ غنیمت اللہ کی ملکیت بن گیا اور قرآن میں حکم نازل فرمادیا گیا کہ اس کا پانچواں حصّہ خدا اور رسُولؐ، رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں کا حق ہے۔ اس کے بعد آپؐ پانچواں حصّہ علیحدہ کر کے باقی سب کا سب سپاہیوں میں تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔ سواروں کو دو حصّے اور پیادوں کو ایک حصّہ ملتا تھا۔ پانچواں حصّہ بیت المال میں جاتا تھا۔ آپؐ کے مصرف میں تو بہت ہی کم آتا تھا۔ سب مساکین رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

جزیہ غیر مسلم رعایا سے اُس کی حفاظت و ذمہ داری کے معاوضہ کے طور پر لیا جاتا تھا کہ ان سے فوجی خدمات بھی نہ لی جاتی تھیں۔ عورتوں، بچّوں اور مذہبی خادموں سے ایک حبّہ تک بھی نہ لیا جاتا تھا۔ شرح فی کس ایک دینار تھی۔

اذرح سے یک صد دینار وصُول ہوتے تھے۔

Marfat.com

ایلہ سے تین سو دینار وصول ہوا کرتے تھے۔

اور !

بحرین سے تو بہت ہی زیادہ سالانہ رقم وصول ہوتی تھی۔

وادی القریٰ، تیما، فدک اور خیبر وغیرہ سے خراج وصول ہوتا تھا جو غیر مسلم مزارعین سے حقِ مالکانہ کے طور پر پیداوارِ زمین سے لیا جاتا تھا۔ کوئی تعین نہ تھا۔ باہمی مصالحت سے جو قرار پاجاتا تھا وہی وصول ہوتا رہتا تھا۔ خیبر والوں سے نصف پیداوار پر فیصلہ ہوا تھا۔ رفعِ اشتباہ کے لیے تخمینہ سے ثلث عموماً کم کر دیا جاتا تھا۔ جزیہ و خراج کی تمام رقوم جنگی مصارف اور سپاہیوں کی تنخواہ کے لیے وقف تھیں۔

فوج کوئی جدا نہ تھی۔ تمام صحابہؓ ہی فوج کے سپاہی تھے۔ رجسٹروں میں ان کے نام مرقوم تھے۔ رقوم وصول ہوتے ہی ان میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ عیال دار کو دو حصے اور مجرّد کو ایک حصہ ملتا تھا۔

زکوٰۃ کی یہ صورت تھی کہ سونے چاندی کا چالیسواں حصہ، سیراب زمین کی پیداوار کا بیسواں حصہ، بارانی زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ اسی طرح اونٹوں اور بکریوں کی تعداد بھی مقرر تھی۔ اسبابِ تجارت دو سو درہم چاندی، بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر کوئی زکوٰۃ مقرر نہ تھی۔ جہاں جہاں سے

زکوٰۃ وصول ہوتی تھی وہیں کے مساکین و مستحقین پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔ فقرأ، مساکین، مقروضین، مسافرین، آزاد کرائے جانے والے نومسلم غلام وغیرہ اس کے مستحق تھے۔ کلکٹروں کی تنخواہیں بھی اسی میں سے ادا ہوتی تھیں۔

ملک کی آبادی و زرخیزی کا انتظام

عرب تو ریگستانی اور پہاڑی ملک ہے کہیں کہیں سرسبز قطعات تھے۔ نواحِ شام، یمن، بحرین، عمّان، نجران، حضرموت، الحسأ اور مسقط ساحلی صوبے تھے جو بے حد زرخیز تھے۔ اِن صوبوں پر ایرانیوں اور رومیوں کا تسلّط تھا۔ حجاز میں مدینہ اور طائف بہت شاداب و سرسبز تھے۔ عام عربوں کا گزارا لوٹ مار اور تجارت پر تھا۔ خلافتِ الٰہیہ کے لیے ایرانی رُومی اور عیسائی وغیرہ زمینیں خالی کر گئے۔ باغات چھوڑ گئے۔ اس کے علاوہ اور بھی اُفتادہ زمینیں پڑی تھیں جن کی زراعت کی طرف کبھی کسی نے توجّہ نہ کی تھی۔

آپؓ نے ایک ہوش مند اور ترقّی پسند فرماں رَوا کی طرح اوّلین فرصت میں اِن بنجر زمینوں کو آباد کرنے اور مفید ترین بنانے کا انتظام کیا۔

جاگیریں تقسیم کیں۔

افتادہ زمینوں کو آباد کیا۔

Marfat.com

بنجر زمینوں کو قابلِ کاشت بنانے کی مستعدانہ سعی فرمائی۔
حضرت عمرؓ کو خیبر میں، حضرت زبیرؓ کو مدینہ میں، حضرت بلالؓ بن حارث اور حضرت وائلؓ کو حضر موت میں بڑی جاگیریں ملیں۔
بنو قریظہ کے کھیت اور نخلستان انصار میں تقسیم ہوئے۔ آپ نے خیبر کی تھوڑی سی زمین اپنے لیے محفوظ کر کے اسے بھی تقسیم کر دیا چونکہ افتادہ زمینیں آباد کرنا مقصود تھا اس لیے تحریص و ترغیب کے لیے وسیع قطعات تقسیم کرنا شروع کر دیئے۔
امن قائم ہو چکا تھا۔
رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم عطا کرنے والے تھے
وسیع جاگیریں تقسیم ہو رہی تھیں۔
لوگ دور دراز سے آ رہے تھے اور اس تقسیم و عطایا سے فیض یاب ہو رہے تھے۔
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ !
ایک قلیل وقفہ مدّت میں عرب کی بنجر زمینیں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ زراعت کو بے پناہ ترقّی ہوئی اور افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔
دوسری طرف آپ نے تجارت اور کاروبار کی ترقّی پر بھی خاص زور دیا۔ مہاجرین کی اکثریت نے کاروبار شروع کر دیا تھا۔ آپ کی تعلیم و ہدایت کا یہ اثر ہوا کہ مدینہ میں بڑے بڑے

کارخانے کھل گئے اور حوصلہ مند اور اولوالعزم صحابہؓ جس طرف گئے وہاں کی تجارت کو بہ نظرِ غائر دیکھ کر ذہن میں بٹھا لیا۔ اب ہر طرف امن کا دَور دَورہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب نواحِ شام سے لے کر یمن اور بحرین تک اسلامیوں کے تجارتی قافلے بڑے سکون اور امن کے ساتھ بلاخوف و خطر سفر کرنے لگے اور اسطرح صحابہ کرامؓ کی تجارت ایران و رُوم اور حبش تک پھیل گئی۔

پولیس اور عدالت

ہر چیز اور ہر کام میں سادگی تھی ہنوز مدنیت نے عرب پر سایہ نہ ڈالا تھا، صرف ابتدائی خاکہ تیار ہو رہا تھا اس لیے مکمل و منظم صورت تو نہ عرب میں صدیوں سے کسی صیغے کو حاصل ہوئی تھی اور نہ اب حاصل ہو سکتی تھی۔ پولیس کی تشکیل کسی محکمہ اور صیغہ کی صورت میں تو عمل میں نہ آئی تھی مگر ایک نمونہ سامنے رکھ دیا گیا تھا۔

حضرت قیس بن سعدؓ مدینہ میں کوتوال شہر کے فرائض انجام دینے پر مامور کر دیئے گئے تھے۔ حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عاصمؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت ضحاکؓ چھوٹے چھوٹے نزاعات و جرائم کا فیصلہ کرنے کے مجاز تھے اور ساتھ ہی خونی مجرموں کی گردنیں مارنے کا کام بھی انھی حضرات کے سپرد تھا بڑے بڑے اور پیچیدہ مقدمات رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

Marfat.com

خود ہی سنا کرتے تھے اور خود ہی افسرِ عدالت اور جج تھے۔ لکھا ہے کہ!

مدینہ اور حوالیٔ مدینہ کا تمام کام آپؐ ہی کے سپرد تھا۔ اہلِ معاملہ آتے، آواز دے لیتے اور آپؐ اسی وقت باہر آکر شہادتیں لیتے اور فوراً فیصلہ صادر فرما دیتے۔ عورتوں کے قضایا کا فیصلہ زنان خانے ہی میں کیا کرتے۔

حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اپنی حیات میں جتنے مقدّمات فیصل کیے، اُن کا اکثر حصّہ اِس وقت تک محفوظ ہے۔ آپؐ کا صادر فرمایا ہُوا فیصلہ اتنا زبردست اور عاقلانہ ہوتا تھا کہ فریقین مُطمئن ہو جاتے تھے۔

تمام بڑے مراکز میں آپؐ نے جج یعنی قاضی مقرّر کر رکھے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن کے جج بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اِس طرح عدالت کا صیغہ بھی گو نہ مُنظّم صورت اختیار کر چکا تھا۔

صیغہ احتساب

گو آج بھی جا بہ جا انسپکٹرز اور نگرانِ کار مقرّر ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ صیغۂ احتساب اسلام ہی کی ایجاد ہے۔ دورِ اسلام میں اسے نہایت زبردست اہمیّت حاصل رہی ہے اور فی الواقع یہ نہایت اہم و مفید ترین محکمے تھے جس سے بڑے بڑے اُمرا تک

گھبراتے تھے۔ عہدِ نبوّت میں حالاں کہ اِس محکمہ نے مستقل صورت اختیار نہ کی تھی لیکن یہ تھا بڑے زور شور کے ساتھ قائم!

خود رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اِس فرض کو انجام دیتے تھے۔ نہ صرف معاملاتِ بیع و شریٰ، معاملاتِ معاشرت اور اشیاء کی نگرانی آپؐ کرتے تھے بلکہ جزئیاتِ اخلاق پر بھی آپؐ کی نظر رہتی تھی۔ اخلاق عام تھا لیکن احتساب میں بالعموم سختی کے ساتھ کام لیا جاتا تھا آپؐ بازار میں جا کر ایک ایک چیز کی دیکھ بھال کرتے۔

ایک دفعہ آپؐ نے معائنہ کرتے کرتے ایک جگہ غلّہ کے انبار میں ہاتھ ڈال دیا۔ نمی محسوس ہوئی۔ باز پُرس کی تو دُکان دار بولا:

"غلّہ بارش سے بھیگ گیا تھا۔"

ارشاد فرمایا:

"تو اِسے نمایاں طور پر کیوں نہیں رکھا۔ یاد رکھو! یہ دھوکا ہے اور فریب کار انسان ہرگز ہم میں سے نہیں ہے۔"

عمّال و حکّام سے بھی سخت احتساب کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابن العتبہ زکوٰۃ وصول کر کے لوٹے تو آپؐ نے خود ایک ایک چیز کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ ایک قیمتی چیز کے متعلق اِستفسار کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ:

"یہ چیز مجھے تحفہ کے طور پر ملی ہے۔"

Marfat.com

فوراً گرفت کی اور فرمایا :

"گھر بیٹھے تمھیں ہدیہ کیوں نہ مل گیا۔؟"

ہدایت کے ساتھ آپؒ عمل بھی دیکھتے تھے۔

غلے کا سٹہ کرنے سے جب لوگ باز نہ آئے تو آپؒ نے سخت سزائیں دینا شروع کر دیں۔ آپؒ جب کسی شخص کو اپنے غلام یا بیوی پر ظلم کرتے، والدین کا کہنا نہ مانتے، شرکتِ جماعت سے غفلت برتتے، ملاوٹ شدہ اشیا بیچتے، لڑتے جھگڑتے، غصّہ اور طیش میں آتے غرضیکہ جو بھی غیر مناسب اور غیر مشروع کام کرتے دیکھ پاتے فوراً اسے روکتے، باز پرس فرماتے اور پھر پوری طرح سے اس کا محاسبہ کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ احتساب مسلمانوں کے لیے ہر زمانہ میں ایک نعمتِ غیر مترقبہ رہا ہے اور جب سے احتساب ختم ہوا ہے مسلمانوں کی مذہبی ترقی، اخلاقی اور معاشری صورت ہی مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ آج ہر شخص آزاد ہے۔ جو چاہے کوئی کرے کوئی ٹوکنے والا نہیں۔ اس زمانہ میں تو ادنیٰ سے ادنیٰ معصیت بھی بڑی بدنامی کی چیز تھی۔ محتسب تو جان کے پیچھے پڑے ہی رہتے تھے کہ یہ بات ان کے فرائض میں شامل تھی، عام لوگ بھی اس فرض سے غافل نہ رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے اخلاق قائم تھے اگر کسی سے جماعت قضا ہو جاتی تو اس کی تعزیر کی جاتی تھی اور نماز چھوڑ دینا تو قیدِ دوام یا قتل

Marfat.com

کی سزا کا مستحق قرار پاتا۔ امرا بھی ہمہ قسم لغزش سے ڈرتے رہتے تھے۔

تعلیم و فرامین

تعلیم کی طرف آپؐ نے ابتدا ہی میں توجہ مرکوز کر دی تھی۔ جا بہ جا داعیانِ اسلام اور معلّمین کا تقرر عمل میں لایا گیا تھا کہ وہ نہ صرف قرآن و مسائلِ قرآن اور نماز و روزہ کی تعلیم دیں بلکہ لوگوں کو لکھنا پڑھنا بھی سکھائیں۔ وہ تو اللہ تعالےٰ نے کچھ طریق ہی ایسا مقرر کیا ہے کہ کوئی سچا مسلمان لاعلم رہ ہی نہیں سکتا نماز تلواروں کے سائے میں بھی نہیں چھوڑی جا سکتی، اگر چھوڑے تو جان سے ہاتھ دھوئے۔ نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ کے صدہا مسائل کا سیکھنا ضروری، قرآن پاک کی تلاوت ضروری اور ابتدائی تعلیم سے مفر نہیں۔ اسیرانِ بدر ہی کو حکم دیا گیا تھا کہ ایک ایک قیدی دس دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر آزاد ہو جائے۔

مدینہ کے گھر گھر تعلیم پھیل گئی۔ قبائل کے قبائل علم سے روشناس ہو گئے۔ صیغۂ یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ قرآنی حقائق و معارف اور تفسیر و حدیث کی تعلیم آپؐ خود دیا کرتے تھے۔ تحریر و انشا سکھانے کا کام دوسرے پروفیسروں کے سپرد تھا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپؐ نے عبرانی سیکھنے کا حکم بھی فرمایا تھا۔

عمّال و حکّام کے نام فرامین صادر کرنا، معاہدات لکھنا، فوج کا رجسٹر مرتب کرنا، سلاطینِ عالم کو تبلیغی دعوت نامے بھیجنا، احادیث و

قرآنی اجزا کی ترقیم بہت اہم کام تھا۔ پہلے حضرت زیدؓ اور پھر حضرت معاویہؓ توقیعات اور فرامین وغیرہ کی تسوید و ترقیم پر مامور تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم انھیں مضمون لکھواتے، مہر لگاتے اور لفافوں میں بند کرایا کرتے تھے۔

غیر مسلم اقوام سے معاہدات

عرب مطیع تو ہو گیا تھا ہر طرف اسلام کا ڈنکا بج گیا تھا پھر بھی مجوسیوں یہودیوں اور عیسائیوں کی ایسی بستیاں رہ گئی تھیں جنھوں نے اسلام تو قبول نہیں کیا تھا لیکن سیادتِ اسلام منظور کر کے جزیہ دینے لگے تھے۔ ان سے معاہدات کر لیے گئے تھے۔

نجران کے نصاریٰ سے یہ معاہدہ ہوا کہ وہ سالانہ دو ہزار کپڑے دو قسطوں میں بطور خراج دیا کریں گے اور شورشِ یمن کے موقع پر تیس تیس گھوڑے، اونٹ، زرہیں اور ہر قسم کے ہتھیار عاریتاً دیا کریں گے۔ جب تک وہ بغاوت نہ کریں گے اُن کے گرجے محفوظ رہیں گے۔

حدودِ شام کے یہودی اور عیسائی آبادیوں سے جزیہ کے علاوہ یہ بھی طے ہوا کہ اگر کبھی ادھر سے اسلامی لشکر گزرے تو اسے رسد بہم پہنچائی جائے۔

یمن کے یہودیوں پر جزیہ عاید ہوا، اس شرط کے ساتھ کہ اگر وہ نقد ادا نہ کر سکیں تو اسی قیمت کا کپڑا دے دیا کریں!

بحرین کے مجوسیوں سے بھی یہی معاہدہ ہوا تھا۔

خیبر، فدک اور وادی القریٰ کے یہودیوں سے نصف پیداوار پر فیصلہ ہوا۔

غرض یہ کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قلیل وقفہ مدت میں عرب کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور جس ملک میں صدیوں سے کبھی نظم ونسق اور امن قائم نہ ہوا تھا اُسے وہ کچھ بنا دیا کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ چمن کدۂ عالم بن گیا۔

بتلاؤ!

کیا دنیا میں کسی ایسے فرماں روا و منتظم کا نام بتا سکتے ہو جس نے اس قدر قلیل وقفہ مدت میں ایسا لاثانی اور بے نظیر انتظام اور کام کیا ہو؟

عکسی
تبلیغی نصاب
جہیز ایڈیشن

Marfat.com

کثیر المشاغل حکمران

کثیر الآلام صبح اور کثیر المصائب شام

رسولِ کریم علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم کی حیاتِ طیّبہ کے یوں تو تمام پہلو نہایت روشن، نہایت دُرخشاں اور نہایت تاب ناک ہیں،

لیکن !

ایک پہلو ایسا ہے جس پر دُنیا کی نظر بہت کم گئی ہے اور جو اپنی نوعیت و معانی میں لاثانی اور فقید المثال ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ آپؐ ایک جلیل القدر پیغمبر تھے اور یہ امر بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ آپؐ نے ایک وسیع خطّۂ ارض کو اپنی جدّوجہد اور سرفروشانہ مساعی سے فرشِ خاک سے اُٹھا کر عرشِ عزّت پر پہنچا دیا مگر یہ بھی کسی نے غور کیا کہ آپؐ کو اس کارنامۂ جلیل کی انجام دہی میں کتنے خون کے سمندر عبور کرنے پڑے۔ کتنے مشکلات کے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا کر رکھ دیا۔ کتنی مضبوط اور دیو ہیکل چٹانوں کو پاش پاش کیا۔ کتنے مصائب اور حوصلہ سوز نوائب سے آپؐ کو واسطہ پڑا، کتنی برق وَش تلواروں کو آپؐ نے اپنے سینہ پر

روکا، کتنے ہمت فرسا دکھ اُٹھائے، کتنی راتیں ایسی گزریں جن میں آپؐ مسلسل کرب و اضطراب کی کروٹیں بدلتے رہے، کتنے دن ایسے تھے جو آپؐ کو جُھلسا دینے والی دُھوپ میں برابر اور مسلسل کام کرتے گزرے، کتنی صبحیں ایسی گزر گئیں جو آپؐ کے لیے صبحِ عید نہیں صبحِ قیامت سے کم نہ تھیں اور کتنی شامیں ایسی آئیں جو نامرادی کی ہزار ہا نشتر کاریوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے تھیں۔ کچھ خبر ہے کہ اُن طیّب و طاہر تلووں میں جن کے دھوون کی ایک ایک بُوند صد گونہ برکات کی حامل تھی، کتنے سو نہیں کتنے ہزار کانٹے پیوست ہوئے اور ہوتے رہے، اُن پائے مُبارک میں جن کے چُومنے کی آرزو میں رُوز و شب ملائکہ مُقربین کے پرے کے پرے فلک سے زمین پر اُترتے رہتے تھے، کتنے زخمِ سوزاں پڑتے اور پھولتے رہے۔ زندگی کی کتنی بہاریں آپؐ کے لیے خزاں بنیں اور حیاتِ دُو روزہ کے کتنے عیش اور کتنی آسائشیں آپؐ نے قربان کیں۔

کثیر الافکار کی کثیر کاری

جانے دیجیے مکّہ کی عافیت سوز اور صبر آزما زندگی کے دل دوز آلام و حوادث کے اندوہ ناک ذکر کو! اِس سے بھی بحث نہ کیجیے کہ مدینہ پہنچ کر موت و حیات کی جو لرزہ خیز جنگیں لڑنی پڑیں، وہ آپؐ کے قلب و رُوح کے لیے فکر و الم کے کتنے زہریلے سوہان تھے۔ خیبر و مکّہ و طائف کی فتح و فیروزمندی

کے بعد کے عہد ہی کو لے لیجیے جب کہ سارے عرب پر اسلام کا پرچم اقبال لہرا رہا تھا جب کہ بڑے بڑے شاہانِ اقتدار، فراعنۂ صولت اور جبارانِ قریش و یہود کے سر پر ہائے غرور و تمکنت اوندھے ہو گئے تھے۔ آپؐ کی شاہنشہی و فرماں روائی مُسلّم ہو گئی تھی اور کسی کو چون و چرا کی بھی ہمّت نہ رہی تھی۔

کیا بے چارگی و کس مپرسی کے اِس جنگل سے نکل کر عزت و اقبال کے اِس نشیمن میں آپؐ کے نیچے کوئی پھولوں کی سیج تھی ؟

دیبا و قاقم کا فرش تھا ؟

حریر و کم خواب کے پردے تھے ؟

عالی شان آراستہ و پیراستہ محل تھے ؟

عیش و آرام تھا ؟

راحت و آسائش کی زندگی تھی ؟

سکون و اطمینان تھا ؟

چین تھا ؟

فرصت تھی ؟

نہیں اور ہرگز نہیں !

کچھ نہ تھا !

ایک سر تھا اور ہزار سودا ! ایک انار تھا اور صد بیمار !

اللہ اللہ کیا شان تھی ہمارے آقا کی !

Marfat.com

کثیر الاوصاف کے کثیر مشاغل

ایک وسیع اور بے آب وگیاہ ملک تھا اور آپؐ تھے۔ اسے آباد کرنا اور متمدن بنانا، سیر حاصل صورت میں متشکل کرنا، ارضِ عالم کا ایک مایۂ ناز ٹکڑا بنانا، انتظام کرنا، متحد بنانا سب کچھ آپؐ کے ذمہ تھا۔ خس وخاشاک، کفر وشرک اور رذائل و ذمائم کے جھاڑ و جھنکار سے صاف کیا۔ زمین کو ہموار بنایا تو اس میں گل و ریاحین کی تخم ریزی اور اسے چمن کدۂ ارض بنانا بھی آپؐ ہی کا کام تھا۔

کہنے کو تو یہ معمولی بات ہے مگر تعمیرِ ملت کا کام جتنا مشکل ہے اُسے جاننے والے ہی جانتے ہیں۔ بگڑ تو ہر چیز آن کی آن میں جاتی ہے لیکن بنتی گھنٹوں میں نہیں، دنوں میں نہیں، سالوں میں نہیں، اکثر قرنوں کا کام ہوتا ہے۔ پھر یہاں تو کام کرنے، سوچنے اور ہدایت دینے والا ایک ہی دماغ تھا۔

ایک ہی بزرگ و جلیل ہستی ہے !

غور کیجئے !

وُہی سپہ سالاری ہے جو فوجوں کو لڑواتی، لڑنا سکھاتی، فوجی تعلیم دیتی اور فوجوں کو میدانِ جنگ میں اُتارتی ہے۔ وُہی جج ہے جو دیوانی و فوجداری اور مال کے مقدمات اور استغاثوں کو سُنتا ہے شہادتیں لیتا اور فیصلے کرتا ہے۔ وُہی فرماں رَوا ہے جو فرمان جاری کرتا ہے۔ گورنروں، کمشنروں، کلکٹروں اور قاضیوں کے عزل و نصب کا

Marfat.com

کفیل ہے۔ مُلک کے انتظام کا ضامن ہے۔ قیامِ امن کا ذمہ دار ہے۔ وُہی وزیرِ مال ہے جو زکوٰۃ و عُشر اور خراج و جزیہ وصُول کراتا ہے۔ محصلین کا تقرر کرتا ہے، پھر ان کی کارکردگی پر بھی ہر لمحہ نظر رکھتا ہے۔ ان کا محاسبہ کرتا ہے۔ وُہی محتسب ہے جو بازاروں میں دُکانوں پر، تجارتی کوٹھیوں میں، دفاتر میں، باغوں میں اور گلی کُوچوں اور محلّوں میں گشت لگاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کہیں کوئی بددیانتی تو نہیں ہو رہی ہے۔ کارکُن کام تو ٹھیک کر رہے ہیں نا! زیردستوں پر کہیں سختی تو نہیں ہو رہی۔ کوئی نماز و عبادت میں تو سُستی نہیں کر رہا اور تمام ہدایات پر پُورا عمل بھی ہو رہا ہے یا نہیں!

وُہی پرنسپل و مُعلّم ہے جو صُفّہ یُونیورسٹی میں روزانہ حقائق و معارفِ قرآنی اور تفسیر و معانی کی تعلیم چار سو طلباؔ کو دیتا ہے۔ وُہی بورڈنگ کا سُپرنٹنڈنٹ ہے اور وُہی طلباؔ کا مُربّی اور وُہی مُقنّن ہے جو سلطنت کے لیے قانون بناتا ہے اور اس پر عمل درآمد کو دیکھتا ہے۔ وُہی مُفتی ہے جو فتوے دیتا ہے۔ وُہی واعظ و خطیب ہے جو پُرزور تقریریں کرتا ہے۔ وُہی مُرشد و پیر ہے جو ارادت مندوں کی رُوحانی تربیّت کرتا ہے۔

وُہی امام ہے جو نماز پڑھاتا ہے!

وُہی وزیرِ خارجہ ہے جو اقوامِ غیر سے مُعاہدے کرتا ہے۔ وُہی مُبلّغ ہے جو دعوتِ اسلام میں مصرُوف ہے، تمام دُنیا کو اسلام کے

Marfat.com

پرچم کے زیرِ سایہ لے آنے کا آرزو مند ہے۔ شاہانِ عُظام کو نامہ ہائے تبلیغ ارسال کرتا ہے۔ وُہی غنیمت اور خراج تقسیم کرتا ہے۔ وُہی وظائف بانٹتا ہے۔ وُہی فوجیں مُرتب کر کے محاذوں پر بھیجتا ہے۔ وُہی وفود کو اپنے ہاں ٹھیراتا ہے۔ وُہی قبائل سے گفتگو کرتا ہے۔ وُہی سیاسی انتظام کرتا ہے۔

غرض یہ کہ!

سب کچھ وُہی ہے۔

کثیر کام اور کثیر عبادت

پھر اس پر صَد گُونہ معاشری مصروفیات بھی ہیں۔ گھر میں ایک دو نہیں نو بیویاں ہیں، بچے ہیں، رشتہ دار ہیں، دوست ہیں، دشمن ہیں، پڑوسی ہیں۔ سینکڑوں غُربا و مساکین کی فکر ہے۔

اور سُنیئے!

پھر رات بھر نماز میں کھڑے رہنا، خشوع و خضوع سے نماز پڑھنا، بیماروں کی پُرخلوص عیادت کرنا، جنازوں کے ساتھ جانا، ساٹھ سال کی عُمر اور اپنا، گھر کا، شہر کا، اُمّت کا اور پورے مُلک کی فکر، اِس پر مستزاد یہ کہ روزہ پہ روزہ رکھنا، فاقے پر فاقہ کرنا، کھانے کو رُوکھی سُوکھی اور وُہ بھی شِکم سیر ہو کر نہیں۔

بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ کہ لوگوں نے آپؐ کو چُور چُور کر دیا تھا

Marfat.com

اور عام روایات کے مطابق آپ کے دل و دماغ پر اس کا اس قدر بُرا اثر پڑا کہ نظام جسمانی چوُر چوُر ہو کر رہ گیا اور رہ جانا بھی چاہیے تھا۔

لوگ نپولین کا ذکر کیا کرتے ہیں کہ وہ اتنا محنتی تھا کہ چار کلرک کام کرتے کرتے تھک جاتے تھے مگر وہ نہ تھکتا تھا۔

کوئی بسمارک اور واشنگٹن کے کثرتِ انہماک و کار کا ذکر کرتا ہے تو شوق سے کرے لیکن کوئی قوم اور کوئی شخص ہمیں یہ بتا دے اور کوئی ایسی مثال پیش کرے جس نے رُوکھی سُوکھی کھا کر نہ صرف یہ کہ اتنی جلیل خدمات انجام دی ہوں بلکہ بہ یک وقت اتنے کام اور اتنے مشاغل اس کے سپرد رہے ہوں !

موت کا منظر مع مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ قیمت: ۱۰ روپے

جنّت کا منظر قیمت: ۲۵ روپے

محبوب کے حسن و جمال کا منظر قیمت: ۱۰ روپے

بہترین صفائی پسند

پیشوایانِ مذاہب اور معیارِ صفائی

اسلام سے پیشتر دُنیا میں جسمانی صفائی اور اصولِ حفظانِ صحت کی طرف کسی مذہب اور کسی قوم کی توجہ مبذول نہ ہوئی تھی۔ اُس زمانہ میں راہب احبار اور سنیاسی بہت بڑے خدارسیدہ اور مقدس بزرگ سمجھے جاتے تھے اور اب جہاں کہیں بھی عیسائیوں کے راہب، ہندوؤں کے سنیاسی، یہودیوں کے احبار، بُدھوں کے بھونگی اور جینیوں کے سادھو باکمال اور عابدانہ وزاہدانہ صُورت میں ملتے اور پائے جاتے ہیں لیکن انھیں اپنی رُوحانی صفائی کی طرف تو خیال رہتا ہے مگر جسمانی صفائی پر وہ بالکل کوئی توجہ نہیں دیتے۔ ان سب کی یہ حالت تھی اور آج بھی دیکھی جاتی ہے کہ گندے کپڑے، مَیلا بدن، مُتعفن حُجرے، پریشان بال، جسم سے بَدبُو، مُنہ میں سڑاہند، بغلوں میں گندگی، چہرہ بھیانک، ناخُن ناتراشیدہ، پیشاب و پاخانہ کی پُوری صفائی سے بے پَرواہ بیٹھے مصرُوفِ عبادت ہیں اور بہت ہی بزرگ بنے بیٹھے ہیں۔

Marfat.com

راہب تو غسل اور کُلّی کے نام ہی سے بیزار رہتے تھے۔

سنیاسی اور سادھو لوگوں کی ہیئت بھی ملاحظہ فرمائیے:

پیشاب کے قطرات کی تو سرے سے پرواہ ہی نہیں ہوتی تھی پاخانہ جنگل میں پھرا، وہیں درخت کے پتّوں یا مٹّی کے ڈھیلوں سے صاف کرلیا، یا بہت تیر مارا تو صرف دو چُلّو پانی چھڑک لیا اور بس! غسل کا کوئی خاص اہتمام نہیں، بال بڑھے اور اُلجھے ہوئے، بڑی بڑی جٹائیں، بدن پر بھبھوت مَلا ہُوا اور یا پھر ننگ دھڑنگ اُلتی پالتی مارے بیٹھے گیان دھیان میں مصروف ہیں۔

یہی حالت جوگیوں کی ہے لیکن پھر بھی وہ بڑے مقدّس ہیں، بڑے باکمال ہیں اور بڑے خدا رسیدہ ہیں۔

دیگر اقوام کا معیارِ صفائی

جن اقوام کے پیشوایانِ مذہب کی صفائی اور عبادت کی یہ حالت ہو کہ جسمانی توجّہ کی پرواہ ہی نہ ہو، ان کے پیروؤں کی حالت کے بارے میں کچھ کہنا اور کوئی تصریح کرنا عبث ہے۔

ہندوؤں، سکھوں، بُدھوں اور عیسائیوں میں عبادت، پرستش اور پُوجا کے لیے صفائی کے کسی مخصوص طریقہ کی چنداں ضرورت واحتیاج نہیں! قطراتِ پیشاب کی آلودگی کا تو یہ اقوام ہمیشہ سے خیال ہی نہیں کرتی ہیں۔ رہا پاخانہ تو جنگل میں یا اب گھر میں پھرا، کاغذ سے صاف کیا یا پھر چُلّو بھر پانی استعمال کیا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک لُٹیا

یا گلاس بھر پانی اس مقصد کے لیے بہت کافی سمجھا جاتا ہے البتہ صرف ہاتھ خوب صاف کر لیتے ہیں، اور شروع شروع میں تو یہ لوگ اکثر برہنہ پا بھی رہا کرتے تھے۔

جدید تمدّن اور بیسویں صدی کی تہذیب نے زمین پر رفعِ حاجت کرنا ہی معیوب قرار دے دیا ہے۔ رفعِ حاجت سے فارغ ہوئے۔ کسی کاغذ سے صاف کیا اور پانی سے بھرے ہوئے ٹب میں جا بیٹھے۔ اب اسی ٹب کے پانی سے کلّیاں کرنا شروع کر دیں جب کہ اسی پانی میں مبرز کی بچی کھچی آلائش بھی رل چکی ہوتی ہے اسی پانی سے مَل مَل کے بدن کو دھویا اور باہر نکل آئے۔ تولیے سے بدن کو خشک کیا اور کپڑے پہن کر اور ٹائی باندھ کر صاحب بن گئے۔

پیشاب کے بقیہ قطرات کی صفائی کی طرف دُنیا بھر میں کسی کو توجّہ دینے کی توفیق نہیں ہوتی۔

تو یہ ہے !

دیگر مذاہب و اقوام اور تہذیبوں اور تمدّنوں کی جسمانی صفائی کا معیارِ بلند !

اسلام کا معیارِ صفائی

اسلام میں مسلمانوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ پیشاب اور پاخانہ کو کم از کم ایک بڑے لوٹے بھر پانی سے ضرور صاف کریں اور ہر مرتبہ پیشاب

کے بعد استنجا کریں۔ اپنے جسم و لباس پر نہ صرف پیشاب بلکہ کیچڑ، سڑک کے معمولی پانی، شراب بلکہ خون تک کی چھینٹ نہ پڑنے دیں۔ اسی اساس و بنیادی صفائی کے بعد ہر مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ مُوئے زیرِ بغل و ناف کو بھی صاف کرتے رہا کریں، ناخن ترشوائیں احتلام و جماع اور حیض و نفاس کے بعد غسل فرض اور ہر جمعہ کو واجب ہے۔

رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مُسلمانوں کو سب سے پہلے یہی حکم دیا تھا کہ :

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ :

"سب گندگیوں اور ناپاکیوں کو چھوڑ دو" !

پھر حکم ہُوا کہ :

اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ :

"اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ پاکیزگی اختیار کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

اسلام کی اِس تعلیم نے ایک عظیم تغیر پیدا کر دیا اور عرب جو خود اُس وقت غلاظتوں اور گندگیوں کا مجموعہ تھے بہت جلد طہارت و پاکیزگی کا ایک زندہ پیکر بن گئے۔

رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا معیارِ صفائی

آپ کا معیارِ صفائی تو شروع ہی سے

بہت بلند تھا۔ آپؐ تو رفعِ حاجت کے بعد آلائش کو پہلے مٹی سے صاف کرتے تھے اور پھر پانی سے۔ پانچوں وقت بالالتزام وضو کرتے، روزانہ غسل فرماتے اور غسل کے بعد یہ عادت تھی کہ بالوں میں کنگھا کر کے تیل اور خوشبو ضرور لگاتے۔ بالوں اور ریشِ مبارک میں روزانہ کنگھا کیا کرتے مسواک سے دن میں کئی بار دندانِ مبارک صاف کرتے۔ صاف اور شفاف لباس پہنتے۔ برتن بھی صاف رکھتے۔ گھر میں کسی گوشہ میں بھی کہیں کوڑا نظر آجاتا تو بہت خفا ہوتے۔

عربوں کی عادتیں بہت گندی تھیں۔

سڑکوں پر تو جا بہ جا تھوکتے ہی تھے۔ اسی عادت کی وجہ سے وہ ابتداً میں مسجدِ نبوی کے اندر بھی تھوک دیا کرتے تھے۔ آپؐ کو جب کہیں تھوک وغیرہ نظر پڑ جاتا تو آپؐ خود اُسے کھرچ کر صاف کر دیتے۔ یہ دیکھ کر تھوکنے اور دیکھنے والے شرمسار ہوتے اور آئندہ نہ تھوکنے کا عہد کر لیتے۔ اس طرح بہت جلد لوگوں کی گندی اور غلیظ عادتیں ختم ہو گئیں اور وہ صاف ستھرا رہنے لگے۔

آپؐ اکثر مسجد میں عود و لوبان کی انگیٹھیاں سُلگواتے۔ آپؐ کے حجرے میں بھی لوبان سُلگتا۔ کپڑوں پر خوشبو بھی لگاتے کہ اس سے آپؐ کو بہت شغف تھا۔

غرض یہ کہ!

آپؐ کا معیارِ صفائی بہت بلند تھا، اتنا بلند کہ دُنیا اب تک

اس معیار پر نہیں پہنچ سکی ہے۔

اَغذیہ و اَشربہ کی صفائی آپؐ نے حفظانِ صحت کے ہر پہلو پر مسلمانوں کو ہدایات دیں، اور میلے پن اور ہر قسم کی نجاست و گندگی سے بچایا۔

آپؐ نے دُنیا میں سب سے پہلے غذاؤں کے متعلق یہ اُصول ذہن نشین کیا کہ غذائیں بھی انسان کی رُوح، قلب اور اَخلاق و اعمال پر مؤثّر ہوتی ہیں اور ان کی اچھائی بُرائی برا برا اچھا بُرا اثر کرتی ہے۔ پاکیزہ اشیا و اَغذیہ کے استعمال سے انسان کی رُوح و قلب پر پاکیزہ اور مطہّر اثر پڑتا ہے اور سڑی ہوئی ناپاک اور مشکوک و حرام اشیا کھانے سے بُرے نتائج مترتّب ہوتے ہیں۔

طبّی طریقے پر یہ اَمر ثابت ہو گیا ہے کہ سمّی اور مضر اجزا و جراثیم خون ہی میں سرایت کرتے ہیں۔ اسی لیے ذبیحہ سے سارا خون نکال دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ خون اور مُردار میں سمّیت کا اندیشہ ہے اور سُؤر تو میلا بھی کھاتا ہے اور اس کی طبیعت بھی بد ہے۔ اس لیے اس سے مسلمانوں کو روک دیا گیا کہ سُؤر کا گوشت ہرگز نہ کھائیں اور اس پلید اور نجس جانور کو حکماً حرام قرار دے دیا گیا۔

درندوں اور پنجہ سے پکڑ کر چونچ سے کھانے والے پرندوں کا گوشت بھی اسی وجہ سے حرام کیا گیا ہے کہ ان کے

گوشت کے استعمال سے ظالمانہ اور فریب کارانہ عادات کے نشو و نما کا قوی امکان ہے۔ حکم ہے کہ پاک چیزیں پاک برتنوں میں استعمال کرو۔

اب ہندوؤں ہی کو لیجئے کہ ان میں کتنی پاکیزگی ہوتی ہے اور غذا کے بارے میں کہاں تک احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ ہندو حلوائیوں کی دکانوں پر بلّیاں اور کتّے اکثر ان کے سامنے کڑاہیاں چاٹتے رہتے ہیں۔ ان کے گھروں میں ان جانوروں کے آگے سے برتن اُٹھا کر دھو مانجھ لیے جاتے ہیں۔ پتّوں اور برتنوں کو پیشاب کے قطروں سے آلودہ دھوتی کے پلّو سے صاف کر کے ان میں گاہک کو کھانے کی اشیا ڈال کر دے دی جاتی ہیں۔

ہندوؤں ہی میں آج بھی ایک ایسا فرقہ موجود ہے جس کے نزدیک گائے کا پیشاب پاک ہے۔

متمدن مغربی ہوٹلوں میں پنیر کے اندر پڑے ہوئے کیڑے کیا پھینک دیئے جاتے ہیں۔ نہیں! بلکہ اس پنیر کے علاوہ سڑی اور پکی ہوئی مچھلی کو وہ سب لوگ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ ہم نے برما میں بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں کو سڑی ہوئی بدبودار مچھلی کا اچار بڑے شوق اور بڑی رغبت کے ساتھ کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ غرض یہ کہ اسلام ہی ایک واحد پاکیزہ مذہب ہے جس میں ہر طرح کی پاکیزگی اور صفائی پائی جاتی ہے!

Marfat.com

آداب و اطوار کی صفائی

کھانے کا طریقہ اور آدابِ طعام بھی رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ساتھ ہی بتا دیئے:

۱- سب گھر والے ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھائیں کہ کھانے میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

۲- اکھٹے مل کر کھانے سے بے تکلفی اور محبت بڑھتی ہے۔

۳- اپنے آگے سے کھاؤ۔

۴- دُودھ پینے کے بعد پانی سے خوب اچھی طرح سے کُلی ضرور کر لینی چاہیئے تاکہ مُنہ کے اندر دانتوں پر چکنائی لگی رہ جانے سے بدبُو پیدا نہ ہونے پائے۔

۵- حیوانوں کی طرح شکم سیر ہو کر نہ کھاؤ۔

۶- ہر سال ایک مہینے کے روزے ضرور رکھو۔

۷- جتنی پاکیزہ اور لذیذ غذائیں ہیں ضرور کھاؤ مگر زیادہ ہرگز نہ کھاؤ، اعتدال کو ملحوظ رکھو۔

۸- پانی کا برتن ہمیشہ ڈھک کر رکھو۔

۹- کھانا ہمیشہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ وُہ غلاظت سے پاک اور صاف رہتا ہے۔

۱۰- جب سو کر اُٹھو تو ہاتھ دھوئے بغیر کسی خوردنی و نوشیدنی چیز کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ!

Marfat.com

۱۱۔ نشّہ کی کوئی چیز استعمال نہ کرو۔

۱۲۔ جب سو کر اٹھو تو کلّی کیے بغیر ہرگز کوئی چیز مت کھاؤ کیونکہ منہ میں رات بھر کا جمع شدہ لُعاب زہریلا ہوتا ہے۔

۱۳۔ پانی کے متعلق آپؐ نے یہ حکم دیا کہ اگر کافی دیر پڑا رہنے سے اس کا رنگ، مزہ اور اس کی بُو بدل جائے تو اسے ہرگز اپنے استعمال میں نہ لاؤ۔

۱۴۔ نوزائیدہ بچے کو دو سال سے زیادہ دُودھ نہ پلاؤ!

لباس کی صفائی

رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے تو کوئی پہلو بھی تشنۂ تعلیم نہیں چھوڑا اور ملبُوسات کے معاملے میں بھی پُوری رہنمائی کی ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ غلیظ اور مَیلا لباس ہرگز نہ پہنو۔

۲۔ پسینہ کی بُو آنے لگے تو کپڑے بدل لو یا انہی کپڑوں کو دھو کر پہن لو۔

ایک دفعہ سخت گرمی تھی۔ لوگوں نے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ پسینہ کی بُو ہر طرف پھیل گئی۔ آپؐ نے کراہت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ ان لوگوں سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ اپنے کپڑے ہی دھو لیا کریں۔

۳۔ آپؐ نے حکم دیا کہ جمعہ اور عیدین کے دن لازمی طور پر نیا جوڑا

Marfat.com

تبدیل کیا جائے اور اس میں خوشبو بھی لگائی جائے تاکہ ہجوم کی زیادتی سے پسینہ کی بُو کا احساس نہ ہو۔

۴۔ کپڑے نہ صرف صاف ستھرے ہوں بلکہ کیچڑ اور خون کے دھبوں سے بھی پاک ہوں۔

ایک دفعہ ایک شخص میلے کپڑے پہنے ہوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ دریافت فرمایا کہ تمھیں کیا میسّر نہیں ہے۔ عرض کیا اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور ہر چیز میسّر ہے۔ آپؐ نے فرمایا پھر تم کیوں حسبِ حیثیت لباس نہیں پہنتے؟ تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا اظہار ہو۔

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

۵۔ لباس حسبِ حیثیت استعمال کیا کرو۔ لباس خوب صاف اور شفاف ہو اور حسبِ حیثیت اس میں کچھ زینت بھی ہو تو بہتر ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ارشادات کو!

کہاں وہ دھوتیاں اور پتلونیں جو ہر بار پیشاب کے چند قطرے اپنے اندر لازماً جذب کرتی رہتی ہیں اور کہاں مسلمانوں کے پاجامے اور ان کی شلواریں جن پہ پیشاب تو پیشاب، راستے کے پانی کی چھینٹ بھی پڑ جائے تو انھیں تین بار دھو کر اور پاک کر کے پہننے

کا حکم ہے اس لیے کہ صاف اور خوشبودار لباس سے بھی رُوح اور خیالات پر اثر پڑتا ہے۔ میلے لباس میں اچھے خیالات بہت ہی کم پرورش پاتے ہیں۔ ہر شخص اپنی ذات پر اس کا تجربہ کر سکتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اُجلے اور معطر کپڑے ہوں۔

جسم کی صفائی

کوئی عمل کرے یا نہ کرے مگر سمجھتے تو سب ہیں اور آئے دن ان کا مشاہدہ ہے کہ اگر زیرِ ناف اور بغلوں کے بال صاف نہ کیے جائیں۔ سر میں کنگھا نہ کیا جائے تو نہ صرف ناگوار بدبُو پیدا ہو جاتی ہے بلکہ میل بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

کراہت بھی ہونے لگتی ہے۔

اور!

جُوئیں بھی پڑ جاتی ہیں۔

اگر!

مُونچھیں نہ ترشوائی جائیں تو غذا کے ذرّات ان میں لگ جاتے ہیں اس سے دیکھنے والوں کو کراہت بھی پیدا ہوتی ہے اور بدبُو بھی پیدا ہو جاتی ہے اور دُودھ، پانی اور غذا میں ڈوبتی رہتی ہیں۔

زیرِ ناف بالوں کی صفائی پر ہنوز بہت کم اقوام و افراد تیار ہوئے ہیں۔

ناخن بڑھ جائیں تو میل بھر جاتا ہے اور وہ غذا کو زہریلا کر دیتا ہے!

Marfat.com

ختنہ کے حکم میں بھی یہی حکمت پوشیدہ ہے کہ نہ میل جمنے پائے اور نہ پیشاب کے قطرے رُک کر اندر ناپاکی پیدا کریں اور امراض کا باعث بنیں۔ رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے جسم کی صفائی ایک ایک جزئیے پر نظر ڈال کر پرکھی اور ایک ایک چیز کو لے کر اس کے متعلق ہدایات فرمائیں۔

دانتوں اور مُنہ کی صفائی

تہذیب جدید نے پائیوریا کی ایک خوفناک بیماری کو دُنیا پر مُسلّط کر دیا ہے جو نہ صرف دانتوں کی دُشمن ہے اور مسوڑھوں کو مجروح کر دیتی ہے بلکہ بُوئے دہن کے علاوہ اِس سے اَور بھی صدہا ضرر رساں اور تکلیف دِہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ بیماری مغرب میں مغربی متمدّن عادات سے پیدا ہوئی کہ وہاں لوگ کلی اور مُنہ کی صفائی نہ ماقبل طعام ضروری سمجھتے ہیں اور نہ مابعد طعام رومال سے مُنہ پونچھا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ خلال کرنا مذموم ہے غذا کے ذرّات دانتوں کے اندر رہ جاتے ہیں، سڑتے ہیں اور بدبُو کے ساتھ امراض بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ بات وُہی ہے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ سب کچھ ہے مگر باطن کی کسی کو پرواہ نہیں!

رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ایک طرف تو یہ ہدایت کی کہ ماقبل طعام و مابعد طعام مُنہ ضرور صاف کیا جائے۔ کلیاں اور غرارے کیے جائیں اور دوسری طرف مسواک کے استعمال پر زور دیا تاکہ دانت

Marfat.com

بھی صاف رہیں۔ منہ سے بدبو بھی نہ آئے اور انسان مختلف امراض سے بھی محفوظ و مامون رہے۔

رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تو ہر نماز کے بعد کئی مرتبہ مسواک کیا کرتے تھے۔

مسواک کا رواج تو ہندوؤں میں بھی ہے مگر تہذیبِ جدید اس معاملہ میں بالکل بے پرواہ ہے۔ صبح کو اُٹھ کر صرف برش اور منجن سے دانتوں کو صاف کر لینا ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ اس معاملہ میں رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ہدایات کتنی صاف ہیں۔

مکانوں اور شہروں کی صفائی

حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے مکانوں اور شہروں کی صفائی کو بھی ضروری بتایا اور ارشاد فرمایا کہ :

۱۔ کوئی شخص اپنے مکان میں ایسی گندگی نہ پھیلائے جو دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث ہو۔

۲۔ سایہ دار درختوں کے نیچے ہرگز بول و براز نہ کریں۔

۳۔ پانی کے اندر پیشاب نہ کریں۔

۴۔ جس شہر میں وبا پھیل جائے اُس شہر سے نکل کر کسی دوسرے شہر میں ہرگز نہ جائیں بلکہ اُسی جگہ شہر سے باہر سکونت اختیار کی جائے۔

۵۔ پیٹ لیٹ کر ہرگز نہ سوئیں۔

اسلام سے پہلے دُنیا میں یہ خیال پھیلا ہُوا تھا کہ رُوح اُسی وقت ترقی کر سکتی ہے جب کہ جسم کو آرام سے نہ رکھا جائے اور لباس و غذا وغیرہ کی طرف سے بھی کُلّی طور پر بے پروائی برتی جائے روحانیئین نے اس راز کو تو پالیا تھا کہ :

" جسم ایک حجاب ہے جس کے ختم ہوئے یا ہٹے بغیر رُوح اپنے معبُودِ حقیقی کے جمال و انوار سے ہرگز مُستفیض نہیں ہو سکتی "

اسی لیے ہندوؤں نے جسم کو تکلیف دے دے کر اپنے اعضاء تک کو خشک کرنا شرُوع کر دیا اور اُدھر عیسائی راہبوں نے بھی ریاضتوں اور عبادتوں کے خوف ناک اور ہیبت ناک طریقے استعمال کرنا شرُوع کر دیئے۔

لیکن !

اسلامی روحانیئین نے رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی زیرِ ہدایت فنائے جسم کا بھی ایک بہترین طریقہ پیدا کر لیا، جس سے جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

نفیس و مُعطّر صفائی

ایک دفعہ ایک شخص نے حضُور نبیِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ :

" مجھے اس اَمر کی خواہش رہتی ہے کہ میرے کپڑے

Marfat.com

بے حد عمدہ اور نفیس ہوں۔ سر میں تیل لگا ہوا ہو، کنگھا
کیا ہوا ہو، جوتا بھی اچھا ہو، اور میرا کوڑا بھی بہت
اچھا ہو۔"

اسی طرح اس شخص نے اور بھی بہت سی اچھی اچھی اور عمدہ و نفیس
چیزوں کی خواہش کا اظہار کیا۔

آپؐ نے سن کر فرمایا :

ذٰلِكَ جَمَالٌ وَاللّٰهُ جَمِيلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ ؕ

"یہ سب اچھی باتیں ہیں اور خداوندِ کریم انھیں اور
لطافت کو پسند فرماتا ہے۔"

اسی طرح حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں :

"میں نے رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے
عرض کیا کہ کیا یہ تکبّر ہے کہ میں اچھا اور نفیس لباس
پہنوں ؟"

رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا :

"نہیں ! ہرگز نہیں ! بلکہ یہ تو نفاست ہے اور
خداوندِ کریم ایسی نفاست کو پسند فرماتا ہے۔"

خود رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی یہ حالت تھی کہ گو
آپؐ کو جاہ پسندی اور تکلّفات سے نفرت تھی مگر لباس ہمیشہ
صاف ستھرا اور عمدہ پہنتے اور سفید کپڑا تمام کپڑوں سے زیادہ

Marfat.com

پسند فرماتے تھے۔ روزانہ رات کو سوتے وقت آنکھوں میں سُرمہ ضرور ڈالا کرتے، روزانہ سر کے بالوں میں کنگھی کرتے اور اکثر سر میں تیل بھی ڈالتے تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا بیان ہے کہ:

"آپؐ مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی صاف ستھرا رہنے اور خوشبو لگانے کی ہدایت فرماتے اور خود بھی خوشبو کا استعمال فرماتے۔ آپؐ جس گلی سے گزر جاتے وہ معطر ہو جاتی۔ بعض دفعہ مشک و عنبر بھی استعمال فرماتے۔ بعض دفعہ آپؐ کی مجلس میں خوشبو کی انگیٹھیاں بھی جلائی جاتیں۔ آپؐ کا حکم یہ تھا کہ جہاں اجتماع ہو وہاں خوشبوئیں ضرور سلگائی جائیں تاکہ پسینے اور سانسوں سے ہوا مکدر اور خراب نہ ہو اور سامعین کے دماغ معطر رہیں۔"

قلب و روح کی صفائی

اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ

"اللہ تعالیٰ باطنی اور ظاہری پاکیزگی رکھنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

گو توّابین کے معنی بار بار رجوع کرنے کے ہیں مگر بعض مفسرین

نے اس کے معنے باطنی طہارت کے بھی بتائے ہیں۔

دوسری جگہ سورہ مدثر میں ہے :

"وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ"

" اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی دُور کر دے"۔

کیا تم دُنیا کا کوئی ایک مذہب اور کوئی ایک قوم بھی ایسی بتا سکتے ہو ؟ جس نے ظاہری اور باطنی صفائی و پاکیزگی پر اتنا زور دیا ہو۔ باطنی نجاستیں کبر و غرور، کینہ و حسد، عناد و عداوت، بدگوئی و غیبت اور فریب و کذب ہیں ان کے استیصال پر بھی قرآن شریف میں بہت زور دیا گیا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں بھی گراں بہا ہدایات فرمائی ہیں اور ظاہری صفائی کے متعلق جو کچھ آپ نے فرمایا ہے وہ ہم اس مضمون میں واضح کر ہی چکے ہیں۔ سبحان اللہ کتنی شان دار تعلیم ہے۔

دُنیا میں بہت سے مذہبی پیشوا ہو گزرے ہیں۔

بہت سے ریفارمر پیدا ہو گئے ہیں۔

بڑے بڑے ہادی آ چکے ہیں۔

ذرا اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ :

" کیا کسی کی بھی تعلیم میں یہ رنگ ہے ؟ "

Marfat.com

سادگی پسند رہبر

تکلّف اور سادگی

یوں تو حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے ہر کار و عمل ہی میں سادگی پائی جاتی ہے اور تکلّف و تصنّع سے آپ کی ذاتِ پاک بالکل بری تھی پھر بھی آپ کی تمدّنی اور معاشرتی سادگی بے حد سبق آموز ہے۔ کھانے پینے اُٹھنے بیٹھنے رہنے سہنے بولنے چالنے چلنے پھرنے سونے جاگنے غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ بے پناہ سادگی اور بے تکلّفی کے مظہر تھے۔

یہ زمانہ تو کچھ ایسا زمانہ ہے کہ اس دَور میں ہر فرقہ و ہر طبقہ اور ہر مذہب و خیال کے افراد چاہے عوام ہوں چاہے خواص گوناگوں تکالیف میں مبتلا ہیں۔ عالموں لیڈروں امیروں ملازموں رئیسوں غریبوں ڈاکٹروں بیرسٹروں مذہبی پیشواؤں الغرض جسے دیکھو وہ تکلّف اور بے جا نمود و نمائش کے مرض میں گرفتار ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص کو یہ تمنّا رہتی ہے کہ اگر اس کی شان و شوکت نہ بھی ظاہر ہو تب بھی کم از کم لوگ اسے بڑا تو ضرور ہی

Marfat.com

سمجھیں۔

اس زمانہ کے راہبوں پوپوں پنڈتوں اور خاص طور پر عربوں میں بھی یہ جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔ عربوں کی تو رگ رگ میں یہ جذبہ سرایت کیے ہوئے تھا اور وہ بڑے فخار واقع ہوئے تھے۔

لیکن!

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر یہ سبق دیا کہ جھوٹی عزت اور بناوٹی شان و شوکت کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور نہ ہی لوگوں کی نگاہوں میں وقعت پیدا کر لینا کوئی چیز ہے۔ اصل چیز اور حقیقی عزت وہی ہے جو اللہ کی طرف سے بندے کو عطا ہوتی ہے اور حقیقی شان و شوکت یہ ہے کہ انسان کا باطن صاف اور اخلاق پاکیزہ ہوں۔

لباس کی سادگی

تکلّف اور تصنّع کا جذبہ آخر کیوں پیدا ہوتا ہے؟

اس لیے کہ انسان میں بڑا بننے کی جو ایک فطری خواہش ہے وہ پوری نہیں ہوتی۔ انسان اپنی غفلتوں اور لغزشوں سے اپنے اندر اعلیٰ اخلاق اور باطنی علوّ پیدا کرنے سے قاصر رہتا ہے اس لیے وہ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور رکھ رکھاؤ سے بڑا اور مقدس بننے کی سعی کرتا ہے اور اپنے اس جذبہ کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے جنہیں حقیقی بڑائی حاصل ہوتی ہے اور جو موردِ انعامِ الٰہی بنے

Marfat.com

ہوتے ہیں اُنھیں اِس امر کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

حضرت نبی اکرم سرکارِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی ایک مطلعِ انوار تھی اِس لیے آپؐ کی ذاتِ اقدس میں سادگی اور بے تکلفی کا عنصر اپنی پُوری انتہاؤں کے ساتھ مَوجُود تھا۔ بہ مشکل ایک دو جوڑے کپڑوں کے آپؐ کے پاس ہُوا کرتے تھے۔ وُہ بھی بوسیدہ اور اکثر پیوند لگے ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ:

" انتقال کے وقت حضُور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے جسمِ اطہر پر ایک پیوند زدہ چادر اور ایک گاڑھے کا کُرتہ تھا۔ آپؐ اسی کو دھو دھو کر اور پیوند پہ پیوند لگا لگا کر پہنے رہا کرتے تھے۔ ویسے آپؐ نے اعلیٰ سے اعلیٰ لباس بھی ضرور پہنا ہے۔ ایک دفعہ آپؐ کو ایک کمخواب کی قبا بطور ہدیہ ملی۔ آپؐ نے اسے پہنا اور پھر حضرت عمر فاروقؓ کو دے کر اسے فروخت کر دینے کا حکم دیا اور جو دو ہزار درہم میں فروخت ہوئی۔ یہ رقم آپؐ نے اسی وقت مساکین و یتامیٰ میں تقسیم کر دی۔"

اِسی طرح ایک مرتبہ کسی نے آپؐ کو ایک گراں بہا مخطّط جوڑا ہدیہ کیا۔ آپؐ نے اسے بھی پہننے کے بعد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

Marfat.com

کو دے دیا۔ وہ خود پہن کر آ گئے تو آپؐ نے فرمایا :

"میں نے یہ مخطط جوڑا تمھیں اس لیے دیا تھا کہ مستورات اس کی چادریں بنا لیں گی۔"

ایک مرتبہ آپؐ نے مُہر کے لیے طلائی انگوٹھی بنوائی۔ جب آپؐ کی تقلید میں بعض صحابہ کرامؓ نے بھی ویسی ہی طلائی انگوٹھیاں بنوا کر پہن لیں تو آپؐ نے انگوٹھی اُتار دی اور پھر صحابہ کرامؓ نے انگوٹھیاں اُتار دیں۔

فی الواقعہ آپؐ کا لباس نہایت معمولی ہوتا تھا مگر بے حد صاف اور اُجلا ہوتا تھا۔ خوشبو آپؐ کو بہت پسند تھی جس گلی سے گزرتے وہ مُعطر ہو جاتی تھی۔

طعام میں سادگی

بالعموم کھجوروں اور پانی پر گزر تھی۔ بکریوں کا دودھ بھی اکثر پیا ہے۔ روٹی جب میسّر ہوتی تو جو کی ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ :

"اکثر دو دو ماہ تک چولھے میں آگ نہ سُلگتی تھی۔ چپاتی تو عمر بھر نصیب نہ ہوئی۔ البتہ سفر کے دوران گوشت مل جاتا تھا۔ ویسے پرہیز آپؐ کو کسی چیز سے بھی نہ تھا جو کھانا سامنے آ جاتا وہی کھا لیتے تھے مگر شکم سیر ہو کر کبھی نہ کھاتے تھے۔ لوکی آپؐ کو بہت مرغوب تھی۔

گھی میں پکے ہوئے پنیر اور کھجور کی آمیزش سے عرب میں ایک کھانا پکتا ہے وہ آپؐ کو بہت مرغوب تھا۔

ایک دفعہ آپؐ حضرت امِّ ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کچھ کھانے کے لیے ہے؟

بولیں سرکہ ہے!

فرمایا جس گھر میں سرکہ ہو اُسے نادار نہیں کہہ سکتے۔

اکثر ایسا ہوا ہے کہ دو دو تین تین وقت کے فاقے ہوئے ہیں اور شکم مبارک پر بہ یک وقت دو دو پتھر بندھے دیکھے ہیں کھانا تو سب کچھ لیتے تھے مگر خود کسی امر کی خواہش نہ کرتے تھے۔

گھر میں سادگی

بستر کی یہ صورت تھی کہ کبھی تو یہ کمبل کا ہوتا تھا اور کبھی چمڑے کا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ کبھی معمولی کپڑے ہی کو دوہرا کر کے بچھا لیتے اور اس پر استراحت فرماتے۔ انتہا یہ ہے کہ ۹ھ میں جب کہ شام سے لے کر یمن تک اسلام کا پرچم اقبال لہرا رہا تھا، فرماں روائے اسلام کے گھر میں تھوڑے سے جَو کے سوا اور کوئی چیز کھانے کی نہ تھی۔ ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا ایک سوکھا ہوا مشکیزہ اور ایک لکڑی کا پیالہ اور کپڑوں کا ایک جوڑا آپؐ کے گھر کی کُل کائنات تھی۔ خام اینٹوں اور کھجور کے پتوں کا ایک حجرہ تھا جس کی دیواروں میں جا بجا شگاف پڑ گئے تھے۔ ایلا کے زمانہ

Marfat.com

میں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپؐ کے حجرے میں گئے تو دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر ایک تہ بند ہے۔ خرمے کی چھال سے بھرا ہوا ایک تکیہ سرہانے رکھا ہوا ہے ایک گوشے میں مٹھی بھر جَو پڑے ہیں۔ پائے مبارک کے قریب ہی ایک گوشے میں کسی جانور کی کھال پڑی ہوئی ہے۔ کچھ مشکیزہ کی کھالیں ایک کھونٹی پر آویزاں ہیں۔

یہ حالت دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

آپؐ نے مسکرا کر پوچھا :

"اے عمرؓ ! کیا بات ہے کیوں روتے ہو ؟"

عرض کیا :

"یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ! آپؐ کے جسم اقدس پر چارپائی کے بان سے نشان پڑ گئے ہیں۔ گھر میں کوئی سامان بھی نہیں قیصر و کسریٰ تو عیش اڑائیں اور خدا کے پیغمبر ہو کر آپؐ کی یہ حالت !"

آپؐ نے ارشاد فرمایا :

"اے ابن خطاب کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت ؟"

پھر فرمایا کہ :

"گھر میں صرف تین بستر کافی ہیں دو میاں بیوی کے لیے اور

تیسرا بستر کسی مہمان کے لیے۔ اگر ان کے علاوہ چوتھا بستر موجود ہو تو اس پر شیطان قبضہ جما لیتا ہے۔"

ایک مرتبہ آپؐ حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں آئے اور دیکھا کہ گھر میں چھت گیری لگی ہوئی ہے۔ آپؐ کو غصّہ آیا اور اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا:

"عائشہ! اللہ تعالٰے نے ہمیں دولت اس لیے نہیں دی کہ اسے صرف کر کے اینٹوں اور پتھروں کو کپڑے پہنائے جائیں۔" (ابوداؤد)

ایک مرتبہ آپؐ اپنی لختِ جگر حضرت بی بی فاطمۃ الزہراؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور دیکھا تو بیٹی کے گلے میں طلائی ہار تھا۔ ارشاد فرمایا:

"فاطمہؓ! کیا تمھیں یہ گوارا ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ پیغمبر کی بیٹی آگ کا ہار پہنے ہوئے ہے؟"

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاتھوں میں طلائی کنگن دیکھے تو فرمایا کہ:

"اگر تم انھیں اتار کر اور عصیبہ کے کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا۔"

چوڑیاں پہننے کی ضرور تاکید فرماتے اور کہتے کہ ان کی چھنکی کی آواز سے گھر میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

یہ بھی فرمایا کرتے کہ ناخن سفید نہ رہیں عورتوں کو چاہیے

Marfat.com

انھیں مہندی سے رنگ لیا کریں۔

ظاہر ہے کہ جب مقصود آرائش ہے تو اس میں سونے اور چاندی کی کیا تخصیص ہے اس سے تو اُلٹا غرور پیدا ہوتا ہے۔ آپؐ چاہتے تھے کہ جہاں نسائیت قائم رہے وہاں غرور و نخوت پیدا نہ ہونے پائے اور تجربہ شاہد ہے کہ سونے اور چاندی کا زیور پہن کر اگر غرور پیدا نہ بھی ہو تب بھی نمود و نمائش کا جذبہ تو ضرور ہی پیدا ہوتا ہے۔

عمل و کار میں سادگی

رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو کسی کام کے کرنے میں بھی عار نہ تھا۔ آپؐ گھر کے سب کام بلا تکلف خود ہی کر لیا کرتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ خود ہی گھر میں جھاڑو بھی دے لیا کرتے تھے اور اگر کبھی جوتا پھٹ جاتا تو اُسے بھی خود ہی اپنے ہاتھوں سے سی لیتے تھے۔ بازار سے سودا لے آتے۔ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگا لیتے۔

ایک مرتبہ ایک عورت آپؐ کے گھر سے آپؐ کو بُلا کر ہمراہ لے گئی۔ ایک گلی میں اس کا کوئی کام اٹکا ہُوا تھا۔ آپؐ نے وہیں گلی میں بیٹھ کر اس کا کام کر دیا۔

آپؐ غریبوں یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے۔ مجالس و مجامع میں جہاں بھی جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے۔

فتحِ مکہ کے بعد ایک عورت سامنے آئی اور کانپنے لگی۔ آپؐ نے بڑی شفقت سے پوچھا:

"کیوں ڈر رہی ہے مجھ سے؟ میں تو ایک غریب قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو وقت پڑنے پر سوکھا گوشت پکا کر کھالیا کرتی تھی۔"

آپؐ ہمیشہ اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے:

"میں بندہ ہوں اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا اور کھاتا ہوں!"

آپؐ اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ نہ رکھتے اور نہ ہی امتیاز کو روا رکھتے بلکہ لوگوں میں اس طرح مل جل کر بیٹھتے تھے کہ باہر کے ممالک سے آنے والے اجنبیوں اور مسافروں کو ہرگز یہ تمیز نہ ہوتی تھی کہ آقا کون ہے اور غلام کون ہے۔

آپؐ کبھی فخر و تفاخر کو روا نہ رکھتے تھے۔ مکّہ مکرّمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو شکر و تواضع کے خیال سے اپنے سرِ مبارک کو بارگاہِ ایزدی میں اس قدر جھکا لیا تھا کہ وہ کجاوے سے مل گیا تھا۔

آپؐ کبھی شان و شوکت کا اظہار نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپؐ نے خیبر کو فتح کیا اور فاتحانہ انداز میں خیبر کے اندر داخل ہوئے تو گدھے پر سواری کرنا پسند کیا۔

سلوک میں سادگی

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کسی غزوہ پر گئے ہوئے تھے۔ گھر میں عورتوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ آپ ﷺ روزانہ ان کے گھر جاتے اور مستورات کو دودھ دوہ کر دے آتے۔

ذرا سلوک کا یہ انداز تو ملاحظہ فرمائیے۔ مدینہ شریف میں اکثر کنیزیں تھیں۔ ان میں سے اگر کسی کنیز کو کبھی کوئی ایسا کام آ پڑتا جو وہ خود نہ کر سکتی تو وہ بلا تکلّف دربارِ رسالت ﷺ میں جا حاضر ہوتی اور عرض کرتی کہ!

"یا رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم! میرا فلاں کام ہے جو مجھ سے نہیں ہو سکتا۔"

آپ ﷺ فوراً اور بے تکلّف اٹھ کھڑے ہوتے اور اس کا جو کام ہوتا اسے پورا کر دیتے۔

اسی طرح مسکینوں یتیموں اور بیواؤں کے کام کرنے میں آپ ﷺ کو نہ کوئی تکلّف ہوتا تھا، نہ کوئی عار محسوس کرتے تھے۔ اگر کوئی مہمان آ جاتا تو آپ ﷺ خود ہی فرائضِ میزبانی انجام دیتے۔ ملک حبش سے جو وفد آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی میزبانی کے فرائض انجام دینے کی خواہش کا اظہار کیا۔

لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یہ میرے دوستوں کی خدمت ہے جسے میں خود ہی

Marfat.com

انجام دوں گا۔ کیوں کہ انھوں نے میرے دوستوں کی خدمت انجام دی ہے۔"

بنو ثقیف کے وفد کی خدمات بھی آپؐ نے خود ہی بنفسِ نفیس انجام دی۔ سب کے ساتھ نہایت محبّت و شفقت سے پیش آتے۔ بچّوں تک سے وُہ سلوک تھا کہ راہ میں مل جاتے تو خوش ہو جاتے اور وہ آپؐ کے پاؤں سے لپٹ جاتے۔

دولت مندانہ سادگی

یہ تو تھی آپؐ کی سادہ اور گو نہ فقیرانہ سادگی! مگر کوئی یہ ہرگز نہ سمجھے کہ آپؐ کو کچھ میسّر ہی نہ تھا تبھی یہ حالت تھی۔ نہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب کچھ نہ ملے یا کچھ میسّر ہی نہ ہو تو ایسا فقر اور ایسی سادگی کسی عظمت یا تقدیس کی حامل ہو ہی نہیں سکتی۔

اصلیت یہ ہے کہ!

رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ میں سب کچھ تھا مسُلمان جب پہلے پہل ہجرت کر کے مدینہ پہنچے ہیں تو واقعی وہ بہت غریب و نادار تھے لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت نے ان کی غریبانہ و مفلسانہ حالت کو سنبھالا دیا اور پھر بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ کے سرسبز اور زرخیز و شاداب باغات نے ان کی غربت و ناداری کو فنا کر کے رکھ دیا۔ یعنی ایک طرف تو یہ زرخیز زمینیں اور جائدادیں ہاتھ آ گئیں اور دُوسری طرف مہاجرین نے

Marfat.com

جو تجارت شروع کر دی تھی اُسے بھی کافی فروغ حاصل ہُوا، اور ترقی نصیب ہُوئی۔

اِس طرح مسلمان اب وہ پہلے کے مسلمان نہ رہے تھے، بلکہ اب وہ پُوری خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور ان کا معیارِ زندگی بھی بہت بلند ہو گیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اُمّہات المومنینؓ نے بھی حضور نبیِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ ہمیں بھی اب اچھا کپڑا اور اچھا کھانا ملنا چاہیے۔ لیکن آپؐ نے اِس مطالبے کو منظور نہ کیا، اور صاف کہہ دیا کہ:

"اگر تم دولت و آسائش کی زندگی کی آرزومند ہو تو میں تمھیں مال و دولت دے کر رخصت کر سکتا ہوں اور اگر آخرت کا عیش درکار ہے تو جس حالت میں ہو اُسی پر قناعت کرو۔"

اُمّ المومنین جب یہ دیکھتی تھیں کہ دستِ رسالتؐ مدینہ منوّرہ میں شب و روز زر و دولت لُٹا رہا ہے اور ہم اس عطا و بخشش سے محروم ہیں تو اسی وجہ سے ان کی یہ جُرأت ہُوئی تھی۔

فیّاضانہ سادگی

فیّاضی کی یہ عادت تھی کہ ایک دفعہ ایک شخص بارگاہِ نبوی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم میں حاضر ہُوا اور دیکھا کہ ایک بکریوں کا ریوڑ ہے جو دُور دُور تک پھیلا ہُوا

ہے۔ اُس نے اپنی ناداری اور مفلسی کا اظہار کرتے ہوئے دستِ سوال دراز کر دیا۔

دریائے فیض و احسان جوش میں آیا اور آپؐ نے وہ سارا ریوڑ ہی سوالی کو بخش دیا۔

ایک اور سوالی نے درِ کرم پہ حاضر ہو کر آواز دی اور عرض کیا کہ حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم میں غریب ہوں نادار ہوں اور ضرورت مند ہوں۔

حضور نبی اکرم منبعِ جود و سخا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اُسی وقت فوراً اُسے دیبا کی ایک قبا عنایت فرما دی جس کی گھنڈیاں سونے کی تھیں۔

آپؐ اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

"اِنَّمَآ اَنَا قَاسِمٌ وَّ خَازِنٌ وَّ اللّٰہُ یُعْطِیْ"۔

یعنی: "دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، میں تو محض ایک خزانچی اور بانٹنے والے کی حیثیت رکھتا ہوں"!

حضور نبی اکرم فخرِ موجودات سرورِ کائنات صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے زندگی بھر کسی بھی سائل کو اپنے آستانے سے خالی ہاتھ اور محرومِ آرزو نہیں جانے دیا۔ آپؐ کسی سوالی کے جواب میں "نہیں" کہنا تو جیسے جانتے ہی نہ تھے۔

Marfat.com

ایک دفعہ حضرت ابوذرؓ سے فرمانے لگے کہ :

"ابوذرؓ! اگر اُحد کا پہاڑ بھی میرے لیے سونے کا بن جائے تو میں ہرگز یہ گوارا نہ کروں گا کہ اس پر تین راتیں گزر جائیں اور میں اس سونے کو غرباء میں تقسیم نہ کر دوں۔"

غور کیجیے کہ !

ایک طرف تو یہ ہُن لُٹایا جا رہا ہے اور دُوسری طرف کاشانۂ نبوتؐ میں دو دو ماہ تک آگ تک نہ جلتی تھی۔ یہ آپؐ ہی کا کام تھا کہ فرماں رَوا ہو کر اور لاکھوں روپیہ آنِ واحد میں تقسیم کر دینے والے ہو کر اس سادگی و فقر کے ساتھ زندگی بسر کر گئے۔

Marfat.com

فریادِ آدم علیہ السلام کا منظر قیمت : ۱۰ روپے

اسلامی بہشتی زیور قیمت : خاص ۵۰ روپے عام ۳۰ روپے

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں قیمت : ۳ روپے

حُسن پرستوں کے انجام کا منظر قیمت : روپے

بے مثال معلّم

علوم و فنون کی ابتدائی حالت

ظہورِ اسلام سے پیشتر بلاشبہ فلسفۂ یونان زندہ تھا۔ مصری کہانت، ہندی ریاضی اور کلدانی ہیئت بھی زندہ تھی۔

یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کلدانیوں سے مصریوں نے اور مصریوں سے یونانیوں نے علوم فنون حاصل کیے اور پھر یونانیوں سے مسلمانوں نے اخذ کر کے اسے نہ صرف یورپ بلکہ ساری دنیا میں پھیلا دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ظہورِ اسلام سے پیشتر یونانی علوم کو بہت زیادہ اہمیّت حاصل تھی۔ مصر کی اہمیّت تو مٹ چکی تھی البتہ ہندوستان کی ریاضی کی کچھ شہرت ضرور باقی تھی۔

یونانیوں کے پاس طبّ اور فلسفہ کا جو ذخیرہ تھا، وہ قابلِ قدر ضرور تھا مگر اس کے فضلاء اور جاننے والے دنیا سے گزر چکے تھے اور ہر طرف ایک تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور اس وقت یونان میں کوئی ان ذخائر کا قدر دان اور قابلِ ذکر فلاسفر باقی نہ رہا تھا۔ پھر یونانیوں میں تعلیم و تعلّم کا سلسلہ زبانی تھا اور اسے

Marfat.com

بہت زیادہ وسعت حاصل نہ ہوئی تھی۔ جو کتابیں لکھی گئی تھیں وہ محض لکھی گئی تھیں ان کی نقلوں کا سلسلہ محدود تھا گویا صرف ایک جماعت تھی جو ان خزائن کی کلید بردار تھی۔ اتنی ترقی کے باوجود ان کے فلسفہ نے بھی جملہ اشیا کا احاطہ نہ کیا تھا اور طب کا ذخیرہ تو بہت کم تھا۔

ہندوستان میں ریاضی کی بھی یہی حالت تھی اور ہیئت تو محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ غرض یہ کہ قلم کی کارفرمائی بالکل ہی محدود کیا گویا مسدود تھی۔

غیر مسلم کلید بردارِ علوم

ہندوستان اور یورپ میں جو علوم تھے اُن کے کلید بردار پنڈت، پروہت، پوپ اور راہب بنے بیٹھے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ علم ایک طاقت ہے اور اسے عوام کے ہاتھوں میں دے دینا گویا اپنی طاقت کو اپنے پاس سے منتقل کرنا اور اپنے اقتدار کو ختم کرنا ہے۔ انھوں نے علوم وفنون کی تعلیم پر اتنی قیود عاید کر رکھی تھیں کہ ان کا سیکھنا ہی عوام تو کیا خواص کے لیے بھی ناممکن تھا۔ ہندوؤں نے تو علوم وفنون کو برہمنوں کے ساتھ ہی مختص کر دیا تھا اور شودروں کے لیے اتنے شدید احکام تھے اور آج بھی ہیں کہ اگر اُن کے کانوں میں وید کا ایک لفظ بھی پڑ جائے تو ان کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا تھا حالاں کہ دُنیا جانتی ہے

Marfat.com

مذہب عوام ہی کی اصلاح کے لیے ہوتا ہے اگر کروڑوں انسان اس کے سننے اور ویدوں کا ایک لفظ بھی پڑھنے سے قاصر رہیں تو آخر ان کی اصلاح کا اور کون سا ذریعہ ہو سکتا ہے یا تو کہہ دیا جائے کہ یہ اللہ کے بندے ہی نہیں! اور اگر ہیں تو انھیں مذہبی علوم کے استماع سے بھی محروم رکھنا! چہ معنی دارد؟

پوپوں نے بھی یورپ میں قریب قریب اسی قسم کی پابندیاں عاید کی تھیں۔ ایک مخصوص جماعت کے سوا کوئی اور علم کا اہل نہ سمجھا جاتا تھا اور جب یورپ والوں میں مسلم سرچشمہ ہائے علوم و فنون سے فیض حاصل کر کے تحقیقاتِ علوم کا شوق بڑھا تو انھوں نے ان کی گردنیں کٹوانا شروع کر دیں۔ کوپرنکیس اور گلیلو جیسے فضلائے روزگار انہی پوپوں کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔ ہائی پیشیا جیسی فاضلۂ روزگار خاتون انہی کے حکم سے اسکندریہ کی سڑکوں پر خاک و خون میں غرق کر دی گئی اور اسکندریہ کے کتب خانے بھی انہی کے تعصبِ علمی کا شکار ہوئے۔

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اشاعتِ علوم

اس کے مقابلہ میں اب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیاضانہ طریقِ عمل ملاحظہ فرمایئے کہ مسلمانوں کو عام اجازت دے دی کہ:

"حکمت کو اپنی گم شدہ پونجی سمجھو!"

"چین جیسے دُور دراز ملک میں بھی حصُولِ علم کے لیے جانا پڑے تو ضرور جاؤ!"

پھر یہ احکام کسی مخصوص فرقہ اور جماعت کے لیے مختص نہ تھے بلکہ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کے لیے علم کا سیکھنا فرض قرار دے دیا گیا تھا۔ تمام مسلمانوں کے لیے آپ کی عام ہدایت یہ تھی کہ

"مہد سے لحد اور گہوارے سے گور تک برابر تحصیلِ علم میں مصروف رہو۔"

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ نے ان کے لیے جو دُعائیں پیش کیں ان میں ایک دُعا رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا بھی تھی۔ پھر یہ بھی بتا دیا اور واضح کر دیا کہ اَن پڑھ اور تعلیم یافتہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے نیز فرمایا: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط

یعنی: "اللہ تعالےٰ سے وُہی ڈرتے ہیں، جو پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔"

"اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔"

اُمّیِ اُمّت کا تبحّر

لوگ قرآن پاک میں کئی دفعہ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ پڑھتے ہیں اور پھر بھی حضوُر نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اُمّی اور اَن پڑھ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ واقعی آپؐ اظہارِ نبوّت سے پیشتر

پڑھے لکھے نہ تھے۔

لیکن!

یاد رہے کہ غارِ حرا ہی میں آپؐ کی تعلیم مکمّل کر دی گئی تھی اور تمام علوم و فنون کے اسرار آپؐ پر کھول دیے گئے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپؐ کی شانِ اقدس میں قرآن پاک کے اندر یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کبھی نہ فرمایا جاتا۔ بے علم اور بے پڑھا تو کسی کو کتاب اور دانش و حکمت کی تعلیم ہرگز نہیں دے سکتا۔ پھر یہ بھی ایک معلوم زمان حقیقت ہے کہ غارِ حرا میں جبریل امین علیہ السّلام نے پہلا لفظ جو آپؐ سے کہا تھا وہ اِقْرَاْ (پڑھ) تھا۔ اُس وقت چونکہ فی الواقع آپؐ اُمّی تھے اس لیے آپؐ نے صاف کہہ دیا اور ایک بار نہیں بلکہ دو مرتبہ کہا۔ مَآ اَنَا بِقَارِئٍ ؕ

"مَیں پڑھا ہُوا نہیں ہُوں۔"

مگر جب جبریل امین علیہ السّلام نے دونوں مرتبہ آپؐ کو اپنی آغوش میں لے کر یا سینہ سے لگا کر زور زور سے بھینچا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپؐ کے سینہ اقدس میں ایک دو نہیں بلکہ دونوں جہانوں کے علوم کے بیش بہا خزانے بھر دیئے تو آپؐ فرفر پڑھنے لگے۔

یہ کیا تھا؟

دو مرتبہ پڑھنے سے انکار کیوں کیا گیا؟

Marfat.com

اور تیسری بار بلا رکاوٹ کیوں پڑھنے لگے؟

ذرا سوچیے سمجھیے اور غور کیجیے!

اس لیے کہ پہلے آپ واقعی اُمّی اور اَن پڑھ تھے لیکن بعد کو یہ کمی خداوند کریم عزّ و جلّ کے حکم سے پوری کر دی گئی اور اس طرح پوری کی گئی کہ آپ کا سینۂ اقدس جملہ علوم و فنون کا گنجینہ بن گیا اور آپ اس انداز سے پڑھنے لگے جیسے جبریل امین علیہ السلام آپ کو نہیں پڑھا رہے تھے بلکہ آپ خود جبریل امین رُوح اللہ کو پڑھا رہے ہیں۔

اس سے کیا یہ امر صاف طور سے واضح نہیں ہو جاتا کہ بعثتِ نبوّت کے ساتھ ہی ساتھ اور تاجِ رسالت سرِ مبارک پر رکھتے ہی آپ جملہ علوم و فنون کے حامل بھی بن گئے۔

مُعلّمانہ ذمّہ داریاں

آپ بائیبل، اناجیل اور جملہ صحفِ آسمانی کا مطالعہ کیجیے کسی میں کہیں بھی آپ کو کسی نبی کی شان میں آپ کو یہ الفاظ نہیں ملیں گے:

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

ظاہر ہے کہ کتاب و حکمت کی مُعلّمی کا منصب صرف آپ ہی کو عطا ہُوا تھا۔ یہ وہ منصبِ جلیل ہے جس پر حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نبی یا رسُول یا پیغمبر آج تک فائز نہیں ہوا۔ اس آیت کو پڑھیے اور بار بار پڑھیے۔ اس سے صاف طور پر واضح ہو رہا ہے

Marfat.com

کہ آپؐ کو بہ سلسلہ معلمی تین ذمہ داریاں سپرد ہوئی تھیں :

۱۔ تعلیم قرآن پاک

۲۔ تعلیم حکمت

۳۔ تعلیم تزکیۂ نفس

گو سمجھنے والوں کے لیے قرآن پاک کے اندر ہی یہ تینوں تعلیمیں موجود ہیں تاہم بہ لحاظِ ترتیب ان میں فرق ہے مثلاً :

۱۔ ایک حصہ اوامر و نواہی

۲۔ دوسرا حصہ علوم عقلیہ و فہمیہ

۳۔ تیسرا حصہ علوم باطنی و روحانی

علومِ باطنی تزکیۂ نفس، روحانی ارتقاء، باطنی ولایت اور نظام عالم پر مشتمل ہیں۔

علوم عقلیہ و فہمیہ میں فلسفہ، سائنس، منطق، طبعیات، ریاضی اور ہیئت وغیرہ شامل ہیں۔

اوامر و نواہی میں قرآنی تراجم، معانی و تفاسیر، بیان و بلاغت وغیرہ شامل ہیں۔

گویا رسولِ کریم نبی اکرم سرکارِ دو عالم معلم کائنات اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان جملہ علوم و فنون کی تعلیم پر مامور فرمائے گئے تھے اور انہی جملہ اصناف کی تعلیم آپؐ دیا کرتے تھے۔

آپؐ کی تعلیم دیگر پیشوایانِ مذہب کی طرح صرف اجمالی مذہبی

تعلیم نہ تھی بلکہ اس سے نظر میں وسعت اور تخیل میں بلندی پیدا ہوتی تھی۔ ذرا دیگر مذاہب کی عبادات کا انداز ملاحظہ فرمائیے :

۱۔ عیسائیوں میں تو محض اقرارِ معاصی اور پادری کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر توبہ کر لینا ہی نجاتِ اُخروی کے لیے کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔

۲۔ اہلِ ہنود میں صرف چند بھجنوں کو گا کر پڑھ لینا، منتروں کا رٹ لینا یا دیوتا دیوی کے درشن کر لینا ہی پوری کی پوری عبادت کے مترادف تھا۔

۳۔ یہودی مذہب میں چند آیات کا رٹ لینا اور چند روزے رکھ لینا کافی تھا۔

۴۔ مجوسیوں میں آگ کا پوجا لینا ہی کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔

۵۔ صابئیوں کے مذہب میں ستاروں کے آگے سر جھکا دینا ہی عبادت تھا۔

اور یہ سب کچھ بھی سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والے علم کی حیثیت رکھتا تھا اور اُس وقت بائیبل، اناجیل اور ویدوں کی روزمرہ تلاوت بھی ضروری نہ تھی۔

قرآن پاک کے علمی مظاہر

مگر اسلام نے تو عبادت کا طریقہ ہی ایسا شاندار اور جامع و اکمل مقرر کیا جس کے لیے لکھنے پڑھنے کی تعلیم کو لازمی قرار دیا۔ پانچوں

Marfat.com

وقت کی نماز فرض، سال میں متواتر تیس دن کے روزے فرض، توفیق رکھنے والے افراد کے لیے عمر بھر میں کم از کم ایک بار حج فرض، اور سال میں ایک بار زکوٰۃ فرض کی گئی۔

چوں کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو مذہب پیش کیا وُہ تمام دوائرِ حیات پر محیط تھا۔ ہر شعبۂ زندگی کے متعلق ہدایات دی گئی تھیں اس لیے یہاں محض چند آیات کو رَٹ لینے یا صرف سر کو جُھکا دینے سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ اِس کے لیے باضابطہ تعلیم اور درس و ارشاد کی ضرورت تھی۔

قرآنِ پاک میں محض اوامر و نواہی بتلا کر خاموشی نہیں اختیار کر لی گئی تھی بلکہ یہاں تو ہر حکم اور ہر نہی کی عِلّت بھی بتائی جاتی تھی کہ یہ کرو گے تو یہ نتیجہ پیدا ہوگا۔ یہ کرو گے تو یہ مُصیبت آئے گی۔ نماز و روزہ میں فلاں فلاں شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان کا کام علم کے بغیر چل ہی نہ سکتا تھا۔ اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مختلف مواقع کے لیے مختلف احکام تھے۔ مختلف افراد کے ساتھ مختلف سلوک کا حکم ہے۔ دُشمن حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اُس نے حملہ کر دیا ہے۔ وُہ سازشوں میں مصرُوف ہے۔ وُہ لڑ رہا ہے۔ وُہ امان چاہتا ہے۔ وُہ مصالحت کا آرزو مند ہے۔ پھر وُہ غیر مُسلم ہے یا مُسلم ذمّی ہے یا غیر ذمّی۔ وہ بالارادہ آیا ہے، یا بے ارادہ غرض یہ کہ ہر موقع کے لیے الگ الگ حکم دیا گیا ہے۔

پھر صاف امر ہے کہ اگر کوئی لین دین کا معاملہ ہے تو لکھ لو۔ شہادت کر لو۔ اگر لکھنا نہ آتا ہو تو کسی سے لکھوا لو مگر لکھو ضرور۔

دشمنوں سے کیا سلوک کیا جائے ؟

دوستوں سے کس طرح ملا جائے ؟

والدین و اقربا سے احسان و سلوک کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جائے ؟

کتنے مال اور کس مال میں کتنی اور کیا کیا زکوٰۃ دی جائے ؟

ترکہ کس طرح تقسیم ہو ؟

ترکہ میں بیوی کا کتنا حصہ ہے ؟

ترکہ میں ماں باپ کا کتنا حصہ ہے ؟

ترکہ میں اولاد کا کتنا حصہ ہے ؟

کئی بیویاں ہوں تو ترکہ میں سے ہر ایک کو کتنا حصہ ملے گا ؟

غرض یہ کہ ایک نہیں دو نہیں سو نہیں بلکہ صد ہزار مسائل ہیں۔ ہزاروں باتیں ہیں جن سے انسان بلا پڑھے لکھے یا تعلیم حاصل کیے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

قرآنی علوم پھر قرآن پاک میں "سیرُوا فی الارض" کا بھی حکم ہے۔ تجارت کرنے کا حکم ہے۔ آسمانوں، سمندروں، پہاڑوں، فضاؤں، درختوں اور سیاروں وغیرہ کی خلقت اور سود مندی پر غور کرنے کا حکم ہے۔ گردشِ ارض،

Marfat.com

حقیقتِ ارض، ضیائے خورشید، نورِ قمر اور لمعاتی برق وغیرہ پر نظرِ تحقیق ڈالنے کا حکم ہے۔ آیاتِ قرآنیہ میں تدبّر کی تاکید ہے۔ اپنے نفس کو سمجھنے کی اہمیّت پر زور دیا گیا ہے۔ قوانین سیاسی، ملکی اور تمدّنی پیش کیے گئے ہیں۔ تولنے ناپنے اور خرید و فروخت کرنے کے ڈھنگ بتائے گئے ہیں تو کیوں کر مسلمان کا کام علم کے بغیر چل سکتا ہے؟

مان لیا کہ عرب لوگ زبانِ عربی سے واقف تھے مگر اسلام صرف عربوں ہی کے لیے تو نہ تھا۔ یہ تو تمام دنیا کے لیے تھا۔ انھیں تو اس زبان کے اسرار و نکات جاننے کے لیے مختلف علوم کے سیکھنے کی ضرورت تھی اور اسی ضرورت نے تفسیر، بیان، معانی، صرف و نحو، فصاحت و بلاغت، فقہ، تصوف اور حدیث جیسے اہم علوم کی بنیادیں استوار کرائیں۔ یہ تمام علوم قرآنِ پاک ہی سے نکلے ہیں جسے حضور معلّم الکتاب والحکمۃ نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔

قرآنی جامعیّت

اس جامعیت و اکملیّت کے متعلق آپ ہماری ہرگز نہ سنیے فضلائے مغرب ہی کے خیالات و بیانات پر غور کیجیے:

پروفیسر مارگولیتھ ایک اسلام دوست نہیں بلکہ اسلام دشمن مغربی فاضل لکھتا ہے کہ:

• قرآن ہی نے فلسفہ، ہیئت، ہندسہ اور دیگر علوم و فنون

Marfat.com

کے حاصل کرنے کا ذوق و شوق کنایتاً عربوں اور اُن

کے دوستوں میں پیدا کیا۔ اسی لیے عرب کے

مختلف صحرائی قبیلوں کو ایک مشاہیر کی قوم میں تبدیل

کر دیا۔"

ایک اور فاضل لڈولف کریحل رقم طراز ہے کہ :

" قرآن میں عقائد و اخلاق اور ان کی بنا پر قانون کا

مکمل مجموعہ موجود ہے۔ اس میں ایک وسیع جمہوری سلطنت

کے ہر شعبہ کی بنیادیں بھی رکھ دی گئی ہیں۔ عدالت،

تعلیم، خرابیِ انتظامات مالیات اور نہایت محتاط قانون

وغیرہ کی بنیادیں خدائے واحد کے یقین پر رکھ دی

گئی ہیں۔"

فاضل عیسائی ڈیوڈ آفندی نے تو صاف صاف لکھا ہے کہ

" جب کوئی مسلمان یکسوئی کے ساتھ قرآن و حدیث کا

مطالعہ کرے یا اس پر تدبر کی نظر ڈالے تو وہ ان

دونوں میں دنیا و دین کی بہبود کے سامان اپنے لیے

مہیا پائے گا۔"

ظاہر ہے کہ یہ مطالعہ علم کے بغیر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی

جاہل تدبّر و غور کی نظر کا اہل ہو سکتا ہے اور نہ ہی ایک اُمّی سے یہ

توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ایک ایسی چیز دنیا کے سامنے پیش کر سکے،

جس میں جمہوری حکومت کے ہر شعبہ کی بنیادیں ہوں اور جو قانون، مالیات، عدالت، تعلیم، حربی انتظامات پر مبنی ہو۔ اگر قرآن ایسا ہی ہے اور یقیناً ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کا پیش کرنے والا اس کا مفسر اور اس کا حامل اُمّی اور بے پڑھا نہ تھا بلکہ زمانہ کا ایک فقید المثال فاضل تھا۔

توسیع ونشرِ تعلیم کے انتظامات

عرب میں تو اس وقت صرف سترہ افراد پڑھے لکھے تھے ان میں ذوقِ علم پیدا کرنے کے لیے آپؐ نے یہی نہیں کیا کہ یہ فرما دیا کہ تحصیل علوم وفنون فرض ہے بلکہ آپؐ نے بڑی شدّت وشکوہ کے ساتھ فرمایا کہ علم کے سیکھنے کے لیے کسی وقت وعمر کا خیال نہ کرنا چاہیے۔ اس فرض کی تکمیل کے لیے کسی وقت کسی زمانہ اور کسی سن کی قید نہیں، کسی ملک کی تخصیص نہیں۔ جہاں سے اسے حاصل کر سکتے ہو کرو۔ حتیٰ کہ اگر چین جیسے دُور دراز ملک کا بھی سفر کرنا پڑے تو کرو۔ گہوارے سے گور تک تحصیلِ علوم میں مصروف رہو۔ علم وحکمت کو تو اپنی کھوئی ہوئی متاع سمجھو، جہاں سے ملے جس سے بھی ملے لے لو!

اس طرح ایک طرف تو یہ ظاہر کر دیا کہ تحصیلِ علم کے لیے کچھ طفولیت وشباب کی تخصیص نہیں۔ نہ یہ ضرورت ہے کہ اسلامی ممالک ہی تک اسے محدود رکھا جائے اور مسلمانوں ہی سے سیکھا جائے

Marfat.com

دوسری طرف تمام ملکی ونسلی تعصبات کا خاتمہ یہ فرما کر کر دیا کہ :

"علم وحکمت تو تمہاری گم شدہ پونجی ہے جہاں سے مل جائے حاصل کر لو۔" اور یونانیوں، ہندوستانیوں اور مصریوں سب سے حکمت لو!

اسی بنا پر مسلمانوں نے یونانی فلسفہ وطب اور ہندی ریاضی اور مصری وکلدانی ہیئت اور نجوم کا علم حاصل کیا اور آگے چل کر سرآمدِ روزگار بنے۔

کون سا مذہبی پیشوا ایسا گزرا ہے جس نے علوم کے سیکھنے اور سکھانے میں اتنی وسعتِ نظر اور فراخ دلی و بے تعصبی سے کام لیا ہو۔ عیسائیوں نے سیکھنے والوں کو براہِ راست جہنم کا ٹکٹ دے دیا تھا۔ یہاں تو مقصود ہی یہ تھا کہ علم کو وسعت ہو کوئی اقتدارِ ذاتی کا قیام تو منظور ہی نہ تھا۔

پھر فرمایا کہ :

"تحصیلِ علم بڑے ثواب کا کام ہے جب کوئی طالبِ علم حصولِ علم کی غرض سے باہر نکلتا ہے تو فرشتے راستے میں اس کے لیے اپنے بازو یعنی پَر بچھا دیتے ہیں۔ عالم کے قلم کی سیاہی شہید کے خون کے قطرات کے مساوی ہے۔ عالم مرتا نہیں زندہ رہتا ہے۔ اس سے کیا مقصد تھا کہ لوگ پڑھیں اور نظر وسیع کریں!

نفسیات کے مطالعہ سے انسانی جذبات و حسیات سے واقف ہوں۔ فلکیات و ہیئت کے مطالعہ اور طبقات الارض کی تحقیقات سے اللہ کی حکمتوں کو سمجھیں اور حقائقِ اشیا اور آثارِ قدیمہ کے مطالعہ سے عقل و عبرت حاصل کریں اور اپنے قوائے عقل کو نشو و نما دیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو دُنیا پیدا ہی اس لیے کی تھی کہ اسے سمجھا اور جانا جائے۔ جب تک اس کی حکمتوں پر غور نہ کیا جائے انسان کو اس کی عظمت و برتری کا احساس ہی کیا ہو سکتا ہے اور جاہل و بے وقوف اسے اچھی طرح کب سمجھ سکتے ہیں؟ اس فہم اور سمجھ کی انتہا علمِ تصوّف و رُوحانیت ہے جو علومِ ظواہر کی تکمیل کے بعد ہی سیکھا جاتا ہے۔"

مطالبِ قرآنی کی حقائق آموزی

غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالےٰ نے

"سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ جَمِيْعًا"

اور "سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ"۔

اس لیے تو نہیں فرمایا تھا کہ اِن آیات کو ہم روزانہ ثواب کے لیے دُہرا لیا کریں۔ قرآن پاک محض پڑھنے کے لیے نہیں عمل بھی کرنے کے لیے

Marfat.com

نازل ہُوا تھا۔

مسلمان پانچوں وقت کی نمازوں میں تقریباً چالیس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھتے ہیں۔ مگر کیا وہ سمجھتے ہیں اور ابتداً میں سمجھ سکتے تھے کہ "عالمین" سے مُراد کیا ہے؛ "رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ" اور "مَشْرِقَیْنِ وَالْمَغْرِبَیْنِ" سے اللہ تعالےٰ کا کیا مطلب ہے؟ اور کیا اس کے سمجھنے کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی کہ انسان کی نظر بہت وسیع ہو۔ اس وقت تک سب کے سامنے ایک مشرق اور ایک ہی مغرب تھا۔ "دو عالم" دنیا اور آخرت تھے مگر پھر یہ تثنیہ اور جمع کے صیغے کیوں استعمال ہوئے ہیں۔ کیا ایک مشرق نہیں' دو دو بلکہ اس سے بھی زیادہ مشرق اور مغرب ہیں؟ اور دو عالم نہیں بلکہ بہت سے عالم ہیں جنھیں وہ پال رہا ہے پرورش کر رہا ہے، رزق دے رہا ہے۔

ایک ایک آیت غور و تدبّر، عقل و فرزانگی اور تحقیق و علم کی داعی تھی تاکہ بندہ اپنے ربّ کی عظمت کو سمجھے۔ اس نے عالمین اور مشرقین و مغربین وغیرہ کے الفاظ قرآن پاک میں نازل فرما کر انسان اور بندے کو دعوتِ غور و علم و فکر دی تھی۔

پھر نظامِ شمسی کی تکوین کے ذکر کے سلسلہ میں آیت ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ..... الخ میں عجیب چیز پیش کی تھی۔ فرمایا تھا:

"پھر بلندی کی طرف متوجہ ہُوا اور وہ بلندی بخارات د

دُخان تھے پھر اُس نے "دُخان اور زمین" کو حکم دیا کہ موجود ہو جاؤ ! دونوں نے کہا : ہم بہ خوشی حاضر ہیں پھر ان سب کو سات بلندیوں پہ دو دن میں بنا دیا اور ہر بلندی کا کام اس کے سپرد کر دیا اور زمین پر جو آسمان تھا اسے چراغوں اور قمقموں سے نہ صرف روشن و مزین کیا بلکہ ان کی حفاظت کا سامان بھی کر دیا تاکہ وہ برابر روشن رہیں۔"

یہ ہے عزت اور علم والے اللہ کی قدرت۔

کہیے ! اس سے آپ کیا سمجھے ؟ اور اُس وقت کے عرب لوگ جو اَن پڑھ تھے کیا سمجھ سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس لیے نازل نہیں کی تھی کہ آپ اسے روزانہ بعد از نماز صبح بے سمجھے بُوجھے ثواب کے لیے پڑھ لیا کریں۔

آخر ثواب ہے کیا ؟

یہ ایک انعام ہے !

اور انعام بلا کچھ کیے تو ملا ہی نہیں کرتا۔ اگر کوئی نہ سمجھتا اور نہ سمجھانا مقصود ہوتا تو پھر اللہ تعالےٰ کا اس آیت کو نازل کرنا ہی عبث تھا۔

قرآنی دعوتِ فکر و نظر

لیکن نہیں !

اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو

Marfat.com

دعوت فکر و نظر دی تھی۔ ان کے سمجھنے اور اپنی عظمت و علو ان پر واضح کرنے کے لیے ان کے سامنے ایک فلسفہ پیش کیا تھا۔

"دخان" تک کا زمانہ وہ زمانہ ہے جب تک ہماری اس چوڑی چکلی اور پھیلی ہوئی زمین کا کوئی وجود کہیں نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کو تخلیق عالم مقصود ہوئی تو یہی زمین ان بخارات (دخان) کے ایک ٹکڑے سے پیدا اور نمودار ہو گئی۔ باقی جتنے بخارات (دخان) رہ گئے وہ زہرہ آفتاب، مریخ، عطارد، زحل، مشتری اور نیپچون کی صورت میں اپنے اپنے مواقع پر سات بلندیوں میں منتقل ہو گئے۔

اب ایک معمہ رہ گیا۔

وہ لفظ یومین ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"ہم نے یہ سب کچھ "دو دن" میں کر دیا۔"

یہ دو دن اس نظام شمسی کے دو دن نہیں بلکہ اس کی تکوین و تخلیق سے پہلے کے دو دن ہیں اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دو دن ہمارے موجودہ دنوں سے بڑے تھے یا چھوٹے۔ بہرکیف سیاق عبارت سے یہ صاف واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بہت عجلت کے ساتھ بنا دیا۔

یہاں یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ فلسفہ اور سائنس کے نظریوں میں ابتدا سے برابر تغیر ہوتا رہا ہے۔ کبھی بطلیموس کا نظریہ

Marfat.com

رائج رہا۔ کبھی آسمانوں کو ایک وجودِ خارجی اور حدِ نظر مانا گیا، اور ستاروں کو آسمان میں نصب تسلیم کیا گیا۔ کبھی گردشِ فلک ایک مسلّمہ چیز تھی اور کبھی زمین کی گردش لوگوں کا اعتقاد رہا۔ جدید تحقیقات جو جدید آلات کی مدد سے کی جا رہی ہیں۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ ہم صرف ایک ہی نظامِ شمسی کے ماتحت نہیں ہیں بلکہ بے شمار نظامِ شمسی ہیں جو اس فضائے بسیط میں گھوم رہے ہیں۔ پھر ایک اور انکشاف سامنے آیا ہے کہ اجرامِ سماوی مدت ہائے دراز تک گھومتے گھومتے بخارات کی صورت میں پھیل جاتے ہیں اور پھر ایک مدّت کے بعد ٹھوس ہو کر اجرام میں شامل ہو جاتے ہیں اور یہی حالت ہماری زمین کی بھی ہو گی اسے عرفِ عام میں "بنولا کا نظریہ" کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اڑنے والے بخارات کو "بنولا" ہی کہا جاتا ہے۔

انکشافِ علوم کا دورِ اوّلین

مصیبت یہ ہے کہ اب نظامِ شمسی کی تعداد کا معیّن کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ یہ نظریہ بھی بڑی طاقت ور مشینوں اور آلات کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ ہر کیف "بنولا کا نظریہ" جس حقیقت کے قریب قریب پہنچ رہا ہے اس عالمین اور دخان اور مصابیح سے کسی حد تک مطابقت ہو رہی ہے اسے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ قرآنِ پاک میں ایسے صدہا اسرارِ علمی دقائق و نکات موجود ہیں جن سے اندازہ

Marfat.com

کیا جا سکتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دُنیا کے سامنے کیا چیز پیش کی اور تعلیم اسلامی کی بلندی کیا ہے ؟

آپ چاہتے تھے کہ علم کو وسعت اور عالم گیر وسعت نصیب ہو۔ اسی لیے آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ :

"یاد رکھو ! علم کی باتوں کو سُننا اور انھیں دوسروں کے ذہن نشین کرنا جہاد کے ثواب کے مترادف ہے۔"

حقیقت یہ ہے اور تاریخ اِس امر پر شاہد ہے کہ علمی ترقیات اور اکتشافاتِ علوم و فنون کا دَور رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے شروع ہوا۔ سب سے پہلے آپ ہی نے دُنیا کو بتایا کہ موجوداتِ عالم سب انسان کی مسخر ہیں۔ علم کو عالم گیر اہمیت آپ ہی نے دی اور آپ ہی نے سب کے لیے اس کے دروازے کھولے۔

"تاریخ اخلاقِ یورپ"،
"معرکۂ مذہب و سائنس"،

اور !

"تاریخ عروج و زوالِ رُوما"

اگر آپ غور سے پڑھیں گے تو آپ پر ہمارے اس بیان کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

ترقیِ تعلیم کا آغاز

تعلیم تو بعثتِ نبوت کے بعد ہی سے شروع ہو گئی تھی مگر مکہ کی تعلیم

سیلاب بلا کی ستم انگیزیوں کے باعث زیادہ تر صرف عقائد اور ثواب و عذاب کے متعلق تھی اور چند پھیلی ہوئی بداخلاقیوں سے روکا جاتا تھا۔

جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو اُس وقت مسلمانوں کی حالت اس قدر سقیم تھی اور وسائل اتنے ناپید تھے کہ سال بھر تک تو کچھ بھی نہ ہو سکا البتہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر زبانی درس و ارشاد کا سلسلہ پوری آزادی اور پورے شکوہ کے ساتھ شروع کر دیا گیا۔ مدینہ کی زندگی بھی فتح خیبر تک سخت تشویشناک رہی۔ ذمہ داریوں میں حددرجہ اضافہ ہو گیا۔ یہاں مالیات، اقتصادیات، حربیات، تجارت، معاہدات، اشاعت اسلام، تقرر عمال، وصولی زکوٰۃ، قیام امن، بندوبست مخارج، عدالت، درس و ارشادات وغیرہ کے صدگونہ مشاغل پیدا ہو گئے جن پر سے آنکھ اٹھانے کی بھی فرصت نہ تھی۔ ہر صیغہ مستقل توجہ اور پورے وقت کا داعی تھا اور کوئی ہوتا تو ملکی انتظامات کی عدیم الفرصتی ہی میں غرق ہو کر رہ جاتا۔

لیکن!

آپؐ نے دشمنوں اور ان کی سازشوں کے ہجوم میں بھی تعلیم کی اہمیت کو پیش نظر رکھا اور اسیران بدر میں سے تعلیم یافتہ قیدیوں کا فدیہ ہی یہ مقرر کیا کہ ایک ایک قیدی دس دس مسلمانوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھا دے اور آزاد ہو جائے۔

Marfat.com

جن مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا آ گیا انھیں اپنے اَن پڑھ مسلمان بھائیوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے پر متعین کر دیا گیا۔

اب آپ نے حکم دیا کہ قرآن پاک جو جتنا پڑھے اس پر عمل کرنا بھی شروع کر دے۔

تعلیم کا جائزہ

اگر تعلیم کا مقصد ذمائم اخلاق سے انسان کو پاک کر کے اخلاق و انسانیت کے بلند مرتبہ پر پہنچانا اور اسے جملہ محاسنِ انسانی سے متصف کر دینا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ مدینہ میں جو تعلیم شروع و جاری ہوئی ایسی تعلیم نہ دنیا اب تک جاری کر سکی اور نہ کر سکتی ہے۔ نورِ علم سے گھر گھر روشن ہو گیا۔ ہر شخص تعلیم کو روزہ اور نماز کی طرح فرض سمجھنے اور ایک دوسرے کو سکھانے لگا اور اس میں وہ عملی قوتیں پیدا ہو گئیں کہ ہر دائرۂ حیات میں کامیابی کے ساتھ گردش کرنے کے قابل ہو گئے۔)

قبائل کی تعلیم کا بندوبست

اس کے بعد آپ نے عرب کے قبائل کی تعلیم کا بندوبست کیا تمام قبائل کے لیے معلم مقرر کیے اور جہاں ایسا تقرر عمل میں لانا ممکن نہ تھا وہاں اسی قبیلہ کے ذہین و ذکی سردار کو تربیت دے کر بھیج دیا اور حکم دیا کہ وہ اپنے قبیلہ کو مسائل و قرآن کی تعلیم دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ

"داعیانِ اسلام کو ہدایت تھی کہ وہ قبائل کو مدینہ کی

طرف روانہ کریں۔ چناں چہ قبائل کے وفد مدینہ آتے قیام کرتے۔ مذہبی مسائل سیکھتے۔ دین میں تفقہ پیدا کرتے اور یہاں سے واپس جاکر اپنے قبائل کو پڑھاتے بہت سے قبائل نے تو مدینہ ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اسّی افراد کو ہمراہ لے کر مدینہ آئے اور یہیں بس گئے تھے۔ خود رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی تعلیم وارشاد کے دن مقرر کر لیے تھے۔ باہر کے قبائل ماہ دو ماہ تک آکر رہتے، مسائل سیکھتے اور پھر واپس چلے جاتے۔ چنانچہ مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ جب واپس جانے لگے تو آپ نے فرمایا: "جاؤ! اور اپنے قبیلہ کو شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو اور دوسروں کو پڑھاؤ!"

دنیا کی بہترین و اوّلین یونیورسٹی

اس طرح ایک مختصر وقفہ مدت میں تمام قبائل کے اندر تعلیم پھیل گئی۔ تعلیم کے مستقل انتظام کے لیے آپ نے مدینہ ہی میں ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم کی۔ چوں کہ اس وقت اسلام کی ہر چیز سادگیِ عمل کا ایک مرقع تھی اس لیے یہ یونیورسٹی بھی اپنی نوعیت میں بے حد سادہ تھی۔ مسجدِ نبوی ہی کے ایک گوشہ میں ایک وسیع چبوترہ

Marfat.com

تھا جس پر کھجور کے پتوں کا چھپر پڑا ہوا تھا تو بس یہی اس یونیورسٹی کا کالج تھا اور یہی بورڈنگ ہاؤس!

یہیں تعلیم ہوتی اور یہیں تمام طلبأ رہتے اور کھاتے پیتے۔ رات کے وقت تعلیم ہوتی تھی۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذاتِ خود اس کالج کے پرنسپل اور حضرت عبادہ بن صامتؓ اور چند دیگر صحابہ کرامؓ اس کے پروفیسر تھے۔ طلبأ کی تعداد معمولی تعداد نہ تھی بلکہ اس میں کم و بیش چار سو طلبأ برابر حاضر رہتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔ داخلہ کی ایک لازمی شرط یہ تھی کہ اس میں وہی طالبِ علم داخل ہو سکتا ہے جو علائقِ دُنیوی سے آزاد ہو اور دن رات وہیں رہے جس طالب علم کی شادی ہو جاتی تھی اُسے اس یونیورسٹی سے خارج کر دیا جاتا تھا اور اس یونیورسٹی کے طلبأ قرّاء کہلاتے تھے۔

جب جامع صفّہ میں گنجائش نہ رہتی تھی تو کچھ طلبأ کی تعلیم کا بندوبست دوسری جگہ بھی کر دیا جاتا تھا۔

چناں چہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

"اصحابِ صفّہ میں ستّر طالب علم ایسے تھے جو رات کو ایک اور معلّم کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے جایا کرتے تھے۔" (مسند امام احمد بن حنبلؒ)

قرّاء کو قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی تھی مگر ایسی نہیں جیسی آج کل دی جاتی ہے کہ ناظرہ پڑھ لیا اور بس! بلکہ انھیں قرآن پاک کی علمی

Marfat.com

تعلیم دی جاتی تھی۔ اسرار و معانی، شانِ نزول، فصاحت و بلاغت اور تدبّر و غور سب کچھ سکھایا جاتا تھا اور انھیں علومِ قرآنی میں کامل کر دیا جاتا تھا۔

نصابِ تعلیم ہو قرآن،

اور پھر!

پرنسپل ہوں رسولِ کریم علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم سرکارِ دو جہاں،

تب حقائق و معارف اور نکات و اسرار کے کیسے کیسے بحرِ ذخّار نہ امنڈتے ہوں گے اور امنڈتے تھے۔

طلبائے جامعہ صفّہ کا عنوانِ حیات

جامعہ صفّہ میں غریب اور نادار طلبا کی کثرت کیا تھی سب کے سب قریب قریب نادار ہی تھے۔ اتنے نادار جنھیں دو دو دن مسلسل فاقے ہوتے تھے اور بعض اوقات تو نماز میں شدتِ جوع سے نڈھال ہو کر گر پڑتے اور بے ہوش ہو جاتے۔ دُنیا میں کون ایسے فلک زدوں اور غربت کے ماروں کا خیال کرتا ہے لیکن حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی تو مطلعِ انوار تھی۔ آپؐ تو غریبوں کے مولیٰ تھے۔ بعض کی تو یہ حالت تھی کہ ان کے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جسے یہ اپنے گلے سے باندھ کر گھٹنوں تک چھوڑ دیتے تھے۔ نہ کھانے کو ٹکڑا تھا اور نہ پہننے کو چیتھڑا، عربِ جاہلیّت کے زمانہ میں تو فاقوں اور مصیبت کی ٹھوکروں کے

ہوا کچھ بھی اُنھیں نصیب نہ ہوتا تھا اور اگر اس زمانہ میں ہوتے تو یہ بے تکلفی کے ساتھ بھیک مانگتے اور یا پھر اُن سے جبراً بھیک منگوائی جاتی۔

لیکن مُعلّم کا اثر چوں کہ ایک فطری امر ہے۔

مُعلّم۔ اور پھر۔ معلّم بھی رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم جیسا۔ یہی وجہ تھی کہ اس جامعہ کے طلبا ہی میں نہیں بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کے اندر وُہ فقید المثال غیرت اور خودداری کے جذبات پیدا ہو گئے تھے کہ کتنی ہی ناگفتہ بہ حالت ہو جائے، کتنے ہی سیلاب سر سے کیوں نہ گزر جائیں مگر کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنا تو کجا کسی سے اپنی داستانِ مصیبت تک نہ کہیں، اس لیے کہ وُہ پیکرِ تسلیم و رضا بن چکے تھے۔

جامعہ صُفّہ کے طلبا کو جب تعلیم سے فرصت ملتی تو یہ جنگل میں چلے جاتے، لکڑیاں اکٹھی کر کے لاتے، انھیں بازار میں فروخت کرتے اور جو قیمت وصول ہوتی اُس رقم میں سے نصف تو اُسی وقت خیرات کر دیتے اور باقی نصف رقم سے نہایت تنگی کے ساتھ اپنا خرچ چلاتے۔

یہ تھی اسلامی تعلیم!

اور یہ تھا حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی تربیت کا اثر کہ اس قدر مصیبت کے باوجود نہ نماز میں غفلت کرتے اور

نہ تعلیم سے بے پرواہی کے مرتکب ہوتے۔ کئی روز کے بعد اگر کبھی کچھ مل بھی جاتا تو نصف فوراً اللہ کی راہ میں دے ڈالتے۔ فی زمانہ تو لوگ ذرا سی مصیبت پر مایوس اور نا اُمید ہو جاتے اور تقدیر کا شکوہ کرنے لگتے ہیں۔ کاتب تقدیر کو کوسنے لگتے ہیں۔ ان کی ہمت پست ہو جاتی ہے۔ علم و عمل کو چھوڑ چھاڑ کر اور ترقی کی سعی و اُمید ترک کر کے عیش آخرت کے حسین خواب دیکھنا شروع کر دیتے ہیں لیکن وہ اصحابؓ تو تعلیم اسلام کے زندہ پیکر تھے۔

قرّا جامعہ کی عُسرت و سرگرمی

آقائے دو جہاں سرور کائنات صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سب سے زیادہ انہی بے کسوں کا خیال رکھتے۔ آپؐ کی شفقت ان طلباء کے لیے سب سے بڑا سہارا تھی۔ کبھی آپؐ یوں کرتے کہ ان طلباء کو انصار و مہاجرین میں تقسیم فرما دیتے تاکہ یہ پیٹ بھر کر ایک دو وقت کا کھانا تو کھا سکیں۔ جہاں کہیں آپؐ کی دعوت ہوتی تو انھیں ضرور ساتھ لے جاتے کہیں سے صدقہ کا کچھ آتا تو سب کا سب مال اُٹھا کر انھیں بھجوا دیتے۔ آپؐ نے ان کے آرام کے مقابلے میں اپنی لاڈلی اور چہیتی بیٹی تک کی درخواست مسترد فرما دی تھی اور صاف صاف ارشاد فرما دیا تھا کہ:

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا بیٹی! کہ تمھیں تو دے دوں، اور میرے صفّہ والے بھوکوں مریں۔"

Marfat.com

آپ مسلمانوں کو بھی ان طلبا کی طرف برابر متوجہ کرتے رہتے تھے۔ یہاں ذرا اس انتظام پر غور کیجیے! کہ کس طرح یہ یک کرشمہ دوکار والا مضمون ہو رہا ہے۔ غریب و نادار صحابیوں کی پرورش بھی ہو رہی ہے۔ تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔ رہنے سہنے کا بھی بندوبست ہے۔ دُنیا کو یہ دکھانا اور واضح کرنا بھی مقصود ہے کہ غریبوں، یتیموں اور مسکینوں کی پرداخت و پرورش کا انتظام ملّت کی طرف سے ہو تو وُہ اِس کے لیے کتنے مفید و عزیز ہو سکتے ہیں پھر جب کہ اکثر صحابہ زراعت و تجارت میں مصروف ہو گئے تھے تو یہ غریب جو انہی کی طرح اللہ کے بندے تھے اور برسوں کی غلامی، تہی دستی اور مصیبت نے جن کی تمام عملی قوتیں سلب کر لی تھیں، کیا کرتے!

آپ نے انھیں تعلیم و عبادت کے لیے وقف کر دیا اور ان کو اِس حد تک کامل و اکمل کر دیا کہ آگے چل کر انھوں نے آفاق کی اور جو لوگ ان کی غربت کا استہزا کیا کرتے تھے وُہ اِن کی ترقی اور کمالات دیکھ کر انگشت بہ دنداں رہ گئے۔

اور پھر!

یہ بھی بتانا اور ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اسلامی تعلیم و تربیت گرے پڑے حقیر، ذلیل اور غلام و غریب مسلمان کو بھی فرشِ ذلّت سے اُٹھا کر عرشِ عزّت پر پہنچا سکتی ہے نیز یہ کہ صفہ والوں کی ترقیاں دُنیا والوں کے لیے ایک نمونۂ عمل بن گئیں!

Marfat.com

قرائے صفّہ کی فاضلانہ تعلیم

صفّہ کے قرّا کتنے ہی نادار مفلس لاچار اور بے کس ہوں مگر بہ ہر صورت اسلامی یونیورسٹی کے طالب علم تھے۔ اُنھوں نے رسُول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے تعلیم پائی تھی اور تعلیم بھی فاضلانہ اور حکیمانہ تفاسیر و نکاتِ قرآنی پر انھیں کامل عبور حاصل ہوگیا تھا۔ یہ جتنی غریبی اور جس قدر مشکلات تھیں وہ بھی چند ہی سال میں آٹے میں نمک کے برابر رہ گئیں۔ اِس مدّت میں اُنھوں نے کمال پیدا کر لیا تھا۔ چناں چہ اب حضُور نبی اکرم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم نے انہی طلباء کو قبائل کی تعلیم پر مامور کرنا شروع کر دیا۔ محصّلینِ زکوٰۃ بھی انہی طلباء میں سے مقرر کیے جانے لگے۔ اب خراج کے وصُول کرنے کے لیے بھی انھیں ہی متعیّن کیا جاتا تھا اور جہاں کہیں عمّال کے تقرّر کی ضرورت محسوس ہُوئی وہاں بھی انہی طلبائے صفّہ میں سے عامل بنا کر بھیجے گئے۔

فارغ التحصیل ہونے پر جو دیکھا گیا تو جامعہ صفّہ کا ہر طالب علم اپنے وقت کا بہترین منتظم نکلا اور انھوں نے اسلام کی مہتم بالشّان خدمات انجام دیں کہ دُنیا انگشت بہ دنداں رہ گئی اور یہ دُنیا اب تک حیران و ششدر ہے۔

چار پیسہ کا لکڑہارا چار لاکھ کا مالک بن گیا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی یونیورسٹی

Marfat.com

کے ایک غریب و بے کس طالب علم تھے۔ اتنے غریب کہ فاقوں پر فاقے ہوتے تھے اور دیگر فقراء کے ساتھ مل کر آپ بھی جنگل میں چلے جاتے اور لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آتے، بازار میں فروخت کر کے اپنے ایک دو وقت کے کھانے کا بندوبست کر لیا کرتے تھے۔ اس طرح نہ روٹی تھی نہ کپڑا!

اب تعلیم اسلام اور معلّم الکتاب والحکمۃ کی تربیّت کا کمال دیکھیے کہ فارغ التحصیل ہو کر میدانِ عمل میں جو نکلے ہیں تو زمانہ بھر کو متحیّر کر دیا۔ میدانِ جہاد میں اُترے تو غزوۂ خیبر جیسی خونّ بار جنگ میں ایسی جرأت و ہمّت سے لڑے کہ ہر دیکھنے والی آنکھ متعجّب تھی۔ میدانِ تعلیم میں قدم رکھا تو ایسے ایسے قرآنی نکات و اسرار بیان کرنے لگے کہ ہر طرف سے تحسین و آفریں کے پھوّل برسنے لگے۔ محدّث بن کر سامنے آئے تو اکھٹی آٹھ سو احادیث بیان کر دیں۔

واعظ و خطیب ایسے کہ مجمع پر ایک عجیب و غریب بے خودی کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بحرین کے گورنر مقرّر ہو جاتے ہیں تو اس خوبی کے ساتھ انتظام کرتے ہیں اور اس لیاقت و اہلیت سے حکمرانی ہوتی ہے کہ بحرین والے خوش ہو جاتے ہیں تجارت کا شوق جب پیدا ہوتا ہے تو چار روپیہ سے شروع کر کے بحرین ہی سے چار لاکھ کما کر لے آتے ہیں اور پھر مدینہ کے

Marfat.com

دولت مند تاجر بن جاتے ہیں۔ ایک غریب و مفلوک الحال لکڑہارا تعلیم اسلامی کی بدولت کیا کیا بنتا ہے۔ کیا سے کیا ہوتا ہے۔ غور کیجیے اور مشاہدہ فرمائیے!

پٹنے والے غلام کے شجاعانہ کارنامے

حضرت عامر بن فہیرہؓ کیا تھے محض ایک غلام جن کی تمام علمی قوّتیں سلب ہو چکی تھیں۔ شب و روز مار پڑتی تھی حضرت ابو بکرؓ کو ان پر رحم آگیا۔ خرید کر آزاد کر دیا۔ بکریاں چرانے لگے اور پھر بکریاں چراتے چراتے ہی مدینہ پہنچ گئے۔ صُفّہ یونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔

اب قرآن کی تعلیم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم جیسا معلّم ملا تو قرآن، تفسیر، احادیث، بیان و معانی اور مسائل وغیرہ میں کامل ہو گئے تمام قوائے عقلی و دماغی بیدار ہو گئے۔ تمام محاسن و اوصاف کے جامع بن گئے۔ بدر و اُحد جیسی معرکہ آرا جنگوں میں پوری پوری دادِ شجاعت دی۔ ہر طرف اپنی عقل و قابلیّت کی دھاک بٹھا دی۔ بیر معونہ کے واقعہ میں جہاں ایک مختصر سی فوجی جمعیت کے ساتھ آپ گئے ہوئے تھے دھوکہ سے شہید کر دیے گئے۔

اگر عامر بن فہیرہؓ کچھ عرصہ اور زندہ رہتے تو یقیناً انھیں بہت زیادہ شہرت حاصل ہوتی تاہم آخر وقت میں آپ نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

موسیو گاسٹن کارنے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

Marfat.com

"اس عاقلانہ مذہب کے قانون (قرآن) میں وہ تمام
مصالح و مفاد موجود ہیں جن سے زمانۂ حال کا تمدن
بنا ہے۔ اس حیرت انگیز سائنٹی فک مذہب نے
دنیا کی عمرانی و اجتماعی ترقی کے لیے ہر قسم کے اساسی
ذرائع و وسائل یورپ کو بہم پہنچائے امن و امان
اسی کے دم سے قائم ہے۔"

جامعہ صُفّہ کے مُستجمع الصفّات پروفیسر' قرآنی علوم کے منتہی اور صفّہ

یونیورسٹی کے پروفیسر حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی پر غور کیجیے پہلے قرآن کریم کی کتابت اور اسے ایک جگہ جمع کرنے کا کام کیا۔ پھر پروفیسر مقرر ہوگئے۔ بدر و احد میں جرأت و جلادت کے ساتھ لڑے صدقات و زکوٰۃ کے عامل مقرر ہوئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حمص و فلسطین کے اندر آپ کو معلمِ قرآن مقرر کیا۔ اس کے بعد فقہ اسلام کے مُدوّن بنے پھر مُشیرِ قانون کے جلیل القدر عہدے پر سرفراز ہوئے۔

یہ سب عہدے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں مگر جس عہدے پر بھی فائز ہوئے حضرت عبادہؓ نے اپنی پوری قابلیت کا ثبوت دیا۔ اپنی اہلیت کا لوہا منوایا۔

Marfat.com

کیا یہ اسلامی تعلیم کا کمال نہیں ؟
صیغۂ تعلیم میں پروفیسر و مُعلّمی ،
مالیات میں کلکٹری ،
حربیات میں سپہ گری ،
اور !
قانون میں مُشیری !
غرض یہ کہ سب کچھ کیا۔ تعلیم، مال، فوج اور قانون جہاں بھی پہنچے اپنی قابلیّت کا سکّہ جما دیا۔
پھر اور دیکھیے :
حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا تھے ؟
لیکن دشمنوں کو بھی اُن کی صَولت و سطوت ، دماغی قابلیّت اور مُلکی انتظام و حکمرانی کی اہلیّت کا اعتراف ہے اور پھر اعتراف کیسا ۔ ساری دُنیا حیران ہے کہ :
عمرؓ کیسے لاثانی دل و دماغ کے حامل تھے اور حقیقت تو یہ ہے کہ دُنیا آج تک عمرؓ جیسا ہمہ صفت موصوف اولوالعزم عادل و مُنصف فرماں رَوا نہ پیدا کر سکی ہے اور نہ آئندہ غالباً پیدا ہی کر سکے گی۔
کیا آج دُنیا کی کسی بھی یونیورسٹی کا نام لے سکتے ہو ؟ جس کا ہر

Marfat.com

طالب علم مختلف شعبوں میں اپنی اہلیت کا پورا ثبوت پیش کر سکے۔
حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعد بن وقاصؓ، عمرو بن العاصؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، ابوعبیدہؓ، ابوایوب انصاریؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کسی دائرہ عمل میں بھی قابل نہ تھے۔ آخر یہ قابلیت ان میں کہاں سے پیدا ہوگئی۔ عرب تو صدیوں سے موجود چلے آرہے تھے مگر کس چیز نے نصف صدی گزرنے سے بھی بہت پہلے انھیں دنیا کے بہترین انسان بنا دیا۔

وہ تعلیم صرف قرآنی تعلیم تھی۔

قرآن تو آج بھی موجود ہے مگر معلم نہیں ہے۔ محفل آج بھی سجی ہوئی ہے مگر شمع محفل نہیں ہے۔ اسلام کے پروانے اور نام لیوا تو آج بھی موجود ہیں مگر ان کا رہبر نہیں ہے۔

کاش! مسلمان سمجھیں کہ جس مذہب سے وہ بے پروا ہی برت رہے ہیں آخر وہ ہے کیا چیز؟

جب ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی تو وہ خود بخود اس کے گرویدہ و شیدا ہو جائیں گے۔

مرکزِ نوادر
کتب خانہ شانِ اسلام
۱۰- راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

عاقلِ مقنّن

ساتویں صدی عیسوی کی بے آئینی

عرب میں بعثتِ نبوی کے وقت ساتویں صدی عیسوی میں کوئی قانون نہ تھا اگر تھا تو وہ "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" والا قانون تھا۔ اگر آپ طاقت ور ہیں تو کسی کے چار آدمیوں کو بھی قتل کر دیں تو پرواہ نہیں لیکن اگر دوسرے کے ہاتھ آپ کے آدمی کی نکسیر بھی پھوٹ جائے تو قیامت برپا کر دیں۔

چوری، ڈکیتی، جھوٹ، فریب، قتل، زنا، بلوہ، مار پیٹ، فساد، قمار بازی، قتلِ اولاد وغیرہ قبیح افعال عربوں کے نزدیک کوئی جرم نہ تھا بلکہ ان میں سے بعض کیا اکثر جرائم تو اکثر قبائل کے جزوِ طبعیت بن گئے تھے۔

نہ کوئی عدالت تھی نہ کوئی کچہری، نہ کوئی آئین تھا اور نہ ہی اصول تھے۔ ہر طرف ایک گھور تاریکی جرائم کی سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھی۔

اور پھر — عربوں ہی پر کیا منحصر تھا بلکہ اُس وقت ایران و روم

Marfat.com

ہندوستان کی دو مُہذب اور مُتمدّن سلطنتیں کہلاتی تھیں۔ یہاں بھی کوئی قانون نہ تھا بس ! فرماں رَواؤں اور امیروں کی زبان ہی قانون تھی۔

رُوم میں ضروری آئین سازی و جمہوریت کی مشق کی گئی، لیکن برائے نام، آج بنے اور کل منسوخ ہو گئے۔ اُمَراء و رؤسا کی جماعت ہر زمانہ میں با اقتدار رہی اور اس نے کبھی عام انسانی حقوق کے احترام کو ضروری نہ سمجھا۔ عورتوں غلاموں اور زیر دستوں پر نہ صرف قہر کی بجلیاں گرتی رہیں بلکہ اُن کا قتل، اُن کی خرید اور فروخت اور اُن پر ہر ظلم رَوا رکھنا کبھی کوئی جرم ہی نہ سمجھا گیا۔

مزارعین، مزدوروں، صنّاعوں اور عورتوں کے لیے بھی کہیں کوئی قانون نہ تھا۔ اِن لوگوں کے مالک اور آقا ہی اُن کے بادشاہ تھے۔ ہندوستان کے اندر اچھُوتوں کی جان برہمنوں کے ہاتھوں میں تھی اور عورت کی تو بالکل کوئی وُقعت ہی نہ تھی۔

حقوقِ عامہ کا تجزیہ

اسلام نے مَنصّۂ شہُود پر جلوہ گر ہو کر سب سے پہلے حقُوق کا تعیّن کیا اور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حقوق کو دو نوع پر تقسیم فرمایا :

۱. حقوق اللہ ، اور

۲. حقوق العباد

اس کے بعد آپؐ نے صاف طور پر اور غیر مُبہم الفاظ میں یہ اعلان بھی فرما دیا کہ :

Marfat.com

"حقوق اللہ میں کوتاہی تو قابلِ عفو بھی ہے لیکن حقوق العباد وہ چیز ہیں جن میں غفلت و کوتاہی ہرگز معاف نہیں کی جا سکتی۔ ہر شخص کا حق اُس کے اپنے ہاتھ میں ہے جسے اُس کے سوا اور کوئی نہیں بخش سکتا۔"

یہ حقوقِ انسانی کے قیام و احترام کے متعلّق پہلی آواز تھی۔ اِس کے بعد آپؐ نے ماں باپ، بیٹا، بیٹی، بھائی، بہن، شوہر، بیوی، سُسر، ساس، پڑوسی، دوست، دشمن، مسلم، غیر مسلم، دوست غیر مسلم، دُشمن غیر مسلم، بڑے، چھوٹے، راعی، رعایا، مرد، عورت غلام حتّٰی کہ حیوانوں اور بے جان پودوں اور درختوں تک کے حقوق تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے اور اِن سب کے متعلّق آئین بھی مُدوّن فرمائے۔

اسلام سے پیشتر اِن حقوق کی تفاصیل تو کیا اِن کا کہیں ذکر تک نہ تھا۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہُوا کہ آپؐ نے ہر انسانی جان کی حفاظت ضروری قرار دی۔

فوجداری قانون

اُس وقت کسی نہ کسی حیثیت میں دو شریعتیں موجود تھیں:

۱۔ شریعتِ یہود، اور

۲۔ شریعتِ عیسوی

اور یہ دونوں شریعتیں دو مخالف انتہاؤں پر قائم تھیں۔ یعنی تورات تو یہ کہتی تھی کہ

Marfat.com

"دانت کے بدلے دانت توڑ دو، آنکھ کے بدلے آنکھ
نکال لو، ناک کے بدلے ناک کاٹ دو۔"

لیکن انجیل کا حکم تھا کہ:

"اگر کوئی شخص ایک رُخسار پر طمانچہ رسید کرے تو تم
دُوسرا رخسار بھی اُس کے سامنے کر دو، اور کہو کہ اے بھائی
اِدھر بھی طمانچہ مار لو"!

ایک شریعت میں تو اِتنی سختی کہ عفو و معذرت کی گنجائش ہی نہیں اور دُوسری میں اِتنی نرمی کہ بد باطنوں کی سرزنش بھی محال!

رسُول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے وُہ اصُول پیش کیا جس سے بہتر اصُول کوئی تہذیب پیش نہیں کر سکی۔ کوئی مذہب ایسا اصُول پیش کر سکتا تھا اور نہ کر سکتا ہے۔ یہ اصُول اسلامی قوانینِ فوجداری کا بُنیادی اصُول ہے:

"جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ
اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ"

کسی بدی کا بدلہ ویسا ہی بدلہ ہے جیسا جرم کیا جائے
ویسی ہی سزا دی جائے لیکن اگر کوئی اصلاح کے
پیشِ نظر کسی کو معاف کر دے تو اسے اس کا اجر اللہ
دے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے کبھی محبت نہیں
کرتا۔"

Marfat.com

یعنی سب سے پہلا اصُول یہ مقرر کیا کہ سزا جرُم کے تناسب سے بڑھ نہ جائے ۔ دونوں میں توازن قائم رہے ۔ اب ہر مُلک میں وہاں کے حالات کے مُطابق ہر جرُم کی سزا تجویز کی جاسکتی ہے لیکن اِس طرح کہ جرُم وسزا میں توازن قائم رہے ۔

دُوسرا اہم نکتہ یہ پیش کیا کہ سزا کا مقصد ہمیشہ اصلاح ہونا چاہیے نہ کہ انتقام کہ مُؤخرالذکر سے خصُومتیں مِٹنے کے بجائے بڑھتی رہتی ہیں لیکن اگر عفو سے اصلاح ممکن ہے تو عفو کر دینے والے کو اس کا اجر خدُا کے یہاں ملے گا لیکن عفو میں بھی یہ خیال ملحوظ رہے کہ مُستغیث پر ظلُم نہ ہونے پائے اور وہ بھی راضی ہو گویا عفو وسزا کو موقع دیکھ کر کام میں لانا چاہیے ۔

مثلاً یہ کہ :

ایک شخص ہے جس سے اِتّفاقاً کوئی جرُم سرزد ہو گیا ہے' یا کسی سے جرُم سرزد ہو گیا اور وُہ اس پر نادم ہے اور معافی مانگتا ہے کہ آئندہ ایسا نہ کرے گا ۔ یہ بھی یقین ہے کہ اگر اُسے معاف کر دیا گیا تو پھر کبھی وُہ اِس جرُم کا ارتکاب نہیں کرے گا تو اُس کی اِس ندامت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اُسے ضرُور معاف کر دینا چاہیے کیوں کہ اُس کی اِس مُعافی میں اصلاح ہی کا جذبہ مصروُفِ کارفرمائی ہو گا ۔ اِس لیے اِس کا ثواب مِلے گا لیکن اِس حالت مُستغیث کی رضامندی لازمی ہو گی ظاہر ہے کہ اِس سے بہت فائدہ ہو گا ۔ ایک شخص کی زندگی داغدار ہونے

Marfat.com

سے بچ جائے گی اور دونوں کے دل بھی صاف ہو جائیں گے۔ دُنیا میں آج یہی شور مچ رہا ہے کہ سزا کا مقصد اصلاح ہونا چاہیے لیکن کہیں بھی اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا اور سزائیں عموماً اندھا دُھند دے دی جاتی ہیں۔

سزائے قتل اور اسلام

اسلام سے پیشتر یہ حالت تھی کہ غربا کا قتل کوئی اہمیت ہی نہ رکھتا تھا۔ عورت اور غلام کا قتل قابلِ سزا نہ تھا۔ خود مہذّب رُوم اور ہندوستان میں بھی حالت تھی۔ سزا کے معاملے میں نسل اور حیثیت کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ آج سے پیشتر ہندوستان میں بھی کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ کسی گورے کو کسی کالے کے قتل کے جرم میں سزائے قتل دی گئی ہو۔

امریکہ اور افریقہ میں تو آج بھی یہی صُورت دیکھنے میں آتی ہے۔ ایک گورا کسی حبشی کو اگر قتل بھی کر دے تو اس گورے کے اس سنگین فعل کو بھی معمُولی سا جرم بھی نہیں سمجھا جاتا لیکن اگر کہیں کسی حبشی یا کسی سیاہ فام کے ہاتھوں سے کسی گورے کی جان ضائع ہو جائے تو امریکی عوام اس کے لیے عدالت کے فیصلے کا انتظار ہرگز نہ کریں گے بلکہ جیل کے دروازے توڑ تاڑ کر ملزم کو زبردستی کھینچ کر باہر لے آئیں گے اور ایک کھلے مَیدان میں برسرِعام لوگوں کے سامنے اسے تڑپا تڑپا کر اور آگ پر بھُون بھُون کر ختم کر دیا جائے گا۔

قتل کی سزا کے معاملہ میں دُنیا پر ہمیشہ نسلی و قومی امتیازات و

احساسات مسلّط رہے۔ خود کسی کے ہزار افراد بھی قتل کر دیں تو کوئی بات نہیں اور اپنا ایک آدمی بھی دوسرے کے ہاتھ سے مارا جائے تو قیامت برپا ہو جائے اور پھر جب تک اُس قاتل کے زن و بچّہ کو انتقام کی آگ میں جلا کر بھسم نہ کر لیا جائے دم نہ لیا جائے۔

لیکن!

اسلام نے اِس لغویّت کو کبھی گوارا نہ کیا اور ہر قتل کی سزا قتل رکھّی خواہ وہ قتل غریب کا ہو یا کسی امیر ترین آدمی کا۔ چوں کہ انسان کی جان بے حد قیمتی بلکہ انمول چیز ہے اِس لیے اسلام نے یہ قرار دیا کہ:

"اگر مقتول کے ورثا خوں بہا لے کر قاتل کو بخش دیں تو اِسے بخشا جا سکتا ہے۔"

آج بھی اِس امر پہ زور دیا جا رہا ہے کہ قتل کے الزام میں قاتل کو سزائے موت یا پھانسی کی سزا دینا ایک وحشیانہ سزا ہے اِس لیے اِس سزا کو ختم کر دینا چاہیے۔

لیکن اسلام نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر ہی اِس موت کی سزا میں ایک لطیف سا نکتہ پیدا کر دیا تھا جس سے کہ قاتل کی جان بھی بچ جاتی تھی اور مقتول کے ورثا کی خاطر خواہ امداد بھی ہو جاتی تھی اور پھر کسی بیوہ کو یا یتیم اولاد کو قاتل کے قتل سے کوئی فائدہ بھی نہ پہنچ سکتا تھا البتہ اگر انھیں خوں بہا کے طور پر معقول رقم مل جائے تو

Marfat.com

اس قسم سے یہ لوگ اپنی پرورش کا بہتر طور پر بندوبست کر سکتے ہیں۔

حفظِ جان و مال اور اسلام

اسلام نے حفظِ جان و مال، حفظِ ننگ و ناموس اور حفظِ حقوق و معاملات میں ہر کہ و مہ میں پوری مساوات قائم کردی ہے۔ انسانی جان و مال کی حفاظت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ شریعت اسلام نے بلا امتیازِ رنگ و نسل اور بلا تمیزِ ملک و ملت تمام افرادِ انسانی کو اپنے حیطۂ حفاظت میں لے لیا ہے جو غیر مسلم اسلامی ممالک میں آباد ہوں ان کا قتل ہی گناہِ کبیرہ نہیں بلکہ ان کی غیبت بھی حرام ہے۔ اُن پر ہر ظلم بھی حرام ہے۔

فقہ حنفی کی معتبر کتبِ فتاویٰ میں صاف تصریح موجود ہے کہ مسلمانوں اور ذمیوں کے مابین قصاص جاری کیا جائے گا:

وَيُجْرَى الْقِصَاصُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُسْلِمِ۔

حفظِ مال کے متعلق اب اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کے خمر و خنزیر کو بھی تلف کر دے تو اُس سے غیر مسلم کو ہرجانہ دلایا جائے گا۔ (دُرِّ مختار)

حفظِ ننگ و ناموس اور اسلام

اسلام میں جس طرح مسلمانوں کے ننگ و ناموس کی حفاظت شرعاً واجب ہے اسی طرح غیر مسلموں کی بھی ضروری ہے کہ زبان سے ہاتھ سے پیر سے معاملہ سے تکلیف پہنچانا غیبت کرنا آبرو ریزی کرنا

اذیت دینا، اہانت کرنا سب حرام ہے۔ (درمختار)

حفظِ حقوق ومعاملات اور اسلام

حقوق ومعاملات کی یہ کیفیت ہے کہ میزانِ عدل بالکل متوازن رکھی گئی ہے۔ تمدن ومعاشرت کے اعتبار سے حقوقِ انسانی ہزار گونہ اقسام پر مشتمل ہو گئے ہیں۔ اِن حقوق کی مساوات میں عربی، عجمی، امریکی، افریقی، رومی، شامی، ہندوستانی، چینی، امیر وغریب، راعی ورعایا، قوی وضعیف، شاہ وگدا میں اسلام نے کوئی فرق اور کوئی امتیاز روا نہیں رکھا۔ بیع وشریٰ کا معاملہ ہو تو شاہ وگدا کے لیے ایک ہی حکم ہے۔ حدود قصاص ہوں مثلاً قتلِ عمد کی سزا، قتلِ خطا کی سزا، چوری کی حد، زنا کی حد، شربِ خمر کی حد، قطعِ اعضائے جسمانی کا قصاص یا دیت، اس میں تمام بنی نوعِ انسان بالکل برابر اور بالکل یکساں درجہ اور حیثیت کے حامل ہیں۔ ان سب کو برابر اور یکساں رکھا گیا ہے اس میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں۔

عہدِ رسالت میں ایک شریف خاندان کی قریشی خاتون چوری کے الزام میں گرفتار ہو کر پیشِ خدمت کی گئی تو قریش اسے قطعِ ید کی سزا ملنے کو اپنے لیے باعثِ ننگ وعار سمجھنے لگے۔ سب کو شاق گزر رہا تھا لیکن خدمتِ اقدس میں کچھ عرض کرنے کی جرأت کسی میں نہ تھی۔ آخر کار حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

سفارش کرائی گئی۔

آپؐ کو بہت ناگوار گزرا اور فرمایا :

"اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ؟"

"کیا تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سفارش کرتے ہو؟"

اس کے بعد آپؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا :

"تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ ان میں سے جب کوئی رتبے والا چوری کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے اور اگر کسی کم حیثیت والے سے یہی جرم سرزد ہوتا تو اُسے بلا تامل سزا دے دیتے۔ قسم ہے خدائے وحدہٗ لاشریک کی اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کے جرم کی مرتکب ہوتی تو میں اسے بھی ضرور سزا دیتا اور اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو اُنھوں نے بھی یہ اعلان کر دیا کہ حقوق و معاملات میں بڑے چھوٹے امیر غریب کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں قبیلہ فزارہ کے ایک کم حیثیت شخص کے بارے میں شاہِ غسان کے خلاف حد جاری کرنے کا حکم جاری کر دیا تھا اور پھر اپنے بیٹے پر بھی زنا کی حد جاری کر دی تھی۔

Marfat.com

مجلسِ حکومت و قضا میں بھی کوئی امتیاز باقی نہ رہنے میں

شرح شرعیۃ الاسلام میں ہے کہ:

"رعیت کے لیے تمام انواع و اصناف میں مساوات ملحوظ رہے کسی کو اس کے مرتبہ کی وجہ سے ترجیح نہ دی جائے۔ قاضی کو چاہیے کہ مدّعی اور مدّعا علیہ میں کسی امر کے متعلق کوئی فرق روا نہ رکھے۔ نہ دیکھنے میں نہ جگہ میں اور نہ گفت گو و عمل میں۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مسلمان کے مقابلہ میں ایک یہودی کو ڈگری دے دی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف اس وقت کہ جب وہ خلیفہ تھے قاضی شریح کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ اب مقدمہ کی اہمیت دیکھیے کہ فرماں روائے وقت مدّعی ہے اور ایک غیر مسلم یہودی مدّعا علیہ ہے مگر مقدمہ اس بنا پر خارج کر دیا جاتا ہے، کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہُ الکریم کی طرف سے بطورِ گواہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ کے بیٹے تھے پیش ہوتے ہیں اور شریعت میں بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں معتبر قرار نہیں دی گئی۔

کیا دنیا بھر میں اس انصاف، اس مساواتِ حقوق اور ایسے عادلانہ قانون کی کوئی نظیر مل سکتی ہے؟

نہیں اور ہرگز نہیں!

Marfat.com

فرقِ مراتب اور اسلام

اسلام میں امتیازات ہیں لیکن وہیں جہاں ان کی ضرورت ہے

اور بنیادی حقوقِ جان و مال و ناموس سے کوئی تصادم نہیں ہوتا۔

اولاً : امتیازاتِ تمدّنی و معاشری۔

اور !

ثانیاً : امتیازاتِ مذہبی و دیانتی شادی کے معاملہ میں کفو کا امتیاز جائز رکھا گیا۔

دو اشخاص ایک ہی رُتبہ و حیثیّت کے حامل ہیں مگر ایک کو ہمسایہ ہونے کی وجہ سے فوقیّت حاصل ہے۔

جائداد غیر منقولہ میں ہمسایہ کا حق مقدّم ہے۔

شُفع خالص اسلامی قانون ہے۔

والدین کو اولاد کے معاملہ میں امتیازی حیثیّت دی گئی ہے کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو قاتل باپ سے ہرگز قصاص نہیں لیا جائے گا اس لیے کہ باپ کو بیٹے سے فطری محبت ہوتی ہے اور وہ کبھی بلاقصور اور عمداً اپنے بیٹے کی جان نہیں لے سکتا دوسرے ایک بیٹے کی اضاعت ہی جرم کی کافی سزا ہے۔

شاہ و رعیت میں اتنا امتیاز ہے کہ شاہ کی اہانت خاص جرم قرار دی گئی :

"مَنْ اَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ اَهَانَهُ اللّٰهُ"

Marfat.com

مرد و عورت میں بھی صنفی امتیاز کی وجہ سے احکام و اوامر میں ایک حد تک امتیاز روا رکھا گیا ہے:

"اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ"

دونوں کے حقوق دونوں پر قائم کر کے تصریح کر دی گئی مگر مرد کی قوامیت کا لحاظ ضروری تھا۔ عقدِ نکاح تک مرد و عورت بالکل مساوی ہیں اور دونوں کی رضامندی ضروری ہے کیونکہ یہ پھر ایک معاہدہ باہمی ہے مگر جب مرد کی قوامیت قائم ہوگئی تو طلاق کا اختیار صرف مرد ہی کو ہے البتہ عورت طلاق طلب کر سکتی ہے خود بہ خود علیحدہ نہیں ہو سکتی۔

عورت کے سپرد تربیتِ اولاد اور اطاعتِ خاوند وغیرہ فرائض کیے گئے اور مرد پر عورت کا نفقہ لازم کیا گیا اور تاکید کی گئی کہ وہ حُسنِ معاشرت کے ساتھ رہے۔ تکلیف پہنچانے کی بڑی شدت کے ساتھ مخالفت کی گئی۔

اختلاطِ نسب سے بچنے کے لیے عورت کو بہ یک وقت دو مردوں سے شادی کرنے سے شرعاً روک دیا گیا۔

لیکن!

مرد کثیر الاولادی اور ضرورت کے اعتبار سے بہ یک وقت چار تک شادیاں کر سکتا ہے مگر اس میں بھی عدل شرط ہے۔

مرد کی ذمہ داریاں اور ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے میراث میں بھی فرق کر دیا گیا مگر اس کے ساتھ ہی عورت کی ضرورت کو فراموش نہیں کیا گیا بلکہ حقِ مہر دلا کر اس کی حیثیت کو بھی مضبوط کر دیا گیا اور فرائضِ شاقہ سے مستثنیٰ کیا گیا۔

سلام و گفت گو میں بھی امتیاز ہے۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝

مندرجہ بالا آیت کی رو سے کوئی مسلمان عورت کسی غیر مسلم مرد سے نکاح نہیں کر سکتی اس لیے کہ عورت کو مرد کی اطاعت کرنا پڑتی ہے۔ اور اس میں ایمان اور اسلام کے لیے خطرہ ہے۔ مسلمان مرد مشرک عورت سے شادی نہیں کر سکتا البتہ عورت اہلِ کتاب قوم سے ہو تو اجازت ہے جو ٹیکس مسلمان سے تجارت یا زراعت سے لیا جائے وہ زکوٰۃ و عشر ہے اور اس کا مصرف جدا ہے مگر غیر مسلم سے جو ٹیکس لیا جائے وہ جزیہ ہے یا خراج اور اس کا مصرف بھی علیحدہ ہے۔

عالم و جاہل میں بھی امتیاز روا رکھا گیا۔

صالح و فاسق میں امتیاز ہے اور ہونا بھی چاہیے۔

عالم کا جو احترام ہو سکتا ہے وہ جاہل کا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح صالح و شریف کا جو اعتبار کیا جا سکتا ہے فاسق اس کا اہل نہیں بن سکتا خود صحابہ کرام میں امتیاز ہے۔

ایک جماعت وہ تھی جس نے نہایت ہی پر آشوب زمانہ میں اسلام

Marfat.com

قبول کیا۔ تکلیف اُٹھائی اور مال خرچ کیا اور دُوسری جماعت نے بعد کو یعنی فتح مکّہ کے بعد اسلام قبول کیا اور مال خرچ کیا۔

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً ط

علماء میں بھی فرق ہے۔

ایک شخص عالم بھی ہے اور فقیہ بھی اور دُوسرا صرف عالم ہے۔ فقیہ کو بھی غیر فقیہ پر ترجیح ہے۔ پیر کو مُرید پر فوقیّت ہے۔ اُستاد کو شاگرد پر، مُتقی کو غیر مُتقی پر۔

کیا یہ اسلام کی برتری کا ایک زندہ ثبوت نہیں کہ بُنیادی اور اَساسی حقُوق میں تمام بنی نوعِ انسان کو یکساں حقُوق عطا کر کے فروعات میں حسبِ ضرورت فرقِ مراتب کر دیا گیا۔

ایک عالم و جاہل اور مُسلم و غیر مُسلم، جان و مال اور آبرُو و معاملات میں تو بالکل برابر اور یکساں حیثیّت کے حامل ہیں لیکن تقویٰ اور ایمان اور علم کے لحاظ سے صرف فرقِ مراتب کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ اگر عورت و مرد، عالم و جاہل، نیک و بد، اُستاد و شاگرد، باپ و بیٹے برابر کر دیے جاتے تو انتظامِ عالم دگرگُوں ہو کر رہ جاتا۔

فوجی و تمدّنی اور معاشری قوانین

سیاست میں جمہُوریّت کو سب سے پہلے اسلام ہی نے

Marfat.com

داخل کیا۔

"ارشاد ہشتم"

اور لین دین میں !

بیع و شرا، لین دین، تعلقاتِ غیر اقوام،
غرضیکہ ہر پہلو پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایات دیں۔
اور دنیا کی رہنمائی کی۔

معاشرت میں نکاح، طلاق، ازدواجی تعلقات، ہمسایوں سے سلوک، رشتہ داروں سے برتاؤ، یگانوں اور بیگانوں سے میل جول ہر امر میں اصول و آئین مقرر کیے۔

حربیات میں وہ آئین بنائے کہ دنیا اب تک حیران و ششدر ہے۔

معاہداتِ مسلم و غیر مسلم، اسیرانِ جنگ کا انتظام اور ان سے سلوک، مالِ غنیمت کی تقسیم، پابندیٔ عہد، مفتوحہ ممالک سے برتاؤ، جنگ کی ضرورت، جنگ کا طریق، جنگ کا آغاز، میدانِ جنگ میں فوج کی ترتیب اور دستوں کا تعین۔ غرض یہ کہ ہر امر کے متعلق قانون اور طریقہ اسلام میں موجود ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ کے تمام وحشیانہ طریقوں کو خلافِ قانون قرار دیا۔ دھوکہ سے مارنے، بلاوجہ حملہ کرنے، مقتولین کا مثلہ کرنے، دشمن کے بچوں پر چاند ماری کرنے، عورتوں بوڑھوں

Marfat.com

اور مذہبی پیشواؤں اور غیر حربیوں کو لُوٹنے اور اُن پر دست درازی کرنے کو ناجائز قرار دیا۔

کھیتوں باغوں کو اُجاڑنے، عمارتوں کو منہدم کرنے، قتلِ عام کرنے وغیرہ اِن سب اقدامات و افعال سے مسلمانوں کو شرعی قانون کی رُو سے روک دیا گیا۔

بہ ہر کیف اسلام نے وہ مُلکی سیاسی، تمدّنی معاشری اور حربی قوانین بنائے اور ایسے اصُول دُنیا کے سامنے پیش کیے جن میں قساوت سنگدلی، بے رحمی، انتقام اور نسلی و مذہبی تعصّبات کا کوئی عنصر موجود نہ تھا جس سے مسلم اور غیر مسلم یکساں فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ دوست اور دُشمن کو برابر منفعت پہنچتی تھی۔

دُنیا میں جتنے ذمائم اخلاق پھیلے ہُوئے تھے اِن سب کا استیصال کر دیا۔

قتل، بغاوت، بلوہ، شر انگیزی، شیطنت کاری، قمار بازی، زنا، خلل اندازیٔ عصمت، رشوت، توہین، خیانت، غیبت، بدگوئی، شراب خوری، فحش کاری، تہمت تراشی، دغا و فریب، کذب و دروغ، چوری، ڈکیتی، فساد انگیزی، معاہدہ شکنی وغیرہ ہر چیز کے متعلق تعزیرات مقرر کیں۔

لین دین، ناپ تول، خرید و فروخت، شرکت و معاہدہ، بیع و شرای وغیرہ ہر امر کے متعلق مکمل قوانین نافذ فرمائے۔

زنا کی سزا بھی سنگ ساری کی شکل میں قتل ہی مقرر کی گئی اس لیے کہ آبرو جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔

ترکِ نماز اور ترکِ اسلام (مُرتد) کی سزا بھی قتل ہی مقرر کی اس لیے کہ انسان اُسی وقت تک جرائم و معاصی سے بچا رہ سکتا ہے جب تک کہ اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف جاگزیں رہے۔

امن کے قیام کے لیے بھی مذہب ضروری قرار دیا گیا اور دُنیا نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ قیامِ امن فلاحِ بنی نوعِ انسان کے لیے اخلاق کی اوّلیں ضرورت اور اخلاق خُدا ترسی کے بغیر ہرگز نہیں سنور سکتے اور خُدا ترسی مذہب ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

دُنیا میں منو کا قانون بھی ہے اور سولن کا قانون بھی ہے اور ان کے علاوہ اور دیگر قوانین بھی ہیں۔

مگر !

ذرا انصاف سے کہیے کہ :

کیا اسلامی قوانین کا مُقابلہ کوئی دُوسرا قانون کر سکتا ہے ؟

ہرگز نہیں !

یقیناً اس سے بہتر اور اتنا مکمل قانون نہ دُنیا کو کبھی ملا اور نہ آئندہ کبھی مل سکے گا !

Marfat.com

عدیم النظیر ہادی

یہودیت کا تسفّل

بعثت نبوی سے پیشتر یہود و نصاریٰ نے عربوں میں اپنا دین پھیلانے کے لیے ہر ممکن سعی و عمل سے کام لیا۔ سخت سے سخت جدّوجہد کی۔ جا بجا اپنے مبلّغین پھیلا دیے لیکن انھیں شدید ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

سر ولیم میور کے بیان کے مطابق یہ لوگ سر پٹک پٹک کر بیٹھ رہے۔

یہودیت میں علم اور دولت کی ضرور فراوانی تھی۔ اُن کے ہاتھ تجارت بھی تھی اور مدارس بھی تھے۔ عرب والے اُن کی اِس فضیلت کو تسلیم بھی کرتے تھے۔ اُن کا تقدس بھی ایک حد تک قائم تھا۔

لیکن!

اصل توریت ناپید تھی۔

بخت نصر اور ٹیٹس کے حملوں میں بار بار یہ کتاب ضائع ہوئی اور بار بار محض یادداشت پر مرتب ہوئی۔ بار بار ترجمے ہوئے اور

Marfat.com

بار بار گم ہوئے اس لیے جو تورات رہ گئی تھی وہ اصلی توریت نہیں تھی۔ ضرور اس میں وحی کا جزو باقی تھا مگر تاریخی کہانیاں اور واضعین کے اضافے سب اس طرح مل جل گئے تھے کہ انھیں ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔

پھر یہ توریت جو موجود تھی یہ بھی عام نہیں تھی رہبان و احبار اس پر قبضہ جمائے ہوئے تھے وہی اس کے عالم تھے وہی اسے پڑھتے اور وہی اسے اپنے پاس رکھتے تھے۔ عوام و قوم کو اس سے کوئی مس نہ تھا۔ جو کچھ ان رہبان و احبار نے عوام سے کہہ دیا اور بتادیا وہی بے چوں و چرا لوگوں نے تسلیم کر لیا۔ ان کی زبان اور ان کے پیش کردہ اصول کا نام ہی یہودیت تھا۔ جس چیز اور جس کام کو چاہا حلال قرار دے دیا اور جسے چاہا حرام کر دیا۔

"تاہم یہ حقیقت ہے کہ !

توریت میں ایک حصہ الہامی ابھی تک موجود ہے لیکن یہ لوگ اس پر عمل کم ہی کرتے ہیں۔

توریت میں تو پھر بھی یہ کچھ ہے۔

لیکن !

انجیل میں چند فقروں کے سوا کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا خود یورپ کے محققین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی انجیل جو موجود ہے وہ نہیں جو مسیح علیہ السّلام پر نازل ہوئی تھی۔

Marfat.com

کثرتِ دولت و اقتدار کے باعث مدینہ کے نواح دیہہ اور خیبر میں یہودیوں کو بڑا طنطنہ حاصل تھا۔ وہ جو چاہتے کرتے تھے اور حقیقت میں یہ ریاست نہیں بلکہ شاہی کرتے تھے۔ کوئی انھیں روکنے اور ٹوکنے والا نہ تھا۔ من مانے قوانین نافذ کیے جاتے تھے اور جو ان قوانین سے انحراف کرتا تھا اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔

مدینہ اور نواحِ مدینہ پر یہودیوں کا ایک رئیس فطیون گویا شاہی کر رہا تھا اس نے حکم نافذ کر رکھا تھا جس کی رُو سے مدینہ بلکہ نواحِ مدینہ میں جو کوئی لڑکی بیاہی جاتی اسے رخصت سے پہلے ایک شب یعنی اپنی سہاگ رات اس ظالم کے شبستانِ عیش میں لازمی طور پر گزارنا پڑتی تھی۔

یہودیوں کے اخلاق تو خود بگڑے ہوئے تھے اور ماں بہن بیوی بیٹی کی انھیں تمیز نہ رہ گئی تھی اس لیے وہ تو کسی نہ کسی طرح اس جابرانہ حکم کو گوارا کیے رہے لیکن عربوں یعنی انصاریوں کے لیے اس غیرت سوز حکم پر عمل کرنا انتہائی مشکل تھا کیوں کہ وہ تو اس بے غیرتی سے بچنے کے لیے کہ کوئی اُن کا داماد بنے گا اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زمین میں زندہ دفن کر دیا کرتے تھے بھلا وہ یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ کوئی غیر مرد زبردستی ان کی لڑکی کے ساتھ شب باشی کرے۔

انصار کے رئیس کا نام مالک بن عجلان تھا جب اُس کی بہن کی

Marfat.com

شادی کا دن قریب آیا تو وہ اس بے غیرتی کو گوارا کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی۔ اُس نے اپنے بھائی کو غیرت دلانے کا یہ طریقہ اپنایا کہ شادی سے ایک دن پہلے وہ بالکل برہنہ اور عُریاں حالت میں اپنے بھائی کے سامنے سے گزری۔

بھائی کو بڑا طیش آیا اور اُس نے اپنی بہن کو اس قبیح حرکت پر سخت سُست کہا اور ڈانٹا۔

بہن نے بڑے تحمّل سے جواب دیا:

"میری اس عُریانی پر گھر میں توبیخ یا ہو رہا ہے لیکن کل فطیون کے شبستانِ عیش میں رات کو جو کچھ میرے ساتھ سلوک ہو گا۔ میری یہ حرکت اُس واقعے سے زیادہ بے غیرتی تو نہیں ہو سکتی۔"

مالک بن عجلان کے قلب میں بجلی سی کوندگئی اور اُس نے اپنی بہن کی عزّت کو بچانے کی قسم کھالی۔

دوسری شب جب مالک بن عجلان کی بہن کو اُس کی سہیلیاں اپنے جھُرمٹ میں فطیون کے شبستانِ عیش کی طرف لے جانے لگیں تو مالک بن عجلان بھی زنانہ لباس میں سہیلیوں کے ساتھ ہو لیا۔

اور پھر!

موقع پا کر اُس نے فطیون کو قتل کر دیا۔ اپنی بہن کو اُس کے سُسرال پہنچایا اور خود فرار ہو کر شام جا پہنچا جہاں غسّانیوں کی حکومت تھی۔ سارا واقعہ رئیس شام کو سُنایا اور انھیں مدینہ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔

Marfat.com

غسانیوں نے مدینہ پر فوراً چڑھائی کردی۔ یہودیوں کا رئیس فطیون چوں کہ پہلے ہی قتل ہوچکا تھا اس لیے انھوں نے فوراً اطاعت قبول کرلی۔ انصار تو ویسے ہی اس حملہ کی زد سے محفوظ تھے۔

غسانیوں نے انصار کی شاندار دعوت کی اور اس مجلس میں یہود کو بھی مدعو کیا گیا اور پھر غسانیوں نے تمام یہودی رؤسا کو چن چن کے قتل کر ڈالا۔ اس طرح یہودیوں کا صدیوں کا زور ٹوٹ گیا لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد انصار میں کسی بات پر خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اس آپس کی لڑائی میں انصار کے بڑے بڑے رؤسا مارے گئے اور ان کا اقتدار خاک میں مل گیا اور اب یہ لوگ طاقت میں بے حد کمزور ہوگئے یہودیوں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور انصار پر مسلّط ہوگئے۔ اور ان کا اقتدار پھر سے قائم ہوگیا۔

اب یہ لوگ انصار پر ظلم ڈھانے لگے اور اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے لگے۔ یہ لوگ سنگدلی میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ انصار کی عورتوں کو بھی رہن رکھوا لیتے تھے۔

عیسائیت کا زوال

اُدھر عیسائیت تثلیث میں غرق ہوچکی تھی اور نجران اور یمن میں اسے زبردست اقتدار حاصل تھا اور یہ ایک حد تک فرماں روائی کرتے تھے۔ ان کی مالی حالت بھی بے حد مستحکم تھی مگر انجیل ان کے پاس بھی اصلی حالت میں نہ تھی بلکہ محض ترجمہ کی صورت میں تھی اور وہ بھی

Marfat.com

تحریف شدہ اور اس پر بھی راہبوں اور پوپوں کا قبضہ تھا اس لیے یہ انجیل بھی عام نہ تھی۔ یہ راہب جو کچھ احکام بتاتے وہی سب لوگ مان لیتے۔ کسی کو انحراف کی جرأت نہ ہوتی۔

یہ دونوں مذاہب بہت قدیم نہیں تھے بلکہ تھوڑے ہی عرصے کے تھے جو شمالی اور جنوبی عرب پر مسلط تھے اور دونوں کی مالی حالت بھی بڑی اچھی تھی۔

بدھ مذہب، مجوسی مذہب اور ہندو دھرم بہت پرانے مذہب تھے لیکن اِن مذاہب کی کتابیں بھی اصلی حالت میں نہیں تھیں۔ اِن پر بھی برہمنوں اور بھوگیوں وغیرہ کا قبضہ تھا اور عام لوگ یہاں بھی اِن کتابوں کے مطالعہ سے محروم تھے۔ اِن تینوں مذاہب میں انسان پرستی، بُت پرستی، آتش پرستی، حیوان پرستی غرضیکہ تمام اوٹ پٹانگ پرستیاں شامل تھیں۔ ہر جگہ ہر مذہب پر صرف ایک خاص جماعت کا قبضہ تھا۔ تعلیم عام کہیں بھی نہ تھی بلکہ مذہبی پیشواؤں کی زبان ہی مذہب تھی اور بس!

ہر مذہب دوکانداری اور سوداگری کا روپ دھارے ہوئے تھا۔

پوری دنیا ضلالت وگمراہی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

قرآن حکیم نے دنیا کی اس زبوں حالی کا نقشہ کن بہتر الفاظ میں کھینچا ہے ملاحظہ فرمائیے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

"خشکی و تری میں فساد پھیل گیا تھا۔" کہیں امن وعافیت نہ تھی!

Marfat.com

اسلام کا نزولِ اجلال

ان حالات میں کہ زمین کا ہر گوشہ اور ہر کونہ گمراہی اور بُت پرستی کی ظلمت و تاریکی میں ڈوبا ہُوا تھا اور کون تھا جو مشعلِ ہدایت روشن کر سکے اور اگر کسی نے یہ جُرأت کی اور وُہ کامیاب بھی ہو گیا تو اس کے مُتعلّق آپ کیا کہیں گے کیوں کہ زمین پر تو ہدایت کا نہ کوئی ذریعہ رہا تھا اور نہ روشنی ہی کا کوئی سوال پیدا ہو سکتا تھا، اور پھر اگر چراغ جلایا بھی جاتا تو انجیل توریت وید اور ژند وغیرہ سے، لیکن یہ مشعلیں تو خُود بجھ چکی تھیں۔

اس لیے!

اب تو آسمان ہی سے کوئی روشنی نمُودار ہو سکتی تھی اور ہُوئی بھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پیکرِ نور کو "نُورِ ہدایت" دے کر دُنیا کی ہدایت پر مامُور کیا:

"هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ"

اس آیتِ پاک سے صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ انسان پہلے شدید ضلالت و گمراہی میں مبتلا تھا رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مبعوث ہو کر اسے آیاتِ الٰہی سنائیں۔ اسے نو بائم اخلاق سے پاک

کیا۔ اسے قرآنی اوامر و نواہی اور آئین و عمل کی تعلیم دی اور پھر اسے نیابتِ الٰہی کا اہل بنا دیا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ!

اگر اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو عیسائیوں یا یہودیوں میں پیدا کرتا اور آپؐ مکّہ کے بجائے نجران، مدینہ یا خیبر میں مبعوث ہوتے اور تاجِ رسالت اپنے سر پر رکھنے سے پیشتر ہی کچھ پڑھے لکھے بھی ہوتے تو بلا تأمّل کہہ دیا جاتا کہ:

"یہ یہودیّت اور عیسائیت ہی کے احیا کی سعی ہے اور جو کچھ لیا گیا ہے وہ توریت اور انجیل ہی سے لیا گیا ہے۔"

ایک طرف تو یہ صورت تھی اور دوسری طرف یہ کہ یہ دونوں مذاہب بہ ہر صورت محض بنی اسرائیلی مذاہب تھے۔

لیکن!

آپؐ چوں کہ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کی ہدایت کے لیے مامور ہوئے تھے اسی لیے آپؐ کو ایک اوّل درجہ کی مشرک قوم میں مرکزِ شرک عرب کے اندر مبعوث کیا گیا۔ آپؐ کے پاس بہترین کتاب، بہترین کیریکٹر، بہترین تعلیم اور بہترین نسب موجود تھا۔ آپؐ کی زندگی اور تبلیغ خود ایک معجزہ سے کم نہ تھی۔ اگر قریش کی مخالفت کے پُرپیچ اسباب و علل خود ہی اُن کے آڑے نہ آجاتے اور انھیں اپنے اقتدار و مالیات و معاش پر ضرب پڑتی نظر نہ آتی تو

Marfat.com

وہ بہت پہلے ایمان لے آتے۔ حقیقت کا تصور

طمطراقِ توحید اور اسلام

رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے دُنیا کو سب سے پہلے یہ بتایا کہ پوجنے کے قابل صرف خدائے وحدہٗ لاشریک ہی کی ذاتِ پاک ہے۔ اُسی نے زمین و آسمان پیدا کیے اور اُسی نے تمھیں پیدا کیا۔ وُہی کھلاتا ہے وُہی پلاتا ہے۔ یہ بُت تو تمھارے خود تراشیدہ ہیں اور محض بے بس! جو تمھیں نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان!

اس کے بعد آپؐ نے ہدایات دینا شروع کیں اور ہر ہدایت کے ساتھ اس کے نتائج اور نفع و نقصان کو بھی واضح کرتے گئے۔ ساتھ ساتھ آپؐ نے یہ اعلان کرنا بھی شروع کر دیا کہ:

"مَیں نہ فرشتہ ہُوں اور نہ اوتار بلکہ تم جیسا ایک انسان ہُوں البتّہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ضرور ہُوں۔ اُس کا جو حکم ہوتا ہے تم کو سُنا دیتا ہُوں مجھے کسی چیز کی ضرورت و احتیاج نہیں۔ مَیں تو صرف تمھاری بھی خواہی کا آرزومند ہُوں۔"

غرض یہ کہ آپؐ نے توحید کو پورے شان و شکوہ کے ساتھ دُنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا۔ وید، ژند اور اوستا تو تخیّلِ توحید سے بالکل خالی ہیں۔ انجیل میں تثلیث نے شامل ہو کر کچھ بھی نہ رکھا۔ رہی توراۃ تو اس میں خدا کو واحد بھی بتایا گیا ہے اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرنے کی تاکید بھی ہے کہیں لکھا ہُوا ہے کہ اللہ نے

یعقوب سے کشتی لڑی اور مغلوب ہو گیا۔ (پناہ بخدا)

اوّل تو کشتی لڑنا ہی کتنا مستبعد امر ہے پھر مرقوم ہے کہ :

" وہ بنی اسرائیل کا خدا ہے۔"

چلو چھٹی ہوئی۔ اس خدا پر تو بنی اسرائیل کی اجارہ داری ثابت ہو گئی، اب اُسے کوئی اور پوُج کر اور اُس کی پرستش کر کے کرے بھی کیا!

لیکن !

رسُول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے صاف طور پر فرمایا کہ :

" وہ ربّ العالمین ہے۔ رحمٰن اور رحیم وکریم ہے۔ وہ مالکِ یومِ الدّین ہے۔ رؤفٌ بالعباد ہے۔ رزّاق ہے خالقِ ارض وسما ہے اور آسمان وزمین کا نور ہے۔"

یہ ہے خالص توحید !

توحید سے آگے بڑھیے۔ رسالت پر آئیے !

توریت صرف اسی قوم کو سب سے بہتر قوم بتاتی ہے جو توریت کی حامل ہے اور انہی میں رسُولوں اور نبیوں کا آنا تسلیم کرتی ہے۔ انجیل میں تو نبیوں کو چور اور بٹ مار بتا کر حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا بنا کر رسالت کی لُٹیا ہی ڈبو کے رکھ دی۔

قرآنِ مجید نے صاف طور پر بتایا کہ رسالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی من وعن اُس کے بندوں تک پہنچا دی جائے۔ رسُول نہایت عبادت گزار، پابندِ احکامِ ربّانی اور بندوں کا بہی خواہ ہوتا ہے اُس کا

Marfat.com

ہر فعل و عمل وحیِ الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔

یہ رسول اور پیغمبر نہ فرشتے ہوتے ہیں اور نہ اوتار بلکہ صرف انسان ہوتے ہیں۔

آپؐ نے یہ بھی فرمادیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہرگز خدا کے بیٹے نہ تھے وہ محض ایک نبی تھے۔

رسول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ساری دُنیا کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

اور پھر عالمِ اُخروی کے مُتعلق توریت و انجیل دونوں کتابیں تو صرف یہ بتا کر خاموش ہوجاتی ہیں کہ وہاں صرف نیکی اور بدی کا بدلہ ملے گا لیکن رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے جنّت و دوزخ اور ثواب و عذاب کی پوری تفاصیل سب سے پہلے دُنیا کے سامنے پیش کیں اور یہ بھی بتا دیا کہ کن اعمال کا نتیجہ ثواب و عذاب پر مُنتج ہوگا نہ صرف یہ کہ موقع بہ موقع سمجھایا کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ لوگ کس طرح مرکر زندہ ہوں گے ؟

مرنے کے بعد قبر میں کیا ہوگا ؟

رُوح کہاں رہے گی ؟

قیامت کے دن کس طرح محاسبہ ہوگا ؟

ثواب و عذاب کی حقیقت کیا ہے ؟

دنیا کس طرح بنی ؟

آسمان کیوں کر بنایا گیا ؟

زمین کس طرح تیار کی گئی ؟

چاند کیا چیز ہے اور سرد کیوں ہے ؟

سورج کیا شے ہے اور گرم کیوں ہے ؟

ستارے کیا ہیں اور صرف رات ہی کو کیوں نظر آتے ہیں ؟

بادل کیا چیز ہے اس میں سے بارش کیوں کر برستی ہے ؟

آدمؑ کو کب تخلیق کیا گیا ؟

حوّا کو کیوں پیدا کیا گیا ؟

شیطان کون تھا ؟

ابلیس کس کا نام ہے ؟

عزازیل کس کا نام تھا ؟

ابلیس اور آدم کا کیا قصّہ تھا ؟

ابلیس راندۂ درگاہ کیوں کر بنا ؟

آدم اور حوّا کو جنّت سے کیوں نکالا گیا ؟

قیامت کے دن زمین و آسمان کی حالت کیا ہوگی ؟

ملائکہ کیا ہیں ؟

فرشتے کون کون سے عمل میں مصروف ہیں ؟

اِن تمام باتوں پر سے آپؐ نے پردہ اُٹھایا اور ہر ایک کو تفصیل سے بیان فرمایا۔

Marfat.com

حضورِ نبیِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے عبادت کو نہایت مُرتّب صورت میں پیش کیا۔ اقتدائے امام، امیر و غریب اور شاہ و گدا کا ایک ہی صف میں کھڑا ہونا، وقتِ نماز و عبادت کا تعین، طہارتِ ظاہری و باطنی کا التزام رکھنا۔

اور پھر !

ایسی شرائط بھی بیان فرمادی گئی ہیں کہ جن کے بغیر عبادت مکمل ہی نہیں ہوتی۔

سُبحان اللہ ! یہ کتنا شاندار اہتمام ہے۔

عُیوبِ ظاہری و باطنی کا استیصال

رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ہر عبادت کے نتائج و ثمرات بھی واضح طور پر ارشاد فرمادیے اور وضاحت سے بیان فرمادیا کہ :

- "نیک اور صالح بندوں کو دُنیا و آخرت دونوں جہان میں فائز المرامی نصیب ہوگی۔ اور انھیں خلافت و سلطنت عطا کی جائے گی۔"

نبیِ اکرم حضُور پُر نور سرورِ انبیا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اس نظام کے ساتھ تمام مالی امتیازات اور نسلی و نسبی غرُور کا بھی کُلی طور پر خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ تمام قسم کے جرائم اور تمام بداَخلاقیوں کو دُور کر دیا۔ آپؐ نے شراب اور غُلامی کی لعنت سے دُنیا کو نجات

دلائی۔

شرک و بت پرستی کا خاتمہ کیا۔

علم و مذہب کو عمومیت بخشی۔

بندوں کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑا۔

جہاں رات دن بتوں کی پوجا ہوتی تھی وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکنے لگے اور نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا میں روشنی پھیل گئی۔ ہر طرف توحید کا اجالا پھیلتا چلا گیا۔

نئی بہار آگئی۔

اور وہ کچھ ہوا،

جس کی کسی کو قیامت تک بھی توقع نہ تھی !

عکسی

تبلیغی نصاب

جہیز ایڈیشن

Marfat.com

لاثانی تاجدار کا لاثانی دربار

چشمِ فلک نے نوشیروانِ عادل و فریدونِ ذی جاہ وحشم، قیصرو سکندر اور مامون و عالمگیر کے درباروں کا جاہ و جلال اور تزئین و آرائش بھی دیکھی تھی کہ چاؤش و نقیب خیل وحشم تخت و تاج تزک و احتشام اور حاجب و دربان سب کچھ تھا جب کہیں جا کر دیکھنے والوں پر کچھ اثر جاہ و جلال کا ہوتا تھا۔

لیکن !

دربارِ نبوّت و رسالت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم میں یہ کچھ بالکل نہ تھا بلکہ ایک دل کش سی سادگی تھی جو پورے ماحول پر چھائی رہتی تھی۔ نہ روک تھی نہ ٹوک، نہ کوئی در تھا نہ دروازہ لیکن اِس کے باوجود وُہ ہیبت طاری رہتی تھی وہ جلال ہویدا رہتا تھا کہ لوگ ساکت و جامد بیٹھے ہوئے ایسے معلوم ہُوا کرتے تھے کہ گویا اُن کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔

جب رسُول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بات کرتے تو اُس وقت دربار بھر میں ایک سنّاٹا سا طاری ہو جاتا۔ ہر شخص مؤدّب

Marfat.com

ہوتا۔ سب کے سر فرطِ ادب سے جھکے رہتے۔ اس کے باوجود کوئی فخر و امتیاز نظر نہ آتا تھا۔ کسی امیر و غریب کی نشستوں کا کوئی تعین نہ تھا۔ جس رتبہ و عقل کا آدمی ہوتا آپ ﷺ اس سے اسی قسم کی بات کرتے۔ روم و ایران کے درباروں کی طرح یہاں یہ دستور نہ تھا کہ جب کوئی معزز آدمی محفل میں یا دربار یا مجلس میں آتا تو سب لوگ احتراماً کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک اپنے سینوں پر ہاتھ رکھے کھڑے رہتے جب تک آنے والا معزز آدمی بیٹھ نہ جاتا۔ لیکن آپ ﷺ نے اس اندازِ احترام کی ممانعت کر دی تھی البتہ آپ ﷺ خود کبھی کبھی بعض قابلِ احترام اور قابلِ محبت ہستیوں کے لیے جوشِ محبت میں ضرور کھڑے ہو جاتے تھے کہ تعظیم و محبت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

آپ ﷺ اپنی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، رضاعی باپ حارث رضی اللہ عنہ، رضاعی بھائی، رضاعی بہن شیما اور اپنی لاڈلی لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تشریف لانے پر ضرور کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ انداز جوشِ محبت کا مظہر ہوتا تھا۔

دربارِ رسالت کا طمطراق

آپ ﷺ کا دربار آپ ﷺ کی مسجد ہی تھی مسجد ہی عدالت تھی، مسجد ہی مدرسہ تھی، مسجد ہی مہمان خانہ تھی۔ مسجد ہی کچہری تھی۔ مسجد ہی درس

اِرشاد کا گہوارہ تھی اور مسجد ہی دربار تھی۔

صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے لیے مسجد میں ایک طرف ایک چھوٹا سا مٹی کا یہ چبوترہ بنادیا تھا۔ آپؐ اِس پر جلوہ افروز ہوتے اور چاروں طرف صحابہ کرامؓ حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ کوئی امتیاز نہ تھا باہر سے آنے والے شناخت بھی نہ کر سکتے تھے کہ شمعِ محفل کون ہے!

اکثر قبائل کے بدّو آتے اور وحشیانہ طریق اور انداز میں گفتگو کرتے مگر آپؐ پرواہ بھی نہ کرتے۔

تعلیم و اِرشاد کی صحبتیں صبح کے وقت منعقد ہوتیں۔ ہر قسم کے مسائل پر گفتگو ہوتی۔ یوں تو ہر نماز کے بعد آپؐ کچھ دیر کے لیے بیٹھتے، وعظ فرماتے۔ بڑی بڑی مؤثر زوردار اور معرکہ آرا تقریریں کی جاتیں۔ پند و نصائح کے مبحث پر تیسرے روز گفتگو ہوتی۔ تجارت و زراعت با عنبانی معاشں، سیاست صنعت حربیات ملکی نظم و نسق روحانیت اور معاد سب پر بحثیں، گفتگوئیں اور وعظ ہوتے۔ اکثر لوگوں کے آنسو نکل پڑتے۔ کبھی کبھی ہلکا سا ظریفانہ رنگ بھی پیدا ہو جاتا تھا۔

دربارِ رسالت کا علمی شکوہ دقیق اور عسیر الفہم مسائل و موضوعات پر آپؐ گفتگو پسند نہیں فرماتے تھے کہ عوام اُسے سمجھ نہ سکتے تھے۔ ایک روز تقدیر پر بحث چھڑی ہوئی تھی۔ آپؐ سُن کر حجرے سے نکل آئے اور خفگی کے ساتھ

فرمایا :

"تم قرآنِ مجید کو باہم ٹکرانے کے لیے تو پیدا نہیں کیے گئے ہو۔ گزشتہ اقوام اسی عمل کی وجہ سے برباد ہوئیں۔"

لوگ شہرت طلبی کو بالعموم خلوصِ عمل کے مخالف سمجھتے اور خیال کرتے تھے لیکن آپ نے فرمایا کہ :

"جب کوئی ثواب کا کام کرے گا تو شہرت لازماً ہوگی اور مقصد صرف ثواب ہونا چاہیے۔"

تقدیر کے متعلق عام خیال تھا کہ یہ اٹل ہے لیکن حضورِ اکرم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ :

"اعمال تو خود تقدیر ہیں کیوں کہ اللہ تعالےٰ جن اعمال کے کرنے کی توفیق دیتا ہے وہی تقدیر ہے۔"

ایک روز ایک جنازہ کے قریب آپ نے چھڑی سے زمین کو کُرید کر کہا کہ :

"کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کی جگہ پہلے سے جنّت یا دوزخ مُقرّر نہ ہو چکی ہو۔"

ایک صاحب نے عرض کیا کہ :

"پھر عمل کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیوں نہ تقدیر ہی پر توکُّل کر کے بیٹھ رہا جائے کہ جو مُقدّر میں ہوگا وہی نصیب ہوگا۔"

آپؐ نے فرمایا کہ :

"سعادت مند وہ ہیں جنھیں سعادت مندانہ عمل کی توفیق عطا ہوئی ہے نیز بدبخت وہی ہیں جن کے لیے شقاوت کے اسباب جمع ہوتے چلے جاتے ہیں۔"

اِس قسم کی مختلف بحثیں فرزندانِ توحید کے درمیان اکثر اور برابر ہوتی رہتی تھیں۔

دربارِ رسالت کی چمن افروزی

ایک صحابی نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضورؐ! مَیں تو تباہ ہو گیا برباد ہو گیا۔

دریافت فرمایا کہ کیا ہُوا ؟

عرض کیا کہ آج مَیں روزہ سے تھا کہ اپنی بیوی سے ہم بستر ہونے کی غلطی کر بیٹھا۔

ارشاد فرمایا کہ پھر کیا ہُوا۔ جا اور ایک غلام کو آزاد کر کے اِس گناہ کا کفّارہ ادا کر دے۔

عرض کیا کہ میرے پاس غلام نہیں ہے۔ غریب ہوں۔

ارشاد فرمایا کہ پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

عرض کیا کہ حضورؐ ! مجھ میں تو اتنی بھی طاقت نہیں ہے۔

اِسی اثناء میں کہیں سے بہت سی کھجوریں آگئیں۔ آپؐ نے سب کی سب کھجوریں اُسے دے کر ارشاد فرمایا کہ یہ کھجوریں لے جا

Marfat.com

اور انھیں مساکین میں تقسیم کر دے۔

اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ پر میرے ماں باپ قربان! مجھ سے زیادہ غریب تو مدینہ بھر میں بھی نہیں ہوگا۔

اس پر آپؐ کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ ارشاد فرمایا کہ اچھا جا تو ہی اُٹھالے جا اور خود ہی گھر جا کر کھالے۔

ایک بار آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"ایک شخص نے جنّت میں کھیتی بونے کی آرزو کی۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا ابھی آرزو باقی ہے؟ عرض کیا ہاں! اتنی کہ اِدھر بوؤں اور اِدھر کاٹوں۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔"

یہ سُن کر ایک بدّو نے کہا کہ یہ سعادت تو پھر صرف انصار ہی کو نصیب ہو گی، کیوں کہ ہم تو زراعت سے قطعی ناواقف ہیں۔

آپؐ اس پہ ہنس پڑے۔

ایک اندھے نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کیا مَیں بخشا جاؤں گا؟

آپؐ نے ازراہِ مذاق ارشاد فرما دیا:

"نہ بھئی یہ تو نہیں ہو سکتا کیوں کہ اندھا تو کوئی بھی بہشت میں داخل نہ ہونے پائے گا۔"

Marfat.com

یہ سن کر وہ اندھا رونے لگا اور سب کو ہنسی آگئی اور کہا :

"ارے روتا کیوں ہے۔ سمجھتا نہیں ہے کہ آنکھیں پاکر ہی بہشت میں داخل ہوگا۔"

یہ سُن کر وہ خوش ہوگیا۔

اسی طرح ایک بڑھیا آکر پوچھتی ہے کہ

"کیا مجھے بھی جنّت ملے گی ؟"

ارشاد فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنّت میں نہیں جائے گی۔"

یہ سن کر بڑھیا مایوس ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے یہ دیکھ کر آپؐ مسکرائے اور ارشاد فرمایا کہ :

"رومت ! جنّت میں ہر عورت جوان بن کر داخل ہوگی۔"

وہ یہ سُن کر ہنسی اور تمام لوگ بھی ہنسنے لگے۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ جیسا خیال کرتے ہیں آپؐ کا دربار یبوست کا پیکر نہ تھا بلکہ اس میں زندہ دلی و شگفتگی کے مظاہر بھی اکثر دیکھنے میں آتے تھے۔

دربارِ رسالت کے شاہانہ فرائض

دربار کیا تھا ایک فیضِ قدس تھا۔ لوگ بڑی بڑی بصیرتیں یہاں سے حاصل کرتے تھے۔

ایک روز ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری عجیب حالت ہے کہ

Marfat.com

جب تک مَیں دربار میں آپؐ کی صحبت میں رہتا ہوں مجھے ساری دُنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے لیکن جب مَیں یہاں سے رُخصت ہو کر اپنے اہل و عیال کے پاس گھر جاتا ہوں تو یہ کیفیّت ختم ہو جاتی ہے اور اہل و عیال کی محبّت میں کھو جاتا ہوں۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا :

"اگر تم پر گھر میں بھی وُہی کیفیت طاری رہتی تو فرشتے تمھاری زیارت کو آنے لگتے۔"

اسی طرح حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ :

"یا رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کہیں مَیں مُنافق تو نہیں ہوگیا ؟ کیوں کہ جب تک مَیں دربار میں مَوجُود رہتا ہُوں تو حشر و نشر کا نقشہ میرے سامنے رہتا ہے جب گھر جاتا ہُوں تو بال بچّوں میں بیٹھ کر سب کچھ بھُول جاتا ہُوں۔"

حضُور نبیِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دربار سے جاکر بھی تمھاری حالت وُہی رہتی تو ملائکہ تُم سے مُصافحہ کرتے۔

عورتیں بھی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا کرتی تھیں لیکن عام مَردوں کے سامنے کھُل کر بات نہ کر پاتی تھیں۔ اُنھوں نے مطالبہ کیا تُچناں چہ ہفتہ میں ایک دن صرف عورتوں کے لیے مُقرّر ہو گیا۔ وہ اِس دن

کثیر تعداد میں جمع ہوتیں۔ ہر قسم کی بحث میں حصّہ لیتیں۔ مسائل دریافت کرتیں اور معلومات حاصل کرتیں۔

تصوّف و رُوحانیات کی مجلس خاص اصحاب پر مشتمل ہوتی تھی اس کی باتیں عام نہ کی جاتی تھیں۔ اس میں عرفان و اَسرارِ سرمدی کے راز آشکار ہوتے تھے اور وجد و حال کے رُموز عیاں کیے جاتے تھے۔ یہیں سے عساکر مُرتّب ہوکر جاتے تھے۔ یہیں سے فرمان صادر ہوتے تھے۔ یہیں سے کلکٹروں اور گورنروں کا تقرّر عمل میں لایا جاتا تھا۔ خراج و جزیے وصُول ہوکر یہیں آتے تھے۔ یہیں مقدّمات فیصل ہوتے تھے اور یہیں سے خطابات خلعت اور وظائف تقسیم کیے جاتے تھے۔

یہ تھا دربارِ رسالت جس سے بہتر اور شاندار دربار نہ کبھی پُشتِ زمین پر آراستہ ہُوا تھا اور نہ ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

پُرشکوہ حج

حجۃ الوداع کی عظمت

ذی الحجہ ۱۰ھ ہجری کا حج سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک مہتم بالشان اور آخری حج تھا۔ اسی لیے اربابِ سِیَر اس حج کو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اسے حجۃ البلاغ بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس حج کے اجتماعِ عظیم کے سامنے آخری طور پہ حج کے ارکان عملی طریق پر قوم کے سامنے پیش کیے گئے۔ اور پورے عرب کے سامنے شریعتِ اسلامیہ کے وُہ نکات جو فرزندانِ توحید کی بہتری و بہبُود کے ضامن تھے آخری مرتبہ واضح کر دیے گئے۔

اِس حج کا نام حجۃ التمام والکمال اس لیے رکھا گیا کہ اِسی حج میں شریعتِ اسلامیہ کی تکمیل عمل میں آئی اور اسی اجتماع میں آپؐ پر سب سے آخری وحی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی صورت میں نازل ہو کر نزولِ وحی کا سلسلہ دوامی طور پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بند کر دیا گیا۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ ان سرگانہ امور نے اس حج کی اہمیت کو کس قدر بے پناہ بنا دیا ہوگا۔ راز داران خاص تو سورۂ فتح کے نزول کے ساتھ ہی سمجھ گئے تھے کہ عرب کی کایا پلیٹ ہو گئی۔ شرک و اصنام پرستی کے بجائے عرب کے گوشے گوشے سے اللہ اکبر کی غلغلہ انداز اور ایمان افروز صدائیں بلند ہونے لگیں اور فرزندان توحید نیابت الٰہی کے اہل بن کر پوری دنیا پر تسلط جمانے اور اس پر قانون الٰہیہ کے مطابق خلافت و فرماں روائی کرنے کے لیے تیار ہو چکے۔ کام ختم ہو چکا اور اب سرکار دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے دنیا میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔

یہ راز دوش ہوا پر سوار ہو کر ایک عالم کے گوش گزار ہو چکا تھا۔ عمّال کو بھی فرمان پہنچ چکے تھے کہ اس حج میں زیادہ سے زیادہ اصحاب کو حج کے لیے بھیجیں۔ چناں چہ یہی وجہ تھی کہ اس حج میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب افراد شریک تھے۔

جلوس رسالت کا پُر شکوہ کوچ

رسول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی طرف سے ایک ماہ پہلے ہی حج کا ارادہ ظاہر کر دیا گیا تھا جس کا یہ نتیجہ تھا کہ عرب بھر میں ایک دھوم مچ گئی تھی۔ اور اطراف و اکناف عرب سے لوگ شرف معیّت و حج کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے اور روانگی سے پیشتر ہی پیشتر تقریباً ایک لاکھ حاجیوں کا اجتماع تنہا ایک مدینہ کے اندر ہو چکا تھا

ہر طرف اس حج کا ایک شور مچا ہوا تھا۔ ہر جگہ یہی چرچے تھے۔ ہر سینہ شوق سے لبریز تھا۔ جوش و خروش کے ساتھ سیلاب امڈے ہوئے تھے۔ ہر طرف اور ہر سمت سے قافلے تکبیر کی صداؤں سے گنبدِ افلاک میں گونج پیدا کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

آخر کار آپؐ روزِ مقررہ پر اللہ اکبر کے سامعہ نواز شور میں ناقہ پر سوار ہوئے اور ارضِ عالم کا یہ فقید المثال اور فقید النظیر جلوس بیت اللہ شریف کی طرف عازم سفر ہوا۔

جلوس کے جنبش میں آتے ہی آپؐ نے

"لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ

لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکُ

لَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ"

پڑھنا شروع کر دیا۔ کبھی آپؐ کی آواز بہت بلند ہو جاتی اور کبھی نرم رہتی۔ جس وقت زبان مبارک پر "لبیک" آتا پورا اجتماع بڑے زور کے ساتھ اس کا اعادہ کرتا۔

عجیب جلوس تھا یہ۔ عجیب جلیس اور عجیب کیف تھا اور عجیب سرور۔ عجیب جوش تھا اور عجیب نظارہ۔ دشت و جبل پڑے گونج رہے تھے اور کوہستانوں میں شور پڑا ہوا تھا۔ وادیوں میں ہنگامہ پیدا ہو رہا تھا۔ ملائکہ میں شور مچا ہوا تھا۔ زمین و آسمان گونج رہے تھے۔ "جلوس اتنا کثیر و عظیم الشان جلوس اور پھر تکبیر کے ساتھ اور

Marfat.com

قدوسیوں پر مشتمل عرب کیا دُنیا بھر نے کہاں دیکھا تھا۔ راہ میں ادھر اُدھر کے قبائل بھی آ آکر شامل ہوتے گئے۔

مکہ والوں کی فراوانیٔ مسرت

نو دن میں یہ حزب اللہ پوری شور انگیزیوں اور غلغلہ اندوزیوں کے ساتھ پیکرِ عظمت بنا ہوا مکہ معظمہ کے قریب پہنچ گیا۔ مدینہ کے جلوس میں بنی نجار اپنے نواسے کی پُر بہار آمد پر فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے اور ان کی بچیاں گیت گاتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئی تھیں۔ اور مکہ میں بنو ہاشم کے انبساط و شادمانی کی کوئی حد نہ رہی تھی کہ آج ان کا آفتاب اپنی پوری طلعت ریزیوں، اور درخشانیوں کے ساتھ اُفقِ مکہ پر طلوع ہو رہا تھا جس کے جلو میں اس وقت ڈیڑھ لاکھ نورانی شعاعیں جگمگا رہی تھیں۔ ہاشمی بی بیاں فراوانیٔ سرور میں حمدِ ربانی کے ترانے گنگنا رہی تھیں۔ بچیوں کے شوق و اضطراب کی کوئی انتہا نہ رہی تھی وہ خوشی میں سرشار اِدھر اُدھر اُچھلتی کودتی پھر رہی تھیں۔ ہاشمی لڑکے گھروں سے بے تابانہ نکل کھڑے ہوئے تھے اور وفورِ فخر سے اُن کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔ مکہ والوں کے اشتیاق و آرزو کا ایک سیلاب تھا جو اُمڈا چلا آرہا تھا کہ آج ان کا فرزندِ جلیل بے شمار مخلوق اور عظیم الشان انسانوں کو لیے ہوئے ان کے گھر میں اللہ تعالےٰ کے سامنے سر جھکوانے کے لیے بڑھا چلا آرہا تھا۔ مکی زن و فرزند

Marfat.com

خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ مکّہ کا چمن کھلا ہوا تھا۔ ہاشمی بچّے آگے بڑھ آئے تھے۔ قربان ہو رہے تھے۔ آپؐ نے بھی جوشِ محبّت سے انھیں اپنے ناقہ پر آگے پیچھے بٹھالیا۔

شہر میں داخل ہوتے ہی کعبہ پر جو نظر پڑی تو جھوم اُٹھے، اور دُعا کی کہ :

"بارِ الٰہا ! اِس گھر کو اور زیادہ عزّ و شرف عطا فرما !"

غرض یہ کہ آپؐ نے ایک ایک کر کے تمام ارکانِ حج ادا کیے۔ کعبہ شریف کا طواف کیا اور عرفات میں چلے آئے۔

پیغمبرانہ شکوہ و طمطراق

سہ پہر کو خیمہ سے نکل کر میدانِ عرفات میں آئے۔ نگاہ اٹھا کر جو دیکھا تو حدِّ نظر تک مشتاقانِ زیارت کے پرے کے پرے لگے ہوئے نظر آئے۔ انسانوں کا ایک جنگل تھا جو دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ ڈیڑھ لاکھ کی تعداد میں ہر حیثیت، ہر رُتبہ اور ہر درجہ کے لوگ شامل تھے جو ایک ہی رنگ، ایک ہی لباس، ایک ہی ڈھنگ اور ایک ہی انداز میں شوقِ للّٰہیت کی ایک دُنیا اپنے سینوں میں لیے ہوئے سر جھکائے مؤدّب کھڑے تھے۔

اب دیکھیے ! فرماں روائے جلوس کی کیا شان ہے۔ ناقہ پر کوئی زر و جواہر سے مرصّع کجاوہ نہیں، زرتار و دیبا قاقم کا پالان نہیں پڑا ہوا، کوئی نگارین تاج فرقِ مقدّس پر نہیں جگمگا رہا۔ چترِ شاہی

بھی نظر نہیں آتا۔ نہ اتنے بے شمار و کثیر مجمع کے انتظام کے لیے کوئی پولیس ہے نہ تزک اور نہ احتشام، نہ تزئین ہے نہ آرائش۔ ایک بہت معمولی سا کجاوہ ہے جس پر آپ ایک قدوسی عظمت اور شاہانہ نہیں بلکہ پیغمبرانہ شکوہ سے متمکن ہیں۔ سامان کی قیمت بہت ہو گی تو زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو روپیہ اس سادگی و بے سروسامانی کے ہجوم میں رعب و ہیبت کا وہ عالم تھا کہ کسی کی نگاہیں اونچی نہیں ہو پا رہی تھیں اور کسی کا زہرہ نہ تھا جو دم مارنے کا خیال بھی دل میں لا سکے۔

باری تعالیٰ کی حمد و ستائش کا ترانہ

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی کجاوہ پر بیٹھے بیٹھے ڈیڑھ لاکھ انسانوں کے اجتماعِ عظیم کے سامنے پیغمبرانہ صولت کے ساتھ ایک طویل حقائق آلود بصیرت افروز اور معرکہ آرا تقریر کی اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

"تمام ستائشوں تمام تعریفوں اور تمام محامد و محاسن کی حقیقی سزاوار صرف ذاتِ احدیت ہے کہ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ سہیم۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا و یگانہ ہے۔ ہم اسی سے اپنے نفس کی بدآموزیوں اور شر انگیزیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ اسی سے رجوع کرتے ہیں۔ اس کی طاقتیں بے پناہ

Marfat.com

اور اس کی قوتیں بے شمار ہیں جسے وہ ضلالت و گمراہی میں دھکیلنا چاہے اُسے کوئی ہستی بھی محفوظ نہیں رکھ سکتی اور جسے وُہ سعادت اور ہدایت عطا کرے اُس کو ارض و سما کی تمام قوتیں بھی مل کر گمراہ نہیں کر سکتیں۔ مَیں اُس کا محض ایک بندہ اور پیغمبر ہوں اور اسی حیثیت سے مَیں تمھیں پھر متنبّہ کرتا ہوں تاکید کرتا ہوں کہ اُس ذاتِ باری تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہو، اُسی کی عبادت کرو، اسی سے مدد مانگو اور نیک راہ اختیار کیے رہو۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہایت جوش و خروش اور ولولہ کے ساتھ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

مساواتِ ملّی کا درسِ جلیل

"حاضرین! مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیا صورت پیش آئے۔ مَیں اس سال کے بعد تمھیں پھر اس جگہ مل سکوں یا نہ مل سکوں اس لیے آج مَیں تم سے جو کہنا چاہتا ہوں اُسے غور سے سنو ذہن نشین کر لو! دیکھو اور سنو! آج مَیں قیامت تک کے لیے تم پر ایک دوسرے کا خون، ایک دوسرے کا مال اور ایک دوسرے کی عزّت حرام کرتا ہوں۔ اسی

Marfat.com

طرح جس طرح کہ یہ شہر یہ دن اور یہ مہینہ حرام ہے
جاہلیت کے تمام دساتیر و رواج آج میرے پاؤں
کے نیچے پڑے سسک رہے اور دم توڑ رہے ہیں
میں انھیں کچل رہا ہوں۔ دَورِ فخر و کبر مٹ گیا اب
نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی عجمی کو
کسی عربی پر۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم محض ایک
خاک کے پتلے ہیں۔ تمام کلمہ گو تمام فرزندانِ توحید تمام
مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ ہاں سُن لو! سمجھ لو! میں
غلاموں کے متعلق کہہ رہا ہوں کہ جو خود کھاؤ اور پہنو!
انھیں بھی وہی کچھ کھلاؤ اور پہناؤ۔ میں آج دورِ جاہلیت
کے تمام خونوں اور تمام انتقاموں کو باطل کرتا ہوں
اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان سے ربیعہ بن
الحرث کے بیٹے کا خون چھوڑتا اور معاف کرتا ہوں
اور اس کو باطل کرتا ہوں اور میں دَورِ جاہلیت کے
سود کو بھی کالعدم کرتا ہوں اور اس باب میں بھی
میں ہی سب سے پہلے آگے بڑھ کر اپنے خاندان
میں سے عباس بن عبدالمطلب اپنے چچا کا سود
چھوڑتا ہوں۔ اب انتقام خون اور سود کے تمام
تصورات کو مٹا کر رکھ دو۔"

Marfat.com

قرآن پر عمل اور نسوانی حقوق پر زور

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تقریر کے دوران عورتوں کے حقوق اور قرآن مجید کے متعلق ارشاد فرمایا کہ :

"لوگو ! بھول نہ جانا جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق بھی تم پر ہیں۔ ان کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور دیکھو کان کھول کر سن لو ! میں تمہارے پاس ایک بے حد گراں مایہ چیز چھوڑے جاتا ہوں اگر تم نے اسے مضبوطی اور استواری کے ساتھ پکڑے رکھا تو خدا نے چاہا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے کبھی ٹھوکر نہ کھاؤ گے اور یہ گراں مایہ چیز قرآن مجید ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہر حق دار کو وراثت میں حق دیا ہے۔ اب کسی کے حق میں وصیت جائز نہیں اور بیٹا بھی اسی کا بیٹا کہلائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا ہے۔ تبنّیت کوئی شے نہیں۔ زناکار و زانی کا لڑکا زانی کے لیے پتھر ثابت ہو گا۔ اس کا حساب خدا کو دینا ہو گا اور اس کے سامنے ضرور پیش ہونا اور اپنے تمام اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔ جو شخص اپنے باپ کے سوا

Marfat.com

خود کو اور کسی نسب سے منسوب کرے یا اسی طرح جو غلام خود کو دوسرے کا غلام بتائے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے اور جس پر جس کا قرض ہے ادا کر دے۔ عاریتاً لی ہوئی چیزیں ان کے مالک کو واپس کر دینی چاہئیں اور جو ضامن ہوا ہے وُہ ضمانت و تاوان کا ذمّہ دار ہے۔"

ضلالت و گمراہی سے انتباہ

حضورؐ نبی اکرم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے اپنی تقریر کے سلسلہ کو اسی جوشِ جذبات اور نہایت روانی کے ساتھ جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"لوگو! دیکھو! میں پھر تمھیں متنبّہ کرتا ہوں کہ کہیں میرے بعد تم گمراہ ہو کر خانہ جنگی نہ شروع کر دینا ایک دوسرے کا گلا خود ہی نہ کاٹنے لگنا۔ ہر شخص اپنے کیے کا خود ذمّہ دار ہے اسی سے محاسبہ ہوگا اور ہاں دیکھو اگر کوئی نکٹا حبشی غلام بھی تمھارا امیر یا فرماں روا ہو، اور وہ تمھیں خدا کے کلام کے مطابق چلائے تو اُس کی بھی پوری اطاعت کرنا تمھارا فرض ہے۔

Marfat.com

تمھارے اِس شہر میں اب قیامت تک شیطان کی پُوجا نہ ہوگی۔ وہ اِس سے مائُوس ہو چکا ہے۔ لیکن جُزوی و فروعی اُمور میں تم ضرور اس کا اِتباع کرنے لگو گے اور وہ اسی سے خُوش ہوگا۔"

اِس کے بعد آپؐ نے پابندیٔ صوم وصلوٰۃ پر زور دیا اور پھر پُوچھا:

"حشر کے دن تم سے میرے کام کی نسبت سوال کیا جائے گا تو بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟"

پُورے مجمع سے صدائیں بلند ہوئیں کہ:

"ہم جواب دیں گے اور اِس بات کی شہادت دیں گے کہ آپؐ نے اپنا فرض بہ طریقِ احسن ادا کر دیا اور خدا کا پیغام قوم تک پہنچا دیا۔"

یہ سُن کر آپؐ نے تین مرتبہ آسمان کی طرف انگلی اُٹھا کر کہا:

"یا اللہ! تو گواہ رہنا!"

عین اُسی وقت اسی حالت میں یہ وحی نازل ہوئی:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔"

یہ بھی ایک عجیب اور مُؤثر نظارہ تھا۔

کامیاب نبوت کا کامیاب کارنامہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی یہ تقریر مُبارک

Marfat.com

سیرت ابن ہشام اور تاریخ یعقوبی میں تمام و کمال درج ہے اور تمام فصحائے عرب اور اربابِ سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تقریر فصاحت و بلاغت، اندازِ بیان اور زور دار الفاظ و معانی کے اعتبار سے نہایت معرکہ آرا تقریر تھی اور اس درجہ مؤثر کہ اس تمام دوران میں پورے کے پورے اجتماع پر پورا سکوت طاری رہا اور سب نے اسے نہایت توجہ اور عقیدت کے ساتھ سنا۔

تقریر کیا تھی !

تکمیلِ مذہب اور تکمیلِ نبوت کا ایک پیغام تھا۔

ضروری اور انفرادی طور پر تمام اوامر و نواہی واضح کر دیے گئے تھے۔ پھر بھی ضرورت تھی کہ آخری مرتبہ اجتماعی طور پر تمام نمائندگانِ عرب کے سامنے احکام واضح کر دیے جائیں اور آخری الفاظ قرآن کی اہمیت اور انتقام و سود، فخر و امتیاز، اخوت و مساوات اور عورتوں اور غلاموں کے حقوق کے متعلق مؤثر انداز میں کہہ دیے جائیں۔ چناں چہ کہنے کے بعد ہی تکمیلِ دین کی بشارت بھی مل گئی۔ ذرا یہ نظارہ چشمِ تصور کے سامنے لائیے کہ چوبیس سال کی رسالت و تبلیغ کے نتائج نظر کے سامنے ہیں۔ ڈیڑھ لاکھ قدوسیوں کا اجتماعِ عظیم سامنے ہے۔ دُور دُور سے قبول و اعتراف کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں ہر طرف انوار برس رہے ہیں اور آفتابِ نبوت ان میں جگمگا رہا ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم !

اعداد ازکتاب بھیرور

یگانۂ روزگار فرماں روا

شاہانہ خصائص و لوازم

مغربی مؤرخین رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک دُنیا دار بادشاہ بتاتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں کہ مکی زندگی میں تو آپ کے اندر پیغمبرانہ شان موجود تھی مگر مدینہ آکر بادشاہ بن گئے۔

اس اعتراض کا جواب دینے سے پیشتر دیکھنا یہ ہے کہ شاہانہ زندگی کی خصوصیتیں کیا ہیں؟ جو ہر قوم اور ہر ملک میں مشترک ہیں۔ شان و شکوہ، نمود و نمائش، شکوہ و جلال، شہرت و نام وری کا عشق، زرق برق گراں بہا ملبوسات، لذیذ و متنوع اغذیہ، رفیع الشان محلات، تخت و تاج، زہرہ جمال اور حور پیکر نازنینوں کے جھرمٹ اور اُن کی قربت، معاندین سے انتقام، سلب و نہب خزانہ ہائے زر و جواہر، شوقِ ملک گیری اور جنگ و پیکار کا تسلسل، یہ وہ خصوصیات ہیں جو معمولی سے معمولی فرماں رواؤں میں بھی ممیز و نمایاں ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بھی یہ خصوصیات ہیں اور کہاں تک موجود ہیں۔

Marfat.com

معترضوں اور مخالفوں کو جب یہ اللہ کا جلیل القدر نبی میدانِ جنگ میں فوجوں کو لڑاتا، قوموں کی قسمت کے فیصلے کرتا، شہروں اور علاقوں کو اپنے قبضے میں لاتا، بنو قریظہ فطرت کے قبائل کو یادگار سزائیں دیتا ہُوا دکھائی دیتا ہے تو اس کی زندگی نہایت مصروف نظر آتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ایک ہی ہستی ہے جو بہ یک وقت سپہ سالار بھی ہے اور مُقنّن بھی۔ مُعلّم بھی ہے اور جج بھی اور پھر فرماں رَوا بھی ہے جس کے حرم میں نَو بیویاں بھی ہیں تو وُہ فوراً اور بلا سوچے سمجھے اور غور کیے بغیر ہی پُکار اُٹھتے ہیں کہ :

" محمّد (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نبی نہیں بادشاہ تھے۔" نعوذ باللہ منہا

تو اِس سے اِن مخالفین و مُعترضین کا مقصد محض اسلام دشمنی کے تحت یہی ہوتا ہے کہ دُنیا والے اسلام کی طرف مائل نہ ہوں۔ اسلام کو ایک سچّا مذہب نہ سمجھیں اور یہ خیال کریں کہ :

> عرب میں جو کچھ بھی ہُوا وُہ دینِ الٰہی کے پھیلانے کے لیے نہیں ہُوا بلکہ اپنے ذاتی مفاد اور ذاتی علوِّ فرماں رَوائی کے شوق کی تکمیل کے لیے ہُوا۔

اَولاد و اَقارب اور سلطنت

دُنیا کا کوئی ایک بادشاہ اور فرماں رَوا بھی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی اولاد و اقربا کو اپنی سلطنت کی ملکیّت میں شریک نہ کیا ہو' اور اپنے بعد اپنی سلطنت سے اپنی اولاد کو محرُوم کر گیا ہو۔ سب ہی نے ترکہ

میں اپنی اولاد کے لیے وسیع سلطنت چھوڑی اور اسے زندگی ہی میں اپنا وارث قرار دے لیا۔

اگر رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ان تمام بادشاہوں کی طرح بادشاہ ہوتے تو اپنی بیٹی، بیویوں، داماد اور چچا کو ان حقوق سے کبھی محروم نہ چھوڑتے۔

وصال کے وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ الکریم سے کہا بھی کہ اِس وقت موقع ہے اِس لیے اپنی خلافت کے لیے آپؐ سے کوئی بات طے کرالو!

لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے متحمل اور نہایت دُور اندیش انسان تھے۔ انھوں نے کہا کہ:

"میں ہرگز ایسا نہ کروں گا اگر کہیں حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تو پھر ہم ہمیشہ ہی کے لیے حقِ خلافت سے محروم ہو جائیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپؐ کے رازدارِ خاص اور طبع شناس تھے اور اچھی طرح یہ بات جانتے اور سمجھتے تھے کہ حضورِ پُرنور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کبھی اپنے اعزّا کو کوئی حق ہرگز خود نہ عطا کریں گے اس سے بھی زیادہ یہ بات مُسلّم الثّبوت تھی کہ آپؐ نے تو اپنی جان سے زیادہ پیاری اور محبوب ترین بیٹی خاتونِ جنّت حضرت فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو مالِ غنیمت سے ایک کنیز بھی عطا کرنا گوارا نہ کیا۔

کیا دُنیا میں کوئی بھی ایسا فرماں رَوا گزرا ہے کہ وہ دُوسروں کو تو کنیزیں غلام اور دَولت کے اَنبار تقسیم کر رہا ہو، اور خود اُس کی اپنی بیٹی گھر میں بیٹھی چکیاں پیس رہی ہو، اور اُس کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہوں۔ کنویں سے خود پانی کے مشکیزے بھر بھر کر لا رہی ہو اور اس کے کندھوں پر سیاہ نشان پڑ گئے ہوں، اُس کے جسمِ اقدس پر تین کپڑے بھی ثابت نہ ہوں اور جس کے گھر کی حالت یہ ہو کہ دو دو مہینے گھر میں چولہا نہ سلگتا ہو، اور گھر میں تین تین وقت کے فاقے رہتے ہوں۔ تو یہ کام ہرگز کسی دُنیا دار بادشاہ کا نہیں ہو سکتا بلکہ یہ نبی اکرم علیہ السّلام ہی کا شیوہ ہے۔

مال و منال اور سلطنت

شاہانِ وقت تو دولت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اپنے خزانے بھرتے چلے جاتے ہیں لیکن آپؐ کی یہ حالت تھی کہ جب مال باہر سے آیا ہے اُسی وقت اُسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

ایک دن حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھتے ہیں جو اُن کے والد حضرت ابوبکر صدیق کے عطا کردہ ہوتے ہیں تو آپؐ اس پر ناگواری کا اظہار فرماتے ہیں اور اُن کنگنوں کو فوراً اُتروا دیتے ہیں اور آئندہ پہننے سے بھی منع فرما دیتے ہیں۔

Marfat.com

بیٹی کے گلے میں طلائی ہار دیکھ کر بھی غصہ پیدا ہوتا ہے اور جب تک یہ ہار گلے سے اتر نہیں جاتا آپ کو اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔

ایک ایک وقت میں ہزاروں روپیہ اور ہزار ہا بکریاں اور اونٹ اور سینکڑوں غلام اور کنیزیں تقسیم کرتے ہیں۔ قیدیوں اور اسیران جنگ تک کو جنین میں جوڑے اور چادریں تقسیم کیں مگر گھر والوں کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ صاف فرما دیتے تھے کہ پہلے میں غریب مسلمانوں کا خیال کروں گا پھر دیکھا جائے گا۔

ایک دفعہ آپ جنگی اسیروں کو جن میں غلام بھی تھے اور کنیزیں بھی تھیں مسلمانوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجبور کرنے پر حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شفیق باپ سے جا کر عرض کیا:

"ابا جان! دیکھیے چکی پیستے اور روٹیاں پکاتے پکاتے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں گھر کے کام کاج کے لیے ایک لونڈی مجھے بھی عطا فرما دیجیے!"

آپ صاف انکار کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

"یہ نہیں ہو سکتا کہ تمھیں دے دوں اور اصحاب صفہ کا خیال نہ کروں۔ اگر ان سے کچھ بچ گیا تو تمھیں بھی مل جائے گا۔"

مگر کسی سے کچھ بچتا ہی کب تھا۔ حالاں کہ یہ وہ بیٹی ہے جس سے

آپؐ بے پناہ محبت رکھتے تھے۔

کیا کسی بادشاہ کے گھر میں بھی یہ حالت دیکھی گئی ہے۔ یہ کام بادشاہ کا نہیں نبیؐ ہی کا ہے۔

محل و قصر اور سلطنت

بادشاہ کیا چھوٹے چھوٹے راجے اور نوّاب بھی شاندار محلات میں رہتے ہیں جو ہر قسم کے آرائشی سامان سے مزیّن و آراستہ ہوتے ہیں۔ اُس وقت بھی ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور عتبہ بن ربیعہ بڑے بڑے اور شاندار محلات میں زندگی بسر کرتے تھے اور ہر قسم کا آرائشی سامان اُن کے کاشانوں میں موجود تھا لیکن آپؐ کے محل کی حالت کیا تھی؟ کچی اینٹوں اور کھجور کے پتّوں کے جھونپڑے میں رہتے تھے جس میں کھرے بان کی ایک کھٹیا، ایک بوریا، چند لکڑی اور مٹّی کے برتن اور چمڑے کی ایک مشک کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ کپڑے کی چھت گیری لگا کر کمرے کی آرائش کا سامان کرنا چاہا مگر آپؐ برہم ہوئے اور فوراً چھت گیری کو اُتروا دیا۔

یہ کام بادشاہ کا نہیں صرف نبی کا ہے۔

باغی اور سلطنت

کسی نیک سے نیک بادشاہ نے بھی کبھی باغیوں اور دشمنوں کو نہیں بخشا اور نہ اُن کا بخشنا آئینِ سیاست اور اصولِ ملکی کے

مطابق و موافق ہے۔ ہر زمانہ، ہر دَور اور ہر مذہب میں باغیوں کی گردنیں ماری جاتی رہی ہیں اور بنو قریظہ جیسے انتہائی اشرار، عقبہ جیسے انتہائی شیطان خصلت انسانوں کی گردنیں آپؐ کے سامنے بھی اُڑائی گئیں کہ یہ لاعلاج معاند تھے اور مکرّر سہ کرّر تنبیہوں اور معاہدوں کے بعد بھی یہ اپنی حرکتوں سے کسی طرح باز نہ آتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ اِن کا وجود خود امنِ عامہ اور حیاتِ اسلام کے لیے ایک عظیم خطرہ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ یہ بد باطن لوگ دشمنوں کو علانیہ پناہ دیتے تھے تاہم اپنے باغیوں اور دشمنوں کو بالعموم آپؐ نے بخش دیا اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد تو آپؐ نے کسی کو بھی کوئی سزا نہ دی جس کی انتہا یہ تھی کہ اپنے محبوب چچا اور شہیدِ اسلام حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی اور اُن کا کلیجہ نکال کر چبا جانے والی ہندہ کو بھی چھوڑ دیا۔ معاف کر دیا اور انھیں آزادی دے دی۔ اپنی محبوب بیٹی حضرت زینب بی بی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نیزہ مار کر اونٹ پر سے گرا دینے والے ہبار کو بھی بڑی فراخ دلی کے ساتھ معاف کر دیا۔ بتائیے! کیا کوئی بادشاہ اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا رحم دلانہ سلوک کر سکتا ہے؟

مساوات اور سلطنت

مساوات اور سلاطین اور وہ بھی ذات کے مقابلہ میں کوئی نظیر بھی دنیا میں مل سکتی ہے؟ لیکن مسجدِ نبوی میں کوئی امتیاز تھا ہی نہیں۔ دربارِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں امیر و غریب سب

Marfat.com

یکساں تھے۔ آپؐ لوگوں میں اس طرح گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ اجنبی آپؐ کو شناخت ہی نہ کر سکتے تھے۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر اور غزوۂ احزاب میں خندق کی کھدائی کے وقت تمام مسلمانوں کے ساتھ مل کر آپؐ بھی برابر مزدوری کرتے رہے شاہراہوں پر کبھی اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھ کر نہ چلتے تھے۔ ایک مجلس میں آپؐ کے بائیں طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دائیں طرف ایک گنوار بیٹھا تھا۔ کچھ دودھ پیش ہوا۔ پہلے آپؐ نے تھوڑا سا دودھ پیا اور پھر آپؐ نے گنوار کو پلایا اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور ارشاد فرمایا:

"دائیں طرف والے کا حق مقدّم ہوتا ہے۔"

عدی ابنِ حاتم طائی تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں ایک غریب سی عورت نے آکر عرض کیا:

"سرکار ذرا اُٹھ کر میری بات سُن لیجیے!"

آپؐ اُٹھے اور پھر کافی دیر تک گلی میں کھڑے ہو کر اس سے باتیں کرتے رہے۔

عدی اُس وقت ابھی تک عیسائی تھے آپؐ اس واقعہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

"میں اس سے فوراً سمجھ گیا کہ یہ بادشاہ نہیں نبی ہیں۔ اور پھر میں نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔"

کیا بادشاہوں کے دربار میں کہیں یہ مساوات نظر آتی ہے؟

مُلک گیری اور سلطنت

بادشاہ ہمیشہ توسیع سلطنت اور مُلک گیری کے لیے جنگ کرتے رہتے ہیں۔ مخالفین کا سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ آپؐ نے محض فتوحات کے لیے جنگیں لڑیں اسی لیے مخالفین جنگِ بدر کی ابتدا بھی آپؐ ہی سے منسوب کرتے ہیں۔ لیکن غزوۂ اُحد میں حملہ آور کون تھا؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ جنگِ احزاب یا جنگِ خندق کس جگہ لڑی گئی اور شہر کے گرد خندق کھودنے کی ضرورت آپؐ کو کیوں محسوس ہُوئی جو عرب کی سب سے بڑی اور بے حد خوف ناک جنگ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے اپنی طرف سے کبھی جنگ کی ابتدا نہ کی تھی۔ آپؐ کی تمام جنگیں ذاتی تحفظ اور ذاتی دفاع ہی کے لیے تھیں۔ آپؐ جب بھی باہر نکلے دُشمن کو روکنے، امن قائم رکھنے اور مُسلمانوں کو بچانے کے لیے نکلے۔ آپؐ نے مُلک گیری کے لیے کبھی تلوار نہ نکالی۔ یہ نبی ہی کا کام ہے۔

عیش و آرام اور سلطنت

بادشاہ تعیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں ان کی راتیں بیگمات کے آغوش میں چھپر کھٹوں پر گزرتی ہیں۔ آپؐ کی بھی مُتعدّد بیویاں تھیں جن میں سے نہ کسی کے پاس زیور تھا اور نہ ہی ڈھنگ کا روٹی کپڑا ہی میسّر ہوتا تھا۔ بلاشبہ ان میں سے چند نہایت حسین تھیں،

لیکن آپؐ کا طریقِ کار کیا تھا ؟ :

ایک رات کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بستر پر آپؐ کو ٹٹولتی ہیں، ڈھونڈتی ہیں۔ تلاش کرتے کرتے قریب کے قبرستان کے ویران احاطہ میں جا پہنچتی ہیں تو آپؐ سجدہ میں پڑے سَجَدَ لَکَ رُوْحِیْ وَجَنَانِیْ کی رٹ لگا رہے ہوتے ہیں کہ :

" اے اللہ ! میرے جان و دل تیرے حضورؐ میں مصروفِ سجدہ ہیں۔"

آپؐ رات کو یکایک اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خشوع و خضوع طاری ہے۔ سینہ جوش سے لبریز ہے۔ پائے مُبارک کھڑے کھڑے ورم کر آئے ہیں۔ محویت طاری ہے۔ نمازِ تہجد ہر شب پڑھی جاتی ہے۔ نصف شب کو نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک رکعت میں سورۂ بقرہ اور دُوسری رکعت میں سورۂ آلِ عمران ختم کر دیتے ہیں اور پھر گھر میں چراغ بھی نہیں جلتا۔ یہ بادشاہی ہے ؟

میدانِ جنگ اور سلطنت

میدانِ جنگ میں بادشاہ جاتے ہیں۔ برابر احکام بھیجتے اور فوج کی نقل و حرکت پر پل پل نظر رکھتے ہیں۔ ذرا آپؐ سرکار کی شاہی بھی ملاحظہ کیجیے !

میدانِ بدر میں خشوع و خضوع کا ایک سیلاب اُمنڈتا ہے اور

اُدھر گھمسان پڑتا ہے تو اِدھر آپؐ بے قراری سے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دُعائیں مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں عرض کر رہے کہ یا اللہ مجھے فتح دے بلکہ یہ کہ !

"بارِ الٰہا ! اگر آج تیرے یہ تھوڑے سے بندے جنگ میں فنا ہو گئے تو پھر تُو قیامت تک نہ پوجا جائے گا۔ آج اپنا وعدہ پورا کر اور اپنی شانِ کرم دکھلا۔"

کبھی سجدے میں گرتے ہیں کبھی اُٹھتے ہیں۔ اور اسی دُعا کے الفاظ کو بار بار دُہراتے اور گریہ زاری کرتے ہیں۔

حُنین میں سب مسلمانوں کے قدم اُکھڑ جاتے ہیں لیکن آپؐ چٹان کی طرح مضبوطی سے اپنی جگہ پر تیروں کی بارش میں جمے ہوئے اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب کا رجز پڑھتے رہتے ہیں مگر اپنی جگہ نہیں چھوڑتے۔

اُحد میں دشمن کی پکار پہ ہر بار خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں لیکن جب ابُو سفیان اعلیٰ ھُبل اعلیٰ ھُبل کا نعرہ لگاتا تو آپؐ بے قرار ہو جاتے ہیں اور فوراً اپنے کسی ساتھی کو حکم دیتے ہیں کہ تم بھی یوں جواب دو :

"اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ"۔

تو یہ کیا ہے ؟ بادشاہی ہے یا نبوّت ؟ آنکھ کے نہیں بلکہ

Marfat.com

عقل کے اندھے غور کریں۔

فاتح اور سلطنت

بادشاہ جب کوئی ملک فتح کرتے ہیں تو محکوموں اور مفتوحوں پر اپنا رُعب جمانے کے لیے قتلِ عام کا حکم دے دیتے ہیں۔ معزّزین کو ذلیل کرتے ہیں اور فاتحانہ غرور سے بھر شہر میں داخل ہوتے ہیں لیکن آپؐ جب مکّہ کو فتح کر کے شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس طرح کہ سرِ نیاز سجدہ میں جُھکا ہوتا ہے۔

لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے بیٹھتے ہیں۔ ایک شخص سامنے آتا ہے اور آپؐ کی ہیبت سے لرزنے لگتا ہے۔

آپؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"مجھ سے کیوں ڈرتا ہے اللہ سے ڈر۔ میں تو ایک غریب قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہُوا گوشت بھی کھا لیا کرتی تھی۔"

کعبہ شریف کو بُتوں کے وجُود سے پاک کرتے ہیں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم کعبہ کی چابی مانگتے ہیں لیکن آپؐ انکار کر دیتے ہیں اور اصلی کلید بردار ہی کو کلید عطا فرما دیتے ہیں اور خود بھی اسے اپنے قبضہ میں نہیں رکھتے۔

آپؐ جبّارانِ قریش سے مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں جو سامنے ہی کھڑے تھر تھر کانپ رہے ہوتے ہیں کیوں کہ پُورے بیس برس

تک اُنھوں نے مسلمانوں پر زندگی اور زندگی کا ہر آرام حرام کیے رکھا تھا

"بولو! آج تمھیں مجھ سے کس سلوک کی توقع ہے؟"

عرض کرتے ہیں:

"تُو شریف ہے اور شریف بھائی ہے۔"

حکم ہوتا ہے:

"بے شک مَیں تم سے انتقام نہ لُوں گا۔ جاؤ! مَیں نے
سب کو سب کچھ معاف کیا۔ آج تم آزاد ہو۔"

ابُو سفیان جیسا خوف ناک دشمن اور خالد بن ولید اور عمرو بن العاص سب کو نوازا جاتا ہے۔ خُون کا ایک قطرہ تک نہیں بہایا جاتا۔

مکّہ فتح کر کے مدینہ واپس لوٹتے ہیں تو زندگی کا وہی عنوان ہے ٹوٹا ڈول پھٹی جُوتی سی رہے ہیں۔ کپڑوں میں پیوند لگا رہے ہیں بکری کا دُودھ دوہ رہے ہیں۔ کنیزوں اور بُوڑھیوں کا کام کر رہے ہیں۔ رُوکھی سُوکھی جو مل گئی وُہی کھا رہے ہیں۔ بے تکلّفانہ سادہ زندگی ہے۔ اس پر بھی یہ جلال ہے کہ ہر مسلمان حکم کا بندہ ہے۔

اب کہو اور ذرا سوچو کہ یہ نبوّت تھی یا بادشاہی؟

آپؐ تو آقا بھی کہلوانا پسند نہ کرتے تھے۔

کیا بادشاہ ایسے ہی ہوتے ہیں؟

Marfat.com

نادرۂ کارِ مُوحّد

ہستیِ باری تعالیٰ

کیا خدا ہے؟

دہریوں اور جینیوں کے سوا دُنیا کے ہر مذہب میں اور دُنیا کی ہر قوم میں خُدا کے وجُود کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ہر مُلک میں خُدا کے متعلق کوئی نہ کوئی تصوّر موجُود ہے۔ سب ہی لوگ خُدا کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اُسے سب سے بڑا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ جُملہ مذاہب کا مرکزی نقطہ اور محورِ خیال یہی عقیدہ ہے کہ ہدایت و نُور کا سرچشمہ خدائے تعالیٰ ہی کی ذات ہے لیکن بس اِس خیال کے بعد ان کے تصوّر کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ تفصیلات میں جا کر سب نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی ہے اور اِس تصوّر کو کچھ ایسا جکڑ دیا ہے کہ اگر شرک نہیں تو صُورت مسخ ہو کر ضرور رہ گئی ہے اور کوئی تعلیم ایسی نہیں ہے جو خُدا کا سچّا تصوّر قلوب میں قائم کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کا ایمان محض رسمی سا رہ گیا ہے اور مادی اور مغربی ہواؤں نے اِسے بھی قلب سے نکال دیا ہے۔ مذاہب میں خُدائے قدُّوس کی ہستی کے مُتعلق کسی سچّی اور کامل تعلیم کی عدم موُجودگی نے

Marfat.com

لوگوں کو بُری طرح سے شک و شبہ میں ڈال رکھا ہے۔

لاکھوں نہیں کروڑوں لوگ اِس وقت دُنیا میں ایسے بھی موجود ہیں جنھیں صرف کبھی کبھی محض یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ ممکن ہے خدا کا وجود ہو، اور ہمیں مرنے کے بعد اس کے سامنے اپنے اعمال کا حساب بھی دینا پڑے لیکن آگے بڑھتے ہیں تو پھر سب کے سب شُبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ:

اگر ہے تو کیا ہے؟

کہاں ہے؟

کیسا ہے؟

نظر کیوں نہیں آتا؟

اِن سوالات کا اُنھیں کوئی تسلّی بخش جواب نہیں ملتا اور جو ملتا ہے وُہ جواب مؤثّر نہیں ہوتا۔

بہر کیف دیگر مذاہب میں خُدا کا جو تصوّر ہے وُہ اِس کے ماننے والوں کی زندگیوں پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

مُسلمانانِ حال اور توحید

چوں کہ اِس دَورِ الحاد میں مسلمان بھی اپنی مذہبی تعلیم سے بے بہرہ ہو کر رہ گئے ہیں اِس لیے اُن کی بھی یہی حالت ہے کہ حقیقت میں سب کے سب شک و شُبہ میں پڑے ہوئے ہیں اور باری تعالیٰ کی ہستی کے مُتعلق اُنھیں کوئی صحیح تصوّر نہیں ملا۔ چوں کہ تعلیم توحید ایک

اساسی اور بنیادی عقیدہ ہے اِس لیے اِس کے جاننے کی بے حد ضرورت ہے۔

غور کیجیے کہ!

مکّہ کے ابتدائی سہ سالہ تبلیغی دور میں جو اصحاب مسلمان ہوئے اُن میں کوئی عالم و فاضل نہیں تھا۔ حضرت بلال رضؓ، صہیب رضؓ، عمار رضؓ، یاسر رضؓ، سمیہ رضؓ اور لبینہ رضؓ تو محض غلام اور کنیزیں تھیں۔ اُس وقت کوئی مذہبی لٹریچر نہ تھا۔ قرآنِ پاک بھی اُس وقت تک بہت کم نازل ہوا تھا۔ صبح و شام کی صرف دو نمازیں تھیں۔ ایک سورت الحمد شریف اور ایک سورت قُل ہُوَ اللّٰہُ اَحَد نے ہی اُنھیں کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا تھا اور سورہ بقرہ پڑھ کر وہ کیا سے کیا ہو گئے تھے کہ دہکتے انگاروں پر، گرم ریت پر اور کانٹوں پر لٹائے گئے۔ شہر بھر میں گھسیٹے گئے خوف ناک ماریں پڑیں لیکن اِن مظالم کے باوجود اُن کی زبانوں پر اَحَدٌ اَحَدٌ ہی رہا۔

ہمیں بے حد افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اگر اسی قسم کا تشدد آج کے مسلمانوں پر کیا جائے تو شاید ایک فی صد لوگ بھی اس کے حریف نہ بن سکیں۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ اُس وقت خدا کا صحیح تصور موجود تھا یقیناً تھا اور آج سب مذبذب ہیں۔

سورہ الحمد شریف کا سبق توحید

بعثتِ نبوی سے پیشتر بھی پوری دنیا اِسی شک و شبہ

میں مبتلا تھی لیکن رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہی ساری تاریکیاں فنا کر دیں اور بندہ و آقا میں سچا تعلّق قائم ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید کی جیسی مکمل سچی تعلیم آپؐ نے پیش کی اس کی نظیر دُنیا ہرگز پیش نہیں کر سکتی۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا اور بتایا اور اس طرح بتایا کہ تمام صفاتِ ربّانی کی تصویر ذہن میں کھنچ کر قلوب میں اُتر آئی

" سب سے پہلے الحمد شریف کو لیجیے۔ اللہ کیا ہے اور کیوں تمام تعریفوں اور ستائشوں کا مرکز ہے اور کیوں اس کی عبادت کی جاتی اور اس سے مدد مانگی جاتی ہے؟ اس لیے کہ وُہ ربّ العالمین، الرحمٰن الرحیم اور مالکِ یومِ الدّین ہے۔ وُہ ارض و سما، بحر و بر اور ہر ظاہر و باطن شئے اور ارواح کو پالتا اور پرورش کرتا ہے، رزق دیتا ہے، مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے، بڑھاتا ہے، محبت کرتا ہے، بچاتا ہے کہ ربّ العالمین ہے بلا محنت کے انعام دیتا ہے۔ بلا وجہ رحم کرتا ہے اور خطاؤں کو مُعاف کر دیتا ہے، درگزر کرتا ہے، تحمّل و برداشت کرتا ہے، انسانی کوششوں محنتوں اور مساعی کو قبول کرتا اور اُن کے نتائج مُترتّب کرتا ہے "الرّحمٰن" بلا محنت معاوضہ و استحقاق اپنے کرمِ خاص سے

دینے والا اور "الرّحیم" ہماری محنتوں کاوشوں اور سعی وجہد کو ہماری کمزوری اور عرق فشانی پر نظر مہر کرکے نتائج مترتّب کرنے اور کامیابی دینے والا ہے اور سزا و جزا کا مالک و مختار ہے۔ اس کے سامنے اس روز اُس کی اجازت کے بغیر کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہو گی۔ اس لیے اُس کی عبادت کرنی چاہیے اسی سے مدد مانگنی چاہیے کیوں کہ دینے والا تو وُہی ہے۔"

رسولِ کریم کی تعلیمِ توحید

الحمد شریف روز و شب پڑھتے ہیں مگر کتنے ہیں جو اس تصوّر کے ساتھ پڑھتے ہیں، جنھوں نے پڑھا فائزالمرام ہُوئے اور باقی محرُوم رہ گئے۔ مُسلمان کہتے ہیں کہ صاحب "حُور و قصُور" کے مُستحق کیوں ٹھہرے ہیں اس لیے کہ وُہ رحیم ہے اور صفت رحیمی یہ ہے کہ جو کوشش کرے اُسے کامیاب کر دے۔ وُہ کرتے ہیں پاتے ہیں آخر بندے تو اُسی کے ہیں لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اسی کا تو قانون ہے اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اسی کا ہی قانون ہے وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ م بِالْعِبَادِ اسی کی عادت ہے یعنی وُہ اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا اتنی محبّت کرتا ہے کہ انھیں تکلیف میں دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے کہ وہ رؤف ہے اس میں مُسلم اور غیر مُسلم کی تمیز نہیں آخر ربّ العالمین

Marfat.com

ہے۔ حکم دیتا ہے کہ میری رحمت سے ناامید مت ہوؤ، اگر ناکام ہو گئے ہو تو پھر میرا نام لے کر کھڑے ہو جاؤ، گناہ بہت کیے ہیں تو توبہ کر لو مگر توبہ سچی ہو، سب گناہ بخش دوں گا :

"لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط"

اَحَد ہے صمد ہے یعنی یکتا ہے بے پرواہ ہے۔ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ کوئی اُس کا ہم کفو نہیں، نہ کسی نے اُسے جنا، نہ اُس نے کسی کو جنا۔ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہر وقت جاگتا رہتا ہے کبھی نہیں سوتا، اُسے اُونگھ تک نہیں آتی۔ وُہ سب کی سُنتا ہے۔ دُعائیں قبول کرتا ہے۔ مقلب القلوب ہے، وُہی دیتا ہے وُہی لے لیتا ہے :

"كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ"

اُس نے بندوں پر کرم کرنا اپنے اُوپر لازم کر لیا ہے۔ وُہ قہار بھی ہے ظالموں کو سزا ضرور دے گا :

"وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا"

وُہ کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا :

"وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا"

اُس کی نعائم شمار سے افزوں تر ہیں :

"اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِيْ اَمْرٍ كُلِّهٖ (بُخاری)

Marfat.com

ہر امر میں نرمی کو پسند کرتا ہے :

"اَنَا مَعَ عَبْدِیْ حَیْثُمَا ذَکَرَنِیْ"

بندہ جہاں کہیں بھی ہمیں پکارے ہم موجود ملیں گے۔

وہ کیا ہے ؟

"اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"

وہ ایک نور ہے جو زمین و آسمان میں پھیلا ہوا ہے۔

بہرکیف رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات نے اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ و سبحانہٗ کو جس شان و عظمت کے ساتھ پیش کیا اور جو تصوّر وحدانیت کا لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے اور توحید کا سبق جس رنگ میں پڑھایا ہے اُسی کی نظیر دُنیا کا اور کوئی مذہب بھی پیش نہ کر سکا اور نہ ہی کر سکتا ہے !

فضائل صدقات

فضائل حج

مرکزِ نوادر

کتب خانہ شانِ اسلام

۱۰۔ راحت مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

پُرجوش عابد

نبوّت و ملوکیت

جس طرح مادی زندگی اور مادی آرزوؤں کا منتہائے کمال ملوکیت اور تخت و تاج ہے اسی طرح رُوحانی و انسانی زندگی کی معراج اور بُلند ترین چوٹی نبوّت ہے۔ دُنیا میں کسی کی زیادہ سے زیادہ ترقی یہی تو ہے کہ کوئی انسان مراحلِ ارتقاء طے کر کے بادشاہ ہو جائے اور بس! لیکن رُوحانیت میں سب سے بُلند درجہ نبوّت ہے۔ نہ صرف رُوحانیت بلکہ یُوں کہیے کہ انسانی ترقی کی انتہا نبوّت ہے۔ بادی النظر میں ہمیں بادشاہ بڑے باعظمت بڑے با اقتدار اور بڑے مُستغنی معلوم ہوتے ہیں کہ تمام رعایا کی موت و حیات کا فیصلہ اُن کی ایک جُنبشِ لب کا رہینِ منّت ہوتا ہے۔ بادشاہ اِس ترقی پر بڑا غرّہ اور بڑا فخر کرتے ہیں۔ کسی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتے حتیٰ کہ ہستیِ باری تعالےٰ سے بھی مُنکر ہو جاتے ہیں اور اپنے زُعم و اقتدار میں نہ صرف یہ کہ وُہ سلطنتوں شہروں قوموں اور بستیوں کو اُجاڑتے رہے ہیں بلکہ وُہ نبوّت سے بھی بارہا ٹکرائے ہیں۔ انبیاء کو جیل خانوں میں بند

Marfat.com

کروایا ہے۔ سُولی پر چڑھایا ہے۔ بھڑکتی آگ میں ڈلوایا ہے۔ اور وُہ سب کچھ کیا ہے جو وُہ اپنی قوّت سے کر سکتے تھے لیکن وُہ نبوّت سے تصادم میں کبھی کامیاب نہیں ہُوئے۔ سرِ نبوّت کبھی اُن کے سامنے نہیں جھکا بلکہ اِن دلق پوشوں کے سامنے ملوکیت ہمیشہ سرخم ہُوئی۔

نبوّت کی فائز المرامیاں

ملُوکیت میں غرور و نخوت، ظُلم و چیرہ دستی، شان و شکوہ، جوش و انتقام جہاں لازمی چیزیں ہیں وہاں نبوّت میں عجز و انکسار خلوص للّٰہیت عبادات و طاعات اور سادگی فکر و عمل کی خصُوصیت ہے اور گو بادی النظر میں انبیا بے اختیار و عاجز اور ناتوان نظر آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بادشاہوں کی حُکمرانی تو صرف انسانوں اور اُن کے ظواہر و اعمال ہی تک محدُود ہوتی ہے لیکن اِن کمبل پوشوں کے قبضۂ اقتدار میں تمام مافی الارض والسّما ہوتی ہے اِن کے ایک اشارہ پر زمین آگ اُگل سکتی ہے۔ سمندر خشک ہو سکتے ہیں۔ پہاڑ راستہ چھوڑ سکتے ہیں۔ دریا اپنی رَوانیاں بند کر سکتے ہیں۔ تمام جمادات و نباتات اور حیوانات سب اِن کے حکم کے بندے ہوتے ہیں مگر بادشاہی بالکل علیحدہ چیز ہے اور چُوں کہ وُہ ابھی صد ہزار امُور میں مُحتاج ہوتی ہے اِس لیے اِس کی پیاس اور حرص بجھنے میں نہیں آتی اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ

کے نعرے زندگی بھر لگتے رہتے ہیں لیکن نبوت بھری گگری ہوتی ہے اِس لیے خاموش رہتی ہے اور چوں کہ سب کچھ اِس کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے لہٰذا اِن کا دل ہر طرف سے سیر اور مطمئن ہوتا ہے اور انبیا اور اُن کے جانشین اولیا زندگی سادگی اور فقر میں گزار دیتے ہیں۔ نہ اُنھیں کوئی آرزو ہوتی ہے اور نہ تمنّا، بس جو مل گیا کھا لیا اور جہاں جگہ مل گئی پڑ رہے۔ عشقِ الٰہی میں مست ہوتے ہیں۔

غارِ حرا کی عبادت

اُنھیں ذوق حاصل ہوتا ہے لذّت ملتی ہے۔ سکون نصیب ہوتا ہے تو صرف بندگی میں کہ بندوں کے لیے بندگی ہی زیبا ہے سب کچھ مل گیا۔ کوئی ضرورت نہ رہی۔ کوئی ارمان باقی نہ رہا۔ اب ایک آقا ہے اور ایک بندہ ! بندہ رضائے ربّانی میں محو رہا کرتا رہتا ہے اور اس کی عطا و بخشش میں اس کا سر برابر اور ہر گھڑی جھکا رہتا ہے اور سر کے جھکتے ہی چوں کہ دیدارِ الٰہی شروع ہو جاتا ہے جس سے لذیذ تر شے اور کوئی نہیں اس لیے انبیا اور اولیا عبادت کے حریص ہوتے ہیں اور اُن کا دل ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ اُس کے آستانہ پر سر پڑا رہے اور پھر ایک عاشقِ صادق کے لیے سنگِ درِ جاناں سے زیادہ عزیز شے اور ہو بھی کیا سکتی ہے دیکھیے ! حضور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کیا حالت تھی۔

ابتدائے عشق ہی میں وہ محویت بڑھی کہ محافل و مجالس اور زن و فرزند کی محبت و صحبت سے بے نیاز ہو کر گھر کے گوشے ڈھونڈتے پھرتے تھے۔

تلاشِ محبوبِ حقیقی تھی!

یہاں بھی سکون نہ ملا تو پہاڑ پہ چڑھ گئے پھر غارِ حرا کی تنہائیوں میں جا بیٹھے اور وہاں تاجِ رسالت سر پر رکھ دیا گیا اور اصلاح و عمل کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔

سب کچھ تھا مگر راحتِ قلب اور تھی۔ ظلم ہوتے تھے اور ظلم و ستم کے قہر توڑے جاتے تھے۔

مگر اُف کیسی؟

شکوہ کیا تھا؟

آقا کی رضا میں بھی تو ایک کیف ہوتا ہے۔ وہ دیکھ رہا تھا خوش تھے۔ سب کچھ گوارا تھا!

طاعت و عبادت میں انہماک

ظالموں کے لیے بددعا کیوں کرتے۔ آخر اپنے آقا کے اپنے ہی جیسے بندے تو تھے۔ وہ مخلوق نوازی سے خوش ہوتا ہے۔ اس لیے مخلوق نوازی میں بڑھ چڑھ کر سعی کرتے تھے۔ وہ سب ہی بندوں پر مہربان ہے اس لیے سب سے عدل و مساوات برتتے تھے اور جب فرصت ملتی تھی سر آستانۂ یار پر رکھ دیتے تھے۔

Marfat.com

مکّہ میں دن مصائب و تبلیغ میں گزرتا تھا اور راتیں سجدے میں گزرتی تھیں۔ عبادتِ الٰہی میں وُہ شغف تھا اور اس میں وہ انہماک تھا کہ آپؐ کے تشنہ خون دشمن بھی کہہ اُٹھتے تھے کہ :

"محمدؐ کو اللہ کا عشق ہو گیا ہے۔"

شب کو عبادت میں اتنی دیر تک کھڑے رہتے تھے کہ آپؐ کے پائے مبارک متورّم ہو جاتے تھے۔ سینہ خشوُع سے دیگ میں اُبلتے ہوُئے پانی کی طرح کھولنے لگتا تھا۔

حضرت عائشہ صدّیقہؓ عرض کرتی ہیں کہ :

"سرکارؐ ! آپؐ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ بخشے جا چکے اب آپؐ کیوں اتنی تکلیف اُٹھاتے ہیں ؟"

ارشاد فرماتے ہیں :

"اے عائشہؓ ! کیا میں اللہ تعالیٰ عزّ و جل کا ایک شکر گزار بندہ نہ بنوں ؟" (بخاری)

ذرا یہ شغفِ عبادت تو ملاحظہ فرمایئے کہ مرض الموت میں دو آدمیوں کے کندھے پکڑ کر مسجد میں تشریف لاتے ہیں۔ چودہ روز کی علالت میں گیارہ روز تک برابر مسجد میں آتے رہتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں سفر میں حضر میں ہر حالت میں نماز پڑھتے ہیں۔

نصف شب ہوئی اٹھ کھڑے ہوئے اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔ کوئی لمحہ کوئی ثانیہ یادِ الٰہی سے خالی نہ گزرتا تھا۔ مصیبت میں

Marfat.com

راحت میں، دن میں، رات میں، فتح و کامرانی کے موقع پر کسی بھی لمحہ خدا کو نہ بھولتے تھے۔

میدانِ بدر میں بے تابانہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگ رہے تھے کہ اللہ اپنا وعدہ آج پورا کر۔ اگر آج تیرے یہ مٹھی بھر بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔ کبھی سجدے میں سر رکھتے۔ کبھی بے قراری میں کھڑے ہو جاتے اور ردائے مبارک بھی شانے سے سرک سرک جاتی تھی۔

روزے رکھنے پر آتے تو رکھتے ہی جاتے۔ حجۃ الوداع اور فتح مکہ کے روز اونٹ پر بیٹھے ہوئے تھے اور سر سجدے میں جھکا ہوا تھا۔ اللہ سے اتنا ڈرتے تھے کہ بیٹی سے کہہ دیا کرتے تھے کہ عمل کر۔ رسول اللہ کی بیٹی ہونا کچھ کام نہ آئے گا۔

فرمایا کرتے تھے کہ سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔
میں نہیں جانتا کہ کل قیامت کے روز میرے ساتھ
کیا معاملہ پیش آئے!

مرکزِ نوادر
کتب خانہ شانِ اسلام
۱۰۔ راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

عظیم الشّان مُصلح

جانی و مالی اصلاح

اٹھارہویں پارہ میں آیہ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ.......الخ پڑھیے

اور اس پر غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے ترقی و تنزلِ مسلمین کے اسباب و عوامل پر اس میں روشنی ڈالی ہے اور واضح کیا ہے کہ مسلمان صرف اخلاقِ فاضلہ میں ترقی حاصل کرنے، عبادات پر استواری کے ساتھ قائم ہونے اور مالی قربانی کرنے سے عروج پا سکتے ہیں اور جب یہ صفات ترک کر دیں گے تو ذلیل ہو جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ عہدِ نبوّت کے مسلمانوں میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔

مال کتنی محبوب اور عزیز چیز ہے اتنی عزیز کہ اس کی طلب و تڑپ میں اسلام لانے کے بعد بھی مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے اُحد کے میدانِ جنگ میں مسلمان عقب کوہ سے تاکید و ہدایت کے باوجود ہٹ کر ایک عظیم تر مصیبت کا باعث بن گئے تھے لیکن یہ ایک اضطراری کیفیت تھی ورنہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کے اندر

Marfat.com

قربانی و ایثار کی وہ فقید المثال روح پیدا کی جس کی نظیر پوری دنیا کی پوری عمر میں کہیں نہیں مل سکتی۔ کبھی کہیں یہ دیکھا یا سنا ہے؟ کہ ایک شہر کی پوری کی پوری مسلم آبادی کھانے پینے کی سادہ ضروریات کے بعد جو کچھ بچے وہ وقتی طور پر نہیں بلکہ مسلسل کئی سال تک مقاصدِ اسلام کے لیے دیتی رہے۔ چندہ کی طلبی کا اعلان ہو تو چند لمحوں کے اندر اندر رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر سامانِ صرف اور دولت کے ڈھیر لگ جائیں اور ان میں بہ کثرت ایسے ہوں جو اپنا سارے کا سارا اور بعض گھر کا آدھا آدھا مال اسباب لاکر سامنے ڈال دیں اور پھر اپنی بیویوں کی تقسیم تک پر بھی بہ خوشی راضی ہو جائیں۔

نہ دیکھا ہے اور نہ دیکھو گے!

مگر مسلمانوں میں یہی روح پیدا ہو گئی تھی کہ ایک آواز پر سر مانگا جائے تو سر حاضر، زر مانگا جائے تو زر حاضر اور بہ خوشی حاضر — یہ تھی اصلاح!

اخلاقی اصلاح

اخلاقی اصلاح کا یہ شاندار مظاہرہ ظواہر اعمال سے گزر کر باطن تک پہنچ گیا۔ نہ صرف یہ کہ قتل و غارت، سلب و نہب، ڈکیتی و چوری، دختر کشی و مادر نہادی، قمار بازی و شراب خوری، زنا و غنا، خیانت و بد دیانتی، سود خواری و بے حیائی، طعن و تشنیع، استہزا و مذاق، شرک و کفر اور نسلی مفاخر و امتیازات کا کلّی طور پر خاتمہ کیا بلکہ غیبت و بدگوئی

بہتان و اتہام، حسد و کینہ، بغض و عداوت، ریا و نمود، بدرسم و رواج غضب و غرور اور فتنہ و فساد کو یکسر مٹا کر فنا کر دیا۔ مسلمانوں کا خون اور مال و آبرو مسلمانوں پر حرام کر دیے۔ انتقام کا جوش فنا کر دیا۔ اور زیر دست آزاری و ظلم کے بت اوندھے کر دیے۔ سب مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ نسب و دولت کی برائیاں معدوم کر کے زر و سیم کے معیار کو مٹا کر "عمل" کو معیارِ فضیلت قرار دیا۔ امیر و غریب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔ دل صاف کر دیئے۔ نفس پاک کر دیے۔ نیّت صاف کر دی، سارے نفاق و شقاق فنا کر کے محاسنِ اخلاق سے مزیّن کر کے ایک سلکِ اتحاد میں منسلک کر دیا۔

یہ تھی اخلاقی اصلاح!

عبادات کی اصلاح

دنیا کی عبادات اس وقت تھیں ہی کیا: کواکب پرستی، شجر پرستی، حیوان پرستی، بت پرستی، دریا پرستی، آتش پرستی، اعضا پرستی، مشاہیر پرستی، گھنٹیاں اور بڑے بڑے گھنٹے بجانا، بتوں کے آگے برہنہ ناچنا، اصنام کے سامنے سر جھکانا، بتوں کے نام پر انسانی قربانیاں کرنا، یا تو برائے نام روزے رکھنا، یا دن رات کیا کئی کئی دن بھوکا پیاسا رہنا، بھگت کرنا تو صبح و شام آنکھیں بند کر کے بیٹھ جانا۔ محض دل و دماغ سے دھیان گیان کرنا، جنگلوں گپھاؤں اور غاروں میں جا بیٹھنا اپنے اعضا خشک کر لینا، بدن پر بھبھوت مل لینا، اس سے آگے بڑھنا

Marfat.com

تو رکوع کر لینا اور بس!

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روزہ نماز حج و زکوٰۃ کی نہایت نادر اور اثر خیز صورتیں مقرر کیں۔ انھیں نہایت آسان قابلِ عمل پُرکشش اور دُنیا و آخرت کے فوائد و مفاد کا کفیل بنا دیا۔ جزوی مالی قربانی کو بھی عبادت میں شامل کر دیا اور وہ صورت پیدا کر دی کہ بندے محویت و استغراق میں ڈوب گئے اور بڑھے تو خدا سے مل گئے۔

یہ بھی عبادات کی اصلاح!

علمی اصلاح

پہلے علم سینہ بہ سینہ چلتا تھا کیوں کہ کتابوں کا رواج نہ تھا۔ یونان میں فلسفہ مقفل، ہندوستان میں ریاضی مقفل، مصر میں ہیئت مقفل، عقلی علوم بہت ہی محدود، مذہبی علوم پر پیشوایانِ مذہب کا قبضہ، درس گاہیں ناپید، مکاتب ندارد، اکتشاف و ایجاد ناپدید، علمی مکاشفات ممنوع پھر ہر ایک چیز ایک مخصوص دائرے میں بند عوام بالکل کورے، خواص جاہل، رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر چیز سامنے رکھ دی۔ ہر چیز عام کر دی۔ غور و فکر اور مظاہرِ کائنات کی تحقیق پر زور دیا۔ گھر گھر، قبائل قبائل میں علم کی روشنی پہنچائی۔ ہر مرد و عورت پر تعلیم کا حاصل کرنا فرض قرار دے دیا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تعلیم حاصل کرو چاہے اس کے لیے تمھیں ہزاروں میل دور ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ دُنیا میں علمی و عقلی اکتشافات کا زمانہ آپ

کے عہد ہی سے شروع ہوا۔ علم عام ہوگیا۔ یہ تھی علم سے رغبت، اور، یہ تھی علمی اصلاح !

عورتوں کی اصلاح

عورتوں کی حالت اُس وقت دُنیا بھر میں نہایت زبوں وزار تھی۔ اِس بے کس طبقہ کی فریاد سُننے والا تو کوئی تھا ہی نہیں۔ اِس مظلوم طبقہ کی کوئی آواز ہی نہ تھی۔ کہیں طلاق سرے سے ناپید، کہیں بات بات پر کیا بلاوجہ طلاق۔ بیٹوں کا سوتیلی ماؤں تک پر شوہرانہ قبضہ۔ نہ مال میں حق نہ گھر میں عبادت کا حق نہ تڑپنے کا یارا تھا نہ وراثت سے تعلق نہ ترکہ سے واسطہ۔ ملعونِ خلائق۔ ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔

لیکن !

اِس مظلوم ہستی پر اللہ تعالیٰ کا بڑا اِحسان وکرم ہے کہ رسُول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے عورت کو ورثہ وترکہ میں سے حق دے کر اُس کی مالی پوزیشن قائم کی۔ اِس کے حقوق مرد کے برابر کر کے مساوات کا درجہ عطا کیا۔ اِس پر عبادات کو فرض قرار دے کر اس کی عزّت اور اہمیت کو بڑھا دیا۔ اِس پر علم کا حاصل کرنا فرض قرار دے کر اس کی عقل بڑھائی۔ نیک بیوی کو بہترین دُنیوی نعمت قرار دیا۔ اسے تکلیف دینے کی بڑی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔ ازدواج کی تعداد مُعیّن کی۔ اِس سے سلوک کو اچھائی کا معیار قرار دیا حتیٰ کہ گھر کی مُلکہ بنا دیا۔

یہ تھی نسوانی اصلاح !

Marfat.com

رہبرانہ اصلاح

سب سے اوّل آپ اپنی تعلیم کا آپ نمونہ بن گئے۔ یتیمی و بے کسی سے مراحل مدنی طے کرتے ہوئے بادشاہی تک پہنچے۔ قہرناک تکالیف سہیں، پتھر برسے، مُغلظات سُنیں، زخم کھائے۔ قید کاٹی۔ تلواروں کے وار سہے۔ گھر چھُٹا، وطن چھُٹا، خویش و بیگانہ چھُٹا۔ خود تباہ ہوئے، گھر تباہ ہُوا۔ رشتہ دار تباہ ہوئے۔ قتل کی سازشیں ہوئیں۔ دُنیا میں جتنی ہولناک سے ہولناک اذیتیں اور عقوبتیں ہوسکتی تھیں سب سہیں۔ تحریص و ترغیب ہُوئی تو پھر انتہائی زر و دولت کے انبار، امیر ترین گھرانوں کی مہ جمال کنواریاں عرب کی حکومت پیش خدمت تھی۔

لیکن اس تحریص و ترغیب کا جواب بھی انتہا کی حدوں سے تجاوز کر گیا تھا:

"اے گروہِ قریش! یقین کرلو اس بات پر کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی لاکر رکھ دوگے تو بھی مَیں تبلیغ نہ چھوڑوں گا۔"

ترہیب اتنی کہ خاندان سمیت قید میں ڈال کر بھوکوں مار دیں گے۔ مگر پرواہ نہیں۔ مقصد سے کام ہے۔ پھر کامیاب ہوئے تو پھر بھی وُہی روکھی سوکھی۔ لیڈر سمجھیں۔ یہ تھی رہبرانہ اصلاح!

Marfat.com

تمدّنی اصلاح سب کے ساتھ محبت، دوست دشمن سے یکساں سلوک، تعصّب و تنگ دلی سے بیر، عدالتوں، زمینوں، زراعت، تجارت، قیامِ امن، احتساب، ہر شعبہ کا بہترین بندوبست، سڑکوں اور مکانوں کی صفائی، لباس کی صفائی طعام کی صفائی۔ یہ بھی تمدّنی اصلاح۔

فوجی اصلاح بلاوجہ لڑنا، دولت اور لُوٹ کے لیے لڑنا، مُثلہ کرنا، دھوکا سے لڑنا، بچّوں پر چاند ماری کرنا، عورتوں بوڑھوں بچّوں اور نہ لڑنے والوں کو لُوٹنا، آگ لگانا، کھیت اور باغ اجاڑنا، سب حرام اور ممنوع قرار دے دیا۔ یہ بھی جنگی اصلاح۔

معاشری اصلاح ماں باپ کی عزّت، بیوی سے محبت، شوہر کی اطاعت، اولاد پر شفقت، صلہ رحم، ہمسایوں سے بہتر سلوک اور اُن کے حقوق، ہشاش بشاش رہنا، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، ادب، تمیز، سلیقہ نرمی و رفق یہ بھی معاشری اصلاح!

صد ہزار اصلاحیں کیں۔ کیا دُنیا میں آج تک کوئی اتنا بڑا اور ایسا مصلحِ اعظم کہیں کبھی پیدا ہوا ہے۔

Marfat.com

جمہوریت نو از قائد

مصلحین عالم اور مساوات

دنیا میں لاکھوں مصلحین پیدا ہوئے ٹالسٹائی، میزینی گریبالڈ، روکا والٹیر، فرینکلن وغیرہ کا ذکر چھوڑیئے، لاکھوں انبیا پیدا ہوئے سب ہی نے اصلاح کی۔ کام کیا۔ کوشش کی مگر یہ تمام کوششیں ہنگامی و موقت تھیں۔ دنیا کی حقیقی پیاس کو بجھانے والے صرف اور صرف رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تھے لیکن آج دنیا آپ کے دیئے ہوئے سبق کو یکسر بھول چکی ہے اس لیے وہ اپنی تمام ترقیوں، اقبال مندیوں اور اپنی عقلی رہنمائیوں کے باوجود پھر پریشان ہے اور جتنی آگے بڑھتی جاتی ہے، ترقی کرتی جاتی ہے اُتنا ہی اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس نے اپنی اس تشنگی کو بجھانے کے لیے کسی طمانیت بخش پروگرام کی تلاش شروع کی اور اس کے علاج کے لیے مختلف نسخے ڈھونڈے۔ پہلا نسخہ روما سے لیا مگر کچھ بھی نتیجہ مترتب نہ ہوا پھر استقلال امریکہ اور انقلاب فرانس نے نظام جمہوریت

کا سبق پڑھایا لیکن نصف صدی بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ پھر وہی دن کا اضطراب تھا اور وہی رات کی بے چینیاں اور فرطِ سراسیمگی سے متوحش ہو کر کبھی روسو کا لائحہ عمل لیا اور کبھی کارل مارکس کا، لیکن حالت نہ بدلنا تھی نہ بدلی بلکہ اور بھی زبُون و زار ہوتی چلی گئی۔ نہ جمہوریت ہی حقیقی معنوں میں قائم ہوئی اور نہ سوسائٹی کے اُلجھے ہوئے مسائل کا کوئی حل سمجھ میں آیا۔ عقل، دولت، علم، ترقی، حکومت سب کچھ میسّر ہے مگر مغرب کو پھر بھی دل کا اطمینان نصیب نہیں!

جمہوریت اقوام اور مساوات

غور کرتے جایئے جمعیّتِ اقوام کس شان و شکوہ اور کن خوشگوار توقّعات کے ساتھ قائم کی گئی، جنگِ عظیم کن مقاصد کے پیشِ نظر لڑی گئی؟ اور سلیف ڈیٹرمینیشن کا اصول کس طمطراق کے ساتھ قائم کیا گیا۔ جا بہ جا بادشاہتوں کی جگہ جمہوریتیں قائم ہوئیں۔

مگر کیا یہ کہہ سکتے ہو کہ:

اِن میں سے کسی ایک کو بھی کامیابی نصیب ہوئی؟

جمہوریت کیا ہے؟

یہی نا کہ قوّت چند افراد کے بجائے قوم و ملّت کے ہاتھ میں ہو۔

Marfat.com

مساوات کیا ہے ؟

یہی کہ اللہ کے بندوں میں باہم کوئی فرق اور غیر یکسانیت باقی نہ رہے۔

حُرّیت کیا ہے ؟

یہی کہ ہر کہ ومہ فکر وعمل میں آزاد ہو۔

پیرس میں جا کر دیکھ لیجیے ایوانِ حکومت پر جلی حروف میں قومی حکومت کے مقاصد جمہوریت مساوات اور حُرّیت مرقوم ہیں اور ایک فرانس کیا امریکہ انگلستان جرمنی وغیرہ سب ہی ان مقاصدِ سہ گانہ کی تکمیل کے لیے خود کو وقف بتاتے ہیں۔ علم کی تعمیم انہی مقاصد کے ذیل میں ہوئی۔ اُس نے سنوارنے کے بجائے دُنیا کے دماغوں میں اور فرعونیت بھر دی۔ عورتیں آزاد ہوئیں تو وہ گلُوئے معاشرت کی چھچھوندر بن گئیں۔

نہ اُگلے چین نہ نگلے چین !

عدالتوں اور کچہریوں کی بھرمار اور اپیل در اپیل کا قاعدہ انہی کے سلسلہ میں قائم ہوا جس نے دُنیا کی اخلاقی حالت تباہ وبرباد کر کے رکھ دی اور جھوٹ فریب اور مکر وریا کی نئی نئی راہیں کھول دیں۔

سوشلزم اور مساوات

اور تو اور ہندو بھی انہی مقاصد کے علم بردار ہیں لیکن اگر پہلے مذہبی لارڈ اور دُنیوی لارڈ پیدا ہونے لگے تھے اور دُنیا دو پاٹوں کے

درمیان کُچلی جارہی تھی تو اس کے بعد یہی نہیں کہ ایک پتھّر کی جگہ دُوسرا پتھّر آ موجُود ہُوا بلکہ اردگرد اوپر نیچے پتھّروں کا ایک انبار لگ گیا مذہبی لارڈ تو نابُود ہو گئے مگر دُنیوی لارڈ صدہا ٹکڑیوں میں تقسیم ہوکر اُن سے کہیں زیادہ خوفناک ثابت ہُوئے۔ ایک طرف سرمایہ دار ہوئے دوسری طرف مزدُور تیسری طرف عورتیں میدان میں کُودیں چوتھی طرف جنگی لارڈ آدھمکے۔

انتہا یہ تھی کہ!

ہر جماعت ہر گروہ اور ہر فریق ایک پتھّر بن گیا جو دُوسرے پتھّروں کو پاش پاش کر رکھ دینے کے لیے سرگرمِ عمل ہو گیا دُنیا ان پتھّروں سے گھبرائی تو رُوس کے سوشلزم کی طرف بے تابانہ نگاہیں اُٹھ گئیں لیکن بہت جلد دُنیا کو معلوم ہو گیا کہ یہ نسخہ بھی غلط ہے۔ نہ سرمایہ دار مزدُوروں کو کچھ دینے پر آمادہ ہیں اور نہ مزدُور کچھ لیے بغیر ٹلتے ہیں۔

اچھُوتوں کی بے کس نوازی کا ناقُوس کس قُوّت سے پھُونکا گیا تھا مگر کیا ان کے لیے مندروں کے دروازے کھُل گئے؟ یہ عام کنوؤں سے پانی بھرنے لگے؟ عام مدرسوں میں پڑھنے لگے؟ مزارعین کی ہمدردی میں کتنے گلے روز پھاڑے جاتے ہیں۔ اِن کے مصائب پر کس درد سے نوحہ خوانی کی جاتی تھی مگر گفتار کے مرد سب تھے کردار کا مرد ایک بھی نہ نکلا۔ جب عمل کا وقت آیا سب

دم بخود تھے۔

انتہا یہ ہے کہ !

اسمبلی کے لیے ان کی ہمدرد کانگریس نے ایک اچھوت بھی کھڑا نہ کیا اور کسی ایک صوبہ میں بھی مزارعین کے مصائب کو دور کرنے والا قانون نہ بنوایا۔

تزکیۂ نفس اور مساوات

ہم پھر کہہ رہے ہیں کہ سب کچھ تعلیم یافتہ جماعتوں کی طرف سے ہو رہا ہے۔ عقل، علم، دولت اور دماغ کی موجودگی میں ہو رہا ہے۔ ترقی کے زمانہ میں ہو رہا ہے۔ کان کچھ سنتے ہیں۔ زبانوں سے کچھ نکلتا ہے اور آنکھیں کچھ دیکھتی ہیں۔ قول وعمل میں کوئی بھی مطابقت نہیں رہی۔ ظاہر کچھ ہے باطن کچھ ہے۔ نہ ایمان ہے نہ خدا ترسی۔ اسی لیے معاملات روز بروز الجھتے چلے جاتے ہیں پریشانیاں روز افزوں ہیں۔ نہ بڑوں کو اطمینان حاصل ہے اور نہ چھوٹوں کو چین ہے۔ سب پریشان ہیں اور سب ہی فریب و کذب کے پتلے ہیں اور عبد الطاغوت بھی !

قرآن پاک تو شاید آپ پڑھ ہی لیتے ہوں گے کبھی کبھی ثواب کے لیے پڑھتے ہیں تو ایک روز غور و تدبر کے لیے بھی پڑھ لیجیے اور یہ دیکھیے کہ اللہ تعالےٰ نے رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے متعلق جہاں "یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" فرمایا ہے

Marfat.com

وہاں وَیُزَکِّیْہِمْ بھی فرمایا ہے یعنی قرآن پاک اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ جب تک ڈر نہ ہو، دل درُست نہ ہو کوئی چیز دل پہ اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

ہرگز نہیں!

آج علم و حکمت سب موجود ہے مگر قلب صاف نہیں۔ نیّت صاف نہیں اِس لیے نہ جمہوریّت ہے نہ مساوات ہے اور نہ حرّیت!

دُنیا کی اُلجھنیں اور مساوات

لیکن خوب سمجھ لیجیے کہ دُنیا کو آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ سب کچھ تمھارے پاس موجود ہے۔ مساوات کتنی پیاری چیز ہے مگر کہیں نہیں! عرب کا ہر فرد خود کو فریدون اور قیصر سے کم نہ سمجھتا تھا۔ اپنے قبیلہ کے سوا سب کو حقیر جانتا تھا، خود چار خون بھی کر دے تو کوئی بات نہیں لیکن دُوسرا اس کے قبیلہ کے ایک متنفس کو بھی ہلاک کر دیتا تو اس کے عوض میں یہ چار جانوں کو ہلاک کر ڈالنے کا خود کو حق دار سمجھتا تھا۔ جاہلیّت میں جو کچھ حالت عرب کی تھی اِس علم و تہذیب کے زمانہ میں آج یہی حالت مغرب کی ہے۔

لیکن رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی یہ معجزہ کاری مشاہدہ کیجیے کہ صرف چوتھائی صدی کے اندر اندر اِس غرق جہالت

ملک کی یہ حالت کر دی کہ جہاں میدانِ جنگ میں شجاع افراد نچلے افراد کے ہاتھوں مرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے وہاں ایک غلام سپہ سالارِ لشکر بنتا ہے اور حضرت ابُو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شرفاً اس کی رکاب تھام کر چلتے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر فرماں روا "آقا" کہہ کر پکارتے ہیں۔

مسلمان مجبور ہے کہ وہ ایک ادنیٰ شخص کے ساتھ بھی مسجد کے اندر ایک صف میں کھڑا ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پہلا فرمان ہی یہ تھا کہ:

"کسی عجمی کو عربی اور کسی عربی کو عجمی پہ کوئی فوقیت ہرگز حاصل نہیں ہے۔ سب مسلمان چاہے کوئی گورا ہو یا کالا آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

یہ تھی اصلی اور سچی اور بے لوث مساوات۔

ہمیشہ سے دولت ہی کو مدارِ فضیلت قرار دیا گیا ہے لیکن اسلام نے "عمل" کو معیارِ فضیلت قرار دیا۔

"اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"

بے شک مسلمان خود آج رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقرر کردہ اصول سے بغاوت کر رہے ہیں۔ جماعت بندی کا تنکار

Marfat.com

ہو رہے ہیں پھر بھی جب تک مساجد قائم ہیں وہ اسے نہیں توڑ سکتے تم تعلیم اسلام کا نمونہ بن جاؤ۔ اس روشنی تمدن میں بھی دنیا تمہاری ہو جائے گی کہ اس کی پیاس اسلام ہی بجھا سکتا ہے۔ جمہوریت مساوات اور سوسائٹی کے پیچیدہ مسائل کا حل اسلام اور صرف اسلام ہی میں موجود ہے !

قرآن پاک خوب غور و تدبر سے پڑھو !

اور !

اس پر عمل بھی کرو !

اسلامی بہشتی زیور

مکمل و مدلل عکسی

جدید ایڈیشن

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

Marfat.com

اُولُوالعزم متوکّل

سُنّتُ اللہ اور توکّل قرآنِ پاک میں لن تجد لسنّت اللہ تبدیلا آپ نے ہزار بار پڑھا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیا اور تمام کائنات کے لیے ایک قانون بنا دیا ہے۔ اسی طرح ترقّی اور تنزّلی کا بھی ایک قانون ہے۔ مُلکِ معظّم کا اسپیشل گھوڑا ہے لیکن بادشاہ اس پر سوار ہو یا باغی، گھوڑے پر کوتوال سوار ہو یا چور، دونوں کو وہ منزلِ مقصود پر پہنچا دیں گے اس لیے کہ قانون یہی ہے۔ آگ کا قانون جلانا ہے اور پانی کا قانون ڈبونا۔ کرامت اور چیز ہے مگر ان میں پڑنے سے وَلی و بدمعاش، نیک و بد اور مُسلم و کافر دونوں جلیں گے اور ڈوبیں گے بھی! جو قوم اتحاد و یک جہتی محنت و کفایت اور تدبیر و ہوش مندی سے کام لے گی، کوئی ہو ضرور ترقی کر جائے گی کہ وہ رحیم و کریم ہے اور اس کی سُنّت یہی ہے۔

ترقیاتِ دُنیوی اور توکّل انگریز اور ہندو لوگ خدا تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے اصولوں پر چلتے، دماغ سے کام لیتے اور ترقی کر جاتے ہیں۔

وہ "رَؤُفُ الرَّحِیْم" ہے۔ کسی کی محنت ہرگز ضائع نہیں کرتا کہ بندے تو سب اُسی کے ہیں۔

یہ تو ہے قاعدہ و نظام کا سوال۔ وفادار و باغی جو راستے پہ

چلے گا پہنچ جائے گا۔

آگے چل کر فرق ہے۔ وفادار جب شاہ کے سامنے جائے گا عزت پائے گا۔ باغی کو جب شاہ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو وہ بادشاہ کے عتاب و غضب کا شکار ہوگا کہ اس نے شاہ کو شاہ نہ سمجھا اور اس کے قانون کی خلاف ورزی کی۔

تدبیر و ترقی کا تعلق ضابطہ و قانون سے ہے اور توکّل و تقدیر کا تعلق ایمان و وفا سے ہے۔ محض تقدیر پر بھروسہ کرنے والے بُت پرست ہیں جو تدابیر کو پوجتے ہیں جس طرح کہ دینا اور عطا کرنا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے لیکن بُت پرست اسے محض بُتوں کی نوازش سمجھتے ہیں جنھیں وہ دن رات پوجا کرتے ہیں۔

اسی طرح کامیابی تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے لیکن سمجھتے یہ ہیں کہ تدبیر و عقل سے کامیاب ہوگئے ہیں اور اس طرح یہ جڑ کو تو چھوڑ دیتے ہیں اور شاخوں کو عبث تھامے رہتے ہیں۔

حقیقی متوکّل کی نظر چونکہ خدا تعالیٰ پر ہوتی ہے، دنیائے اسباب میں ہے اس لیے اسباب و علل اور تدبیر سے کام لیتا ہے مگر اسے یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اسباب و علل کی اس ناموافقت میں بھی اس کی مدد کر سکتا ہے اور کرے گا اور کرتا بھی ہے۔

اور لازماً کرتا ہے۔

رسولِ امینؐ اور توکّل

جنگِ بدر میں کیا تھا؟ اسباب ناموافق تھے! اپنی طرف سے امکانی تدابیر کیں مگر نظر پھر بھی خدا تعالیٰ ہی پر تھی۔ بے قرار ہو ہو کر دُعا مانگتے تھے اور جب تک وَيُثَبِّتَ الْاَقْدَامَ کی نوید نہ سُن لی بے قراری بڑھتی ہی رہی۔

جنگِ احزاب و بدر دونوں میں اللہ تعالیٰ نے کھلی ہوئی امداد کی اور وہ بھی گھر بیٹھے ہوئے نہیں بلکہ میدانِ جنگ میں جب کہ اپنی طرف سے پوری تدابیر اختیار کر لی گئیں۔

باری تعالیٰ جب دیکھتا ہے کہ بندہ سعی کرتے کرتے تھک چکا تو وہ اپنی طرف سے مدد کر دیتا ہے اسی لیے سچّا متوکّل کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی زندگی میں ہر قدم پر یہ چیز نمایاں نظر آئے گی۔ روشنی اور تاریکی دونوں میں پُر امید رہے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ پر پُورا بھروسہ رکھا۔ نازک سے نازک حالات میں بھی مایوس نہیں ہوئے۔

حقیقی متوکّل وُہی ہے جسے مستقبل کے متعلق سرِ مو کوئی تشویش نہ ہو۔

شفیق چچا سمجھاتے ہیں کہ:

"خطرات حد سے زیادہ فزوں ہو گئے ہیں اب تو اس کام سے ہاتھ اُٹھا لو!"

بے پروائی سے جواب دیتے ہیں کہ :

"آپ میری فکر نہ کیجیے۔ خداوند تعالیٰ مجھے ہرگز تنہا نہ چھوڑے گا۔"

ایک بد باطن دشمن شمشیر بہ دست آتا ہے اور آپؐ کو جگا کر بڑی رعونت سے پوچھتا ہے :

"محمدؐ! بولو اب تمھیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟"

آپؐ جواب میں فرماتے ہیں کہ :

"میرا اللہ!"

دشمن تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔

مدینہ میں یہودیوں کی سازشوں سے وہ خطرات پیدا ہوتے ہیں کہ راتیں آنکھوں میں کٹنے لگتی ہیں۔

وحی آتی ہے :

"وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط"

اُسی وقت سے پہرہ اُٹھا دیتے ہیں اور بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ تو یہ ہیں توکلِ نبویؐ کے مظاہر!

Marfat.com

مظہرِ اخلاق

کامل تعلیم کا کامل

جس کے اخلاق و مظاہرہ اخلاق کا ثنا خوان خود خدائے قدیر ہو

جس کی شان میں اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى وارد ہوا ہو اور جو منصب لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ پر فائز ہو اس کے متعلق کچھ عرض کرنا انسانی حوصلہ وہمت سے بالاتر امر ہے یہی وجہ ہے کہ دشمن سے دشمن بھی آپؐ کے مکارم اخلاق اور محاسنِ خصائل کا معترف چلا آیا ہے۔

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ ہدایت واصلاح اور تزکیہ وتعلیم کے لیے تعلیم اور نمونہ تعلیم دونوں کی ضرورت ہے۔ اور اگر کہیں تعلیم بھی بہتر ہو تو نمونہ تعلیم اور یہ تعلیم مل کر خدا جانے کیا ہو جاتا ہے۔ وہ جس نے اسافلہ عالم کو گل کدہ عیش بنا کر رکھ دیا اور نصف صدی گزرنے سے پہلے پہلے دنیا کے بدترین انسان نہ صرف یہ کہ دنیا کے بہترین انسان بن گئے بلکہ دنیا کے مالک بھی ہو گئے اور کیوں نہ ہو جاتے کہ ایک طرف تو قرآن کی کامل تعلیم رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

Marfat.com

کی جا رہی تھی' اور دُوسری طرف آپ کے کامل اخلاق کا کامل نمونہ بنی نوع انسان کے سامنے پُوری درخشانی کے ساتھ پیش ہو رہا تھا!

کمالِ اخلاق

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک خلق کو اپنی سعی سے انتہائے عروج پر پہنچا دیتا ہے تو دُوسرے اخلاق سے تہی دامن ہو جاتا ہے۔ مثلاً مُروّت میں ترقی کی و کمال پیدا کر لیا تو ہوش مندی و عقل سے عاری ہو جاتا ہے اور مروّت کمزوری کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور عاجزی و انکساری کی طرف قدم اُٹھاتا ہے تو شجاعت و جُرأت ہی کھو بیٹھتا ہے اسی طرح رحم میں بڑھا تو انصاف و عدل کے مقتضیات سے بے گانہ ہو گیا لیکن آپ چوں کہ کامل الاخلاق انسان تھے اس لیے ہر خلق میں کامل بھی تھے اور ایک کے کمال سے دُوسرے کو کوئی نقصان بھی نہ پہنچتا تھا، اسی پر تو اللہ تعالےٰ نے فَاسْتَوٰی وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی فرمایا تھا کہ آپ حالتِ اعتدال پر ہیں اور اس کے باوجود اُفقِ اعلیٰ پر بھی پہنچے ہوئے ہیں اس جملہ اخلاق میں کامل بھی تھے اور پھر کسی ایک صنفِ اخلاق میں کوئی کمی اور نقص بھی واقع نہیں ہونے پایا تھا۔ ایک ذاتِ قدسی میں بیک وقت جملہ اخلاق کا اجتماع ایک ایسی نادر چیز تھا اور ایسا اعلیٰ نمونہ جس سے بہتر نہ دُنیا نے کبھی مشاہدہ کیا تھا اور نہ آئندہ اس کے مشاہدہ کی کوئی خفیف سی بھی توقع ہے۔

Marfat.com

جوہرِ اخلاق کی تابانی

جوانی زندگی کے شباب و بہار کا موسم ہے جس میں کہ تمام آرزوئیں اور اُمنگیں پُورے جوش پر ہوتی ہیں لیکن آپؐ کو نہ شادی کی پرواہ تھی اور نہ دولت کی۔ بے شک آپؐ نے تجارت شروع کی لیکن محض اس وجہ سے کہ آپؐ کے شفیق چچا کی مالی حالت خراب تھی۔ شادی کی، لیکن حضرت بی بی خدیجہؓ کے پیغام پر، اور وہ بھی ایک چہل سالہ خاتونؒ سے۔

جب دولت ہاتھ آتی ہے تو آپؐ اسے ذاتی مصارف میں نہیں لاتے بلکہ مصیبت زدوں اور غریبوں کی پرورش پر اسے خرچ کرتے ہیں۔

پھر حالت رُوبہ زوال ہونے کو آتی ہے تو قریش قدموں کے سامنے زروجواہر کا انبار لگانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ سارے قریش کی سرداری کا تاج پیش کرتے ہیں۔ امیر سے امیر گھرانے کی حسین ترین لڑکیاں دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

لیکن !

آپؐ اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتے بھی نہیں !

پھر ایک دَور آتا ہے کہ سارے عرب کی دولت و فرماں رَوائی آپؐ کے قبضے میں ہوتی ہے لیکن آپؐ کی آن بان اس فرماں رَوائی میں بھی وُہی ہے جو پہلے دَور کی خزاں میں تھی۔

سارے گھروں میں عیش اُڑ رہے ہیں اور آپؐ کے گھر میں فقیری ہے اور مگن ہیں۔ بادشاہی چھوڑ کر فقیری لینا اور بات ہے لیکن فرماں رَوائی

کے تمام سامان گرد وپیش رکھتے ہوئے فقیرانہ سادگی سے رہنا یقیناً کمال ہے۔ علی الخصوص اس حالت میں کہ گھر میں بہ یک وقت کئی کئی بیویاں بھی ہوں۔

دوست دشمن سے یکساں اخلاق

اُن دشمنوں کے ساتھ سلوک ملاحظہ فرمایئے جنھوں نے بیس سال تک آپ پر عرصۂ حیات تنگ کیے رکھا تھا اور کسی امکانِ اذیت و اہانت میں ذرہ برابر بھی باک نہ کیا تھا۔ دشمنی اور بلاوجہ دشمنی اور وہ بھی خوف ناک و مسلسل۔ لیکن جب یہی ستمگر اور ظالم ترین دشمن مغلوب ہو کر ہی نہیں بلکہ ملزم بن کر سامنے آتے ہیں تو کیسی باز پرس؟ کہاں کی سزا؟ اور تو اور معمولی سی ملامت بھی تو نہیں کرتے، حالاں کہ یہ ہنوز کفر کی چٹانوں پر قائم ہیں اور ان میں قاتل سازشی خوں کے پیاسے اور حملہ آور سب کے سب موجود ہیں۔

کیا دنیا میں اس کی کوئی نظیر مل سکتی ہے!

دوستوں کو دیکھیے!

غزوۂ اُحد میں آپؐ تاکیداً حکم دیتے ہیں کہ دیکھو عقب کوہ میں قائم اور ڈٹے رہنا اور ایک قدم بھی نہ ہٹنا مگر یہ ہٹتے ہیں اور اُن کا یہ ہٹنا فوج کی فوج اور اقتدارِ اسلام کے لیے مصیبت کا باعث بن جاتا ہے۔ آپؐ کے شفیق و محترم اور جان سے بھی پیارے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت کا جام نوش فرما جاتے ہیں۔ بہت سے

Marfat.com

عزیزوں ساتھیوں اور دوستوں کی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ خود حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دندانِ مبارک شہید ہو جاتا ہے۔ آپؐ کثرتِ جراحت سے بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں مگر اتنی بڑی غلطی کے باوجود مورچہ چھوڑنے والوں کو نہ کوئی سزا دی جاتی ہے نہ انھیں ملامت کی جاتی ہے اور نہ ہی ان کی عزت و عظمت میں کوئی فرق رونما ہوتا ہے۔

غور کیجیے! دوست دشمن دونوں کے مقابلہ میں عفو و خلقِ عظیم کا یہ فقید المثال نمونہ آپ کو کہیں بھی تو نظر نہیں آ سکتا۔

اخلاقی زندگی کی اخلاقی رعنائی

پھر ذرا سیرتِ پاک کا مطالعہ کیجیے کہ آپؐ کو کون کون سے حوادث سے گزرنا ہوتا ہے۔ یتیم ہوتے ہیں۔ چھ سال کی عمر میں ماں اور آٹھ سال کی عمر میں دادا کے جنازہ پر آنسو بہاتے ہیں۔ تین برس تک قید میں رہتے ہیں۔ رہا ہوتے ہی شفیق چچا اور ہمدرد، مونس و غم خوار بیوی دونوں کا انتقال ہو جاتا ہے۔

پہلے امین بنے۔ ساری قوم میں عزت پائی۔ عظمت کا معیار بلند کیا لیکن جب شانِ نبوت سے سرافراز ہوئے اور توحید کی تبلیغ شروع کی تو یکایک جو دوست تھے سب کے سب جانی دشمن بن گئے جس کی انتہا یہ تھی کہ گھر سے قدم باہر نکالنا بھی دوبھر ہو گیا اور پھر تن تنہا ایک یارِ خاص کے ساتھ مکہ سے ہجرت فرمائی۔ مدینہ میں پہنچے تو

پھر عزت تھی لیکن پھر جنگیں شروع ہو جاتی ہیں۔ دوست پھر دشمن ہو جاتے ہیں۔ سارا عرب تلواریں سونت کر سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔

پھر بادشاہ بن جاتے ہیں !

انتہائی بے کسی جو تھی وہ انتہائی اقتدار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اب آپؐ بادشاہ بھی ہیں۔ جرنیل بھی ہیں۔ قاضی بھی ہیں۔ معلم بھی ہیں۔ مقنن بھی ہیں۔ سپاہی بھی ہیں۔ امام بھی ہیں۔

اتنی مختلف حیثیتوں اور مختلف حالتوں میں اخلاق کی وہی حالت رہتی ہے اور کسی موقع پر کسی عادت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔

کیا اخلاق کا اس سے بڑھ کر اور کوئی نمونہ دنیا کے سامنے آیا ہے ؟ اگر آیا ہے تو بتلایئے !

تعلیم الاسلام مکمل ہر چہار حصہ

سفید کاغذ ○ چار رنگا خوبصورت ٹائیٹل بمعہ پلاسٹک کور

فضائل صدقات

منگوانے کا پتہ

فضائل حج

کتب خانہ شان اسلام اردو بازار لاہور

Marfat.com

کامل انسان

قلبِ منوّر کی ضیا باریاں

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قلبِ مبارک خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کن انوار سے مرکب اور کن نفائس سے مزیّن تھا جس سے تیز ترین روشنیاں اور مشام نواز نکہتیں ہر وقت پھیلتی اور اُڑتی رہتیں اور جو پاس بیٹھتا بات کرتا اور ملتا تھا۔ اس کا دل معمور اور رُوح مسرور ہو جاتی تھی۔ دُنیا کی کوئی دل کشی اور کوئی خوبی و رعنائی رہ نہ گئی تھی جس سے آپ متصف نہ ہوں۔ انتہائی خلیق انتہائی رقیق القلب انتہائی دردمند انتہائی شفیق اور انتہائی محبت کرنے والے ہر دوست و دشمن کے درد کی کسک فوراً اپنے اندر قلب میں محسوس کرتے تھے۔

کسی کو مصیبت میں دیکھا اور بے چین ہو گئے۔ کسی کی داستانِ درد سُنی اور تڑپ گئے۔ ایک نور کا سمندر تھا جو اعماقِ قلب میں پڑا لہریں لے رہا تھا۔

مصعب بن عمیرؓ بڑے ناز پروردہ متنعم تھے۔ ماں باپ اچھے سے اچھا پہناتے اور اچھے سے اچھا کھلاتے تھے لیکن ان کے مسلمان

ہوتے ہی یہ محبت اور آسائش دفعتاً عداوت سے بدل گئی۔ ایک دفعہ مصعب بن عمیرؓ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تو ان کی یہ حالت تھی کہ وہ جسم جو دیبا اور قاقم میں ملبوس رہتا تھا اس جسم پر ایک کپڑا بھی پیوند سے خالی نہ تھا۔ آپؐ کی نظر جو پڑی تو دیکھتے دیکھتے آنکھیں ڈب ڈبا آئیں۔

اسی طرح ایک صحابی نے اپنی دورِ جہالت کی قسی القلبی کا ایک واقعہ سنایا کہ میں اپنی چھوٹی اور ننھی سی لڑکی کو جب زندہ دفن کرنے لگا تو وہ ہاتھ پھیلا کر ابّا ابّا پکار رہی تھی۔ میں اس کے اوپر مٹی ڈال رہا تھا۔ وہ برابر مجھے پکارتی رہی اور میں برابر اس پہ مٹی ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ مٹی کے نیچے دب کر جاں بحق ہو گئی۔

یہ واقعہ سُن کر بے اختیار آپؐ کے آنسو نکل پڑے۔

فرمانے لگے :

"پھر یہی قصّہ بیان کرو !"

صحابی نے پھر یہی واقعہ دُہرایا۔ پھر جو سُنا تو فرطِ تاثّر سے آپؐ اس قدر روئے کہ ریشِ مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

رقیق القلبی اور دردمندی

غزوۂ اُحد میں شہدا کا ماتم گھر گھر بپا تھا۔ یہ دیکھ کر آپؐ پر رقت طاری ہو گئی اور فرمانے لگے :

"حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ؟

اپنے بیٹے ابراہیمؑ کو دیکھا کہ ننھا سا بچہ نزع و احتضار کی حالت میں پڑا سسکیاں لے رہا ہے۔ بے چین ہو گئے اور آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔

حضرت عباسؓ اسیرانِ بدر میں شامل تھے۔ لوگوں نے ان کے ہاتھ مضبوطی سے جکڑ کر باندھ دیے تھے۔ دولت مند اور نازک طبع انسان تھے اس لیے یہ بندش کی تکلیف برداشت نہ کر سکے اور کراہنے لگے اور یہ آواز بار بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گوشِ مبارک سے ٹکرانے لگی جس کی وجہ سے آپ بے قرار ہو ہو کر کروٹیں بدلنے لگے۔ ان کی بندش کو آپ کھولتے اس لیے نہ تھے کہ لوگ کہیں گے چچا ہونے کی نسبت سے رعایت برتی ہے تاہم نیند آتی ہی نہ تھی۔ لوگوں نے اس کرب و بے چینی کا باعث سمجھ کر بندش ڈھیلی کر دی تب آپؐ کو قلبی سکون نصیب ہوا۔

عیادت و غم خواری

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو تشریف لے گئے دیکھتے ہی دل بھر آیا۔ آپؐ کو دیکھ کر گھر والے بھی رونے لگے۔

مسجد نبویؐ میں ایک شخص جھاڑو دیا کرتا تھا۔ سنا کہ وہ مر گیا ہے۔ بہت افسوس کرنے لگے۔ قبرستان پہنچے۔ اس کی قبر دریافت کی اور نماز جنازہ ادا کی۔

اعزہ و اقارب سے بہت محبت تھی جس کسی کی تکلیف و موت

Marfat.com

کا حال سُنتے تو سخت صدمہ ہوتا۔

حضرت جعفر طیّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا حال سُنا تو بہت غمگین ہوئے۔ چیخ کر رونے کو پسند نہ کرتے تھے۔ عورتیں بھی گھر کے اندر ماتم کر رہی تھیں۔ دو مرتبہ انھیں ماتم کرنے سے منع فرمایا مگر وُہ نہ رُکیں اور ماتم اور واویلا جاری رہا تو غصّے میں آکر ارشاد فرمایا:

"ان کے منہ میں خاک بھر دو!"

عبداللہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ وُہ بے ہوش پڑے تھے آواز دینے پر بھی نہ بولے یہ حالت دیکھ کر گھر کی عورتیں رونے لگیں۔

ارشاد فرمایا:

"ابھی وہ زندہ ہے اِس وقت اِنھیں رو لینے دو
اس کے مرنے کے بعد رونا اچھا نہ ہوگا۔"

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر دُور تھا مگر آپ برابر عیادت کے لیے جاتے رہے۔ غشی طاری ہو جاتی تو وضو کا بچا ہُوا پانی منہ پر چھڑکتے۔

انتہا یہ ہے کہ ایک یہودی غلام کی عیادت کو بھی تشریف لے گئے اور بڑی شفقت سے مزاج پرسی کی۔

کیا خلقِ عظیم کی کوئی ایسی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

Marfat.com

فیاضی و سخاوت

بنو نظیر کے ایک شخص مخریق نے اپنے سات باغوں کے متعلق وصیت کی کہ یہ آپ کو دے دیے جائیں۔ لیکن آپ نے یہ سب باغ اللہ کی راہ میں وقف کر دیے۔ گھر میں رات کے کھانے کے لیے صرف بکری کا تھوڑا سا دودھ رکھا تھا کہ ایک غفاری مہمان آگیا۔ آپ نے مہمان داری کے طور پر یہ سارا دودھ اُس کو پلا دیا اور گھر والوں نے یہ رات فاقے سے بسر کی۔

ایک صحابی کی شادی ہوئی تو ولیمہ کی دعوت کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سُنا تو ارشاد فرمایا کہ

"گھر جاؤ اور عائشہ صدیقہؓ سے آٹے کی ٹوکری مانگ کر لے آؤ اور اپنے ولیمہ کی دعوت کر لو!"

حالاں کہ گھر میں اس آٹے کے سوا کھانے کے لیے اور کچھ بھی نہ تھا مگر پھر بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً آٹا دے دیا۔

بحرین کا خراج آیا تو تقسیم کرنا شروع کر دیا اور جو بھی سامنے آتا تھا برابر دیتے چلے جاتے تھے۔ لوگوں نے کئی کئی بار حصہ حاصل کیا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قدر مال ملا کہ اس کے بوجھ سے چل بھی نہ سکتے تھے۔ انتہا یہ کہ اُسی وقت سب کا سب مال بانٹ کر فارغ ہوئے تب اپنی جگہ سے اُٹھے اور اُس دن بھی آپ کے گھر والوں نے فاقہ ہی کیا۔

Marfat.com

حنین کی فتح پر جو مالِ غنیمت ملا تو وہیں سب کا سب کھڑے کھڑے تقسیم کر دیا۔

ایک شخص کے سوال کرنے پر بکریوں کا ریوڑ ہی اسے عطا فرما دیا۔

غرض یہ کہ جو کچھ جب بھی ملتا شام سے پہلے پہلے سب بانٹ دیتے۔

انصاف اور معدلت

عدل و انصاف کے وہ وہ مظاہر دُنیا کے سامنے پیش کیے جن کی نظیر قیامت تک بھی دُنیا میں ڈھونڈے سے نہیں ملے گی۔ نازک سے نازک حالت میں بھی عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

مغیرہ بن شعبہؓ شکایت کرتے ہیں کہ صخرؓ نے میری پھوپی پر ناجائز طور پر قبضہ جما رکھا ہے۔

آپؐ صخرؓ کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ کی پھوپی اس کے حوالے کر دو۔ جس پر فوراً عمل ہوتا ہے۔

پھر بنو سلیم حاضرِ خدمت ہو کر استغاثہ دائر کرتے ہیں کہ صخرؓ نے زمانۂ کفر میں ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا اور اب چوں کہ ہم اسلام کے دائرے میں داخل ہو چکے ہیں اس لیے ہمارا یہ چشمہ ہمیں واپس دلا دیجیے۔

آپؐ نے ایک بار پھر صخرا کے خلاف فیصلہ دے دیا جو اسے منظور کرنا پڑا اور اس نے چشمہ بنو سلیم کو واپس دے دیا۔

صخرؓ ایک نہایت مقتدر اور اولوالعزم سردار تھا۔ آپؐ نے محاصرۂ طائف کی ناکامی کا حال سُنا تو یہ نہایت غیوُرانہ جوش کے ساتھ اُٹھا اور طائف والوں پر طاقت کے ذریعے اس قدر دباؤ ڈالا کہ مجبوُر ہو کر وہ صُلح کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

صخرؓ نے فوراً دربارِ رسالت کو مطلع کیا اور یہ کام سرانجام پاگیا کتنی اہم اور قابلِ قدر خدمتِ اسلام تھی۔ ایک طاقت ور قبیلہ کے طاقت ور رئیس نے اتنا بڑا کام کیا لیکن وقت پڑنے پر اسی مخلص ترین صخرؓ کے خلاف ایک نہیں یکے بعد دیگرے دو دو فیصلے دربارِ نبوّت سے صادر کیے جاتے ہیں جنہیں وہ بہ خوشی قبول کر لیتا ہے حالاں کہ ان حالات میں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جاتا ہے۔

دوُسرے فیصلہ پر شرم سے آپؐ کے چہرۂ انور پر سُرخی سی نمودار ہو گئی تھی کیوں کہ اس وقت صخرؓ کی خدمات آپؐ کے ذہن میں گھوُم گئی تھیں۔ آپؐ نے بہ صد افسوس فرمایا:

"افسوس صخرؓ کو اس کی خدمت کا کوئی صِلہ مجھ سے نہ ملا مگر اللہ تعالیٰ اسے ضرور اجر دے گا۔"

قریش کے ایک معزّز خاندان کی عورت چوری کے الزام میں گرفتار کر کے پیشِ خدمت لائی جاتی ہے۔ تمام قریش اسے سزا سے بچانا چاہتے ہیں کیوں کہ اس عورت کا سزا پا جانا پوُرے خاندانِ قریش کے لیے ڈوُب مرنے کا مقام ہوتا ہے۔

Marfat.com

لیکن جبینِ عدل کی شکنیں نہیں کھلتیں۔

ارشاد ہوتا ہے :

"قسم ہے مجھے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میری اپنی بیٹی بھی چوری کے جرم کا ارتکاب کرتی تو بخدا میں اس کے ہاتھ کاٹنے کا بھی حکم دے دیتا۔"

ایک یہودی نے ابو حدادؓ پر قرض کا دعویٰ کر دیا۔ ابو حدادؓ نے ہر چند کہ اپنی ناداری اور مفلسی کا عذر پیش کیا کہ قرض ادا کرنے کی اس میں طاقت نہیں ہے لیکن عدالتِ عالیہ کے انصاف پسند جج نے ان کی ایک نہ سنی اور فیصلہ یہودی کے حق میں صادر فرما دیا گیا۔ آخرکار ابو حدادؓ نے اپنا تہ بند اسی وقت فروخت کیا جس سے یہودی کی رقم ادا کی گئی اور ابو حدادؓ نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر کمر کے گرد باندھ لیا۔

حسنِ خلق و حسنِ کرم

حسنِ خلق کی یہ حالت تھی کہ کبھی کسی کنیز اور غلام تک کو نہ ڈانٹا کسی پر لعنت ملامت نہ کی۔ کسی کی برائی نہ کی۔ اگر کسی کی کوئی بات ناگوار گزرتی تو نام لے کر اس کا کبھی ذکر نہ کرتے بلکہ دوسرے طریقہ پر فرما دیتے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں اور لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یہ بری بات ہے تاکہ اس شخص کی ذلت نہ ہو۔

چہرۂ اقدس پر ہر وقت تبسم کا کھیلتے رہنا خوبصورت لگتا تھا۔

Marfat.com

مصافحہ کے لیے پہلے ہاتھ بڑھا دیتے۔

سلام کرنے میں تقدیم کرتے۔

کسی کی دل شکنی نہ کرتے۔

کسی کو مایوس نہ کرتے۔

سب سے نرمی اور محبت سے پیش آتے۔

عباد بن شرحبیل رضؓ کئی دن کے فاقے سے تھے۔ بھوک سے بے تاب ہو گئے تو ایک باغ میں جا گھسے۔ انگور کے کچھ خوشے کھائے اور کچھ خوشے دامن میں رکھ لیے۔ اتنے میں باغ کے مالک نے انھیں باغ سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا فوراً جا پکڑا اور خوب مارا اور کپڑے بھی اتروا کے چھین لیے۔

انھوں نے حضور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں استغاثہ دائر کر دیا۔

آپؐ نے تمام بیانات سنے اور ارشاد فرمایا:

"اے باغ کے مالک! تو قصوروار ہے۔ یہ بھوکا تھا تجھے لازم تھا اور یہ تمھارا اخلاقی فرض بھی تھا کہ تو اسے کھانا کھلاتا۔ اگر یہ جاہل تھا تو تجھے اسے سمجھانا چاہیے تھا کیوں کہ یہ موقع سختی کا نہ تھا۔"

آپؐ نے عباد بن شرحبیل رضؓ کے کپڑے واپس دلا دیے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے دے کر اس کو رخصت کیا۔

ایک شخص نے باریابی کی اجازت مانگی۔ حکم دیا کہ آنے دو۔ اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ آیا تو آپؐ نے نہایت محبت سے بات کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے تعجب کا اظہار کیا۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"خدا کے نزدیک سب سے بُرا شخص وہ ہے جس کی بدزبانی سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔"

سہل پسندی و اخلاق

قبیلہ باہلہ کے ایک شخص کو دیکھ کر اُس سے پوچھا:

■ "تمہاری صورت کیوں بگڑ گئی؟"

اُس نے عرض کیا:

"سال بھر سے متواتر روزے رکھ رہا ہوں"

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"کیوں اپنی جان کو عذاب میں ڈال رکھا ہے۔ رمضان شریف کے بعد ہر مہینہ میں صرف ایک روزہ کافی ہے۔"

ایک صحابی نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مجھے ایک غار مل گیا ہے میرا دل چاہتا ہے کہ اس میں بیٹھ کر عبادت کیا کروں۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"میں یہودیت اور نصرانیت لے کر نہیں آیا۔"

Marfat.com

چند انصاری آتے اور آکر برابر مانگتے اور پاتے رہتے۔ آپؐ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ:

"میں تم سے کچھ بچا کر نہیں رکھوں گا مگر جو شخص اللہ تعالےٰ سے گداگری سے بچانے کی دعا مانگے اللہ تعالیٰ ضرور اُسے اس لعنت سے بچا دیتا ہے۔"

غرض یہ کہ کہاں تک تصریح کی جائے۔ آپؐ تو حسن معاملہ شجاعت، ایثار، خلق، سخاوت ہر صفت میں کامل تھے۔ تحمل و برداشت میں نظیر نہ رکھتے تھے۔ نہایت اعلیٰ منتظم، نہایت مدبّر، نہایت لائق، نہایت اولوالعزم، زبردست خطیب اور مستجمع الصفات انسان تھے۔

Marfat.com

بلند پروازِ مرشد

اسرارِ عرفان اور رسولِ کریمؐ

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر دائرہ مکمل ہے جہاں آپؐ نے عامۂ اہلِ عالم کو شریعتِ اسلامیہ کی کامل تعلیم دے کر استادِ جہاں اور بہترین خلائق بنا دیا۔ وہاں آپؐ نے خواص کو طریقت کی تعلیم بھی دی اور رُوحانیت و عرفان کے مشاہدات بھی کرائے:

وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ

کی عملی تفاسیر بھی سمجھائیں اور اولیا بنا دیا تاکہ یہ سلسلہ تاقیامت قائم رہ کر اصلاحِ اُمت کا کام کرتا رہے اور نائبِ رسولؐ کی حیثیت سے صوفیا کرام ہر ضرورت کے وقت میدان میں آئیں اور وُہی کچھ کر کے دکھائیں جو انبیائے بنی اسرائیل کرتے رہے۔

آپؐ نے خلافت تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت ابو بکر صدیقؓ، اور حضرتِ بلالؓ کو بھی عطا فرمائی مگر سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے چلا۔ اَنَا مَدِیۡنَۃُ الۡعِلۡمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا کا یہی مفہوم ہے لیکن

Marfat.com

رموزِ معرفت اور اسرارِ عرفان کی تعلیم خاص اہلیت و استعداد دیکھ کر خواص کو نہایت مخفی طریق پر دی جاتی تھی۔ اس کی مجالس جداگانہ اور رازدارانہ ہوتی تھیں۔

مجلسِ عرفان اور رسولِ کریمؐ

ایک روز اسی قسم کی ایک مجلس منعقد تھی جس میں حضرات شاہ مرتضیٰ علیؓ، ابوبکرؓ، عثمانؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، خالدؓ، بلالؓ اور دیگر سخن شناس صحابہ تشریف فرما تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیرِ طریقت اور مرشدِ حقیقت کی حیثیت سے سجادہ پر بیٹھے ہوئے حقائقِ معرفت اسرارِ عرفان اور رموزِ مخفی خاص محویت اور جوش کے ساتھ بیان فرما رہے تھے۔ محفل کی محفل مطلعِ انوار بنی ہوئی تھی۔ تجلّیات پرتوافگن تھیں۔ عجیب کیف تھا اور عجیب رنگ۔

اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے، تو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ لوگ متعجب ہوئے کہ شاید یہ حقائق اسرارِ ربّانی آپؐ حضرت عمرؓ کو بتانا نہیں چاہتے آپؐ سمجھ گئے اور فرمایا:

"یہ بات نہیں کہ میں عمرؓ سے کچھ چھپانا چاہتا ہوں مگر طفلِ شیرخوار کو گوشت اور حلوہ نقصان کرتا ہے جب بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو سب کچھ کھا سکتا ہے۔"

واضح رہے کہ اس وقت حضرت عمرؓ کی تعلیم روحانی ابتدائی تھی۔

اور ان کی تعلیم بعد کو مکمل ہوئی۔

وہ پیر صاحبان کتنی غلطی کرتے ہیں جو مبتدیوں کو نہیں بلکہ نااہلوں کے سامنے اسرار بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے شریعت غرّا کو نقصان پہنچتا ہے اور جب بھی راز کی بات باہر جائے گی نقصان ضرور پہنچے گا۔

حضرت عمرؓ کی تعلیم اور رسول کریمؐ

اس کے بعد اسی مجلس میں آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگے تعلیم کرنا شروع کی۔ ہم جانتے ہیں کہ ناظرین وقارئین میں ۵، فیصد بھی ایسے نہیں نکلیں گے جو اسے بھی سمجھ لیں لیکن عنوان کے ذیل میں عنوان کی باتیں بیان کرنا ضروری ہیں اگر ایک شخص بھی ان کا سمجھنے والا نکل آیا تو سعی رائیگاں نہ گئی سرشار ہو جائے گا۔

اور پھر یہ باب عوام کے لیے ہے بھی نہیں اہلِ نظر اور اہلِ حل کے لیے ہے۔ بہرکیف آپؐ نے فرمایا :

مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ لَا یَقُوْلُ اللّٰہُ وَمَنْ یَقُوْلُ اللّٰہَ لَا عَرَفَ اللّٰہَ۔

یعنی : ہر کہ شناخت اللہ را نگوید اللہ و ہر کہ بگفت اللہ نہ شناخت اللہ را۔

بچہ جب تک باپ کے رتبہ سے واقف نہیں ہوتا اسی وقت تک اس کا نام لے کر پکارتا ہے اس کے بعد ادب اس کا نام لینے سے

بازد رکھتا ہے۔ کون سا ایسا بیٹا ہے جو باپ کے سامنے بار بار اس کا نام لے کر بات کرے۔

حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ :

" یہ کیا شناخت ہوئی کہ بندہ آقا کا نام نہ لے اور اُسے یاد نہ کرے ؟"

آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ :

" قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ "

" اے عمرؓ ! جو شخص اپنے آقا کے ہمراہ ہو اور اسے دیکھ رہا ہو اس کا یاد کرنا کیا معنی رکھتا ہے !"

حضرت عمرؓ نے پوچھا :

" یا رسول اللہ خدا ہمراہ کہاں ہے ؟"

ارشاد فرمایا :

" اِنَّ اللّٰهَ فِيْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ "

" اللہ بندوں کے دلوں میں موجود ہے۔"

اُنھوں نے پوچھا :

" بندہ کہاں ہے ؟"

ارشاد فرمایا :

" وَهُوَ الْاِنْسَانُ "

پھر ارشاد فرمایا کہ عمرؓ ذہن نشین کرے کہ دل کی بھی دو

نوع ہیں ایک قلبِ مجازی اور دوسرا قلبِ حقیقی۔ قلبِ حقیقی وہ دل ہے جو نہ جانبِ چپ ہے اور نہ بہ جانبِ راست۔ نہ تحت ہے نہ فوق۔ نہ دور ہے نہ نزدیک۔"

ذکرِ خفی اور رسولِ کریمؐ

لیکن مرشدِ کامل کے ارشاد کے بغیر اسے کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا حقیقت میں قربِ ربانی پہ یہ چیز حاصل ہوتی ہے:

قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی قَلْبُ الْمُؤْمِنِ حَاضِرَۃٌ مِّنْ ذِکْرٍ کَثِیْرٍ فَھُوَ حَیٌّ۔

"مومنوں کا قلب خدائے برتر کا عرش ہے اور مومن کا قلب زیادہ تر ذکر و شغل میں مصروف رہنے سے زندہ ہو جاتا ہے۔"

یہ مقام مقامِ ذکرِ خفی ہے"۔

حضرت عشرؓ نے پھر سوال کیا کہ:

"مومن و مسلم میں کیا فرق ہے؟"

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ یَجْتَمِعُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ وَیَقُوْلُوْنَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عَلَی الرَّسْمِ۔

"جو لوگ مسجدوں میں جمع ہو کر محض رسمی طور پہ یہ کلمہ پڑھتے ہیں وہ مومن نہیں۔ اے عشرؓ رسمی طور پر کلمہ پڑھنے والے حقیقت میں ایمان سے

Marfat.com

بے خبر ہیں اور مومن نہیں بلکہ منافق ہیں اس لیے کہ زبانِ ظاہری سے تو لاالٰہ الّا اللہ کہتے ہیں لیکن حقیقت سے بے بہرہ ہیں اور نہیں جانتے کہ کلمہ کیا ہے ؟ اس کا مقصود کیا ہے ؟ اس کے معانی کیا ہیں ؟ ان معنوں میں لاالٰہ کہنا کہ ہے اور نہیں ہے اوّل نہیں ہے کہتے ہیں اور آخر میں ہست۔ اس طرح وہم و شک میں پڑ جاتے ہیں جو عین کفر ہے رسمی کلمہ کو گویائی زبان کے سوا اور بجز زبانی جمع خرچ کے کچھ نہیں جانتے کہ کس کی نفی کر رہے ہیں اور کس کا اثبات !"

تعلیم کلمہ اور رسولِ کریم

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا :

" یا رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پھر یہ کلمہ ہے کیا ؟"

رسولِ کریم علیہ السلام نے فرمایا :

" یہ کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں اور محمد (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) رسولِ خدا ہیں۔ اس لیے چاہیے کہ خطرہ ماسوی اللہ کی نفی کرے اور ذاتِ احدیت کو ہر چیز اور ہر جگہ میں ثابت قرار دے :

" قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ "

یعنی ہر جا کہ رو آرید پس ہمانجا روئے خداست۔

اے عمرؓ جب بندہ اپنی صفات کی نفی اور اللہ کی ذات کا اثبات کرے تو وہ مرتبۂ نہایت پر پہنچے گا ، اور

Marfat.com

مَنْ عَرَفَ رَبَّہٗ کَلَّ لِسَانُہٗ کی منزل میں آ گئے گا جو
اپنے رب کو پہچان لیتا ہے اس کی زبان بند ہو جاتی ہے۔
اور وہ یادِ الٰہی کی وادی سے آگے بڑھ جائے گا۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا :

"اے عشمر یقین رکھ ! اور خوب سمجھ لے کہ جب تک
سالک اپنی نفی نہ کرے اور یادِ الٰہی سے نہ گزرے
اُس وقت تک وہ وحدت کی منزل میں نہیں آتا ،
دُوئی ہی میں پڑا رہتا ہے اور دُوئی تو عین شرک و
کفر ہے۔ تو بس ! حقیقی کلمہ کا یہی مطلب ہے۔"

اسی مجلس میں آپ نے نماز روزہ حج اور زکوٰۃ کی حقیقت پر بھی عارفانہ روشنی ڈالی اور اس کے حقائق بھی بیان فرمائے

تعلیمِ شہود اور رسُولِ کریم

یہ تعلیم مدرسہ جیسی تعلیم نہ تھی بلکہ جو کہا جاتا تھا وہ دکھایا بھی جاتا تھا۔ عقلی چیز نہ تھی عینی تھی۔ یہ کلمہ کی تعلیم تھی جو تصوّف کی اعلیٰ ثانوی تعلیم کا پہلا عینی درس ہے اس کے بعد جبروت و لاہوت کی عینی منازل آتی ہیں۔

رسُولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعلیم کی ابتدا غارِ حرا میں ہوئی اور تکمیلِ تعلیم معراج میں ہوئی۔ یہ عرفان ہی کے کمال کے ثمرات اور

Marfat.com

کرشمہ کاریاں تھیں کہ بادشاہی میں بھی فقیری کی۔ دُنیا کو کھلایا اور خُود بھُوکے سوئے۔ مخلوق کو بانٹا اور بیٹی اس عنایتِ خسروانہ سے محرُوم رہی۔ رات رات بھر محویّت و استغراق میں کھڑے رہے۔

یہ عرفان و ولایت اتنی بڑی چیز ہے کہ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے سوا اور تمام انبیا کو انتہا میں یہ دولت عطا ہُوئی ہے لیکن آپ کو ابتدا ہی میں مل گئی ہے۔

ظاہر بین نہ سمجھتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں جو اسے دیکھ کر پھر اور کچھ دیکھنے کی آرزو ہی باقی نہیں رہتی جس نے اسے دیکھ لیا پھر وہ کیسے دیکھ سکتا ہے!

اللہ تعالیٰ مرادمندوں کو بامراد کرے!

آمین ثم آمین،
یارب العالمین
برحمتک یاارحم الراحمین!
بحق لاالٰہ الا اللہ محمّد
رسُول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ
واصحابہ وازواجہ
وبارک وسلّم!

Marfat.com

تبلیغی نصاب اسلامی عکسی

وبشر الذین آمنوا وعملوا الصالحات ان لهم جنات تجری من تحتها الانهار

اسلامی

بہشتی زیور

مکمل

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

الناشر

کتب خانہ شانِ اسلام

۱۰۔ راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

۵۹۰

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

مسلمان بچوں کی مذہبی تعلیم کے لیے

مکمل تعلیم الاسلام

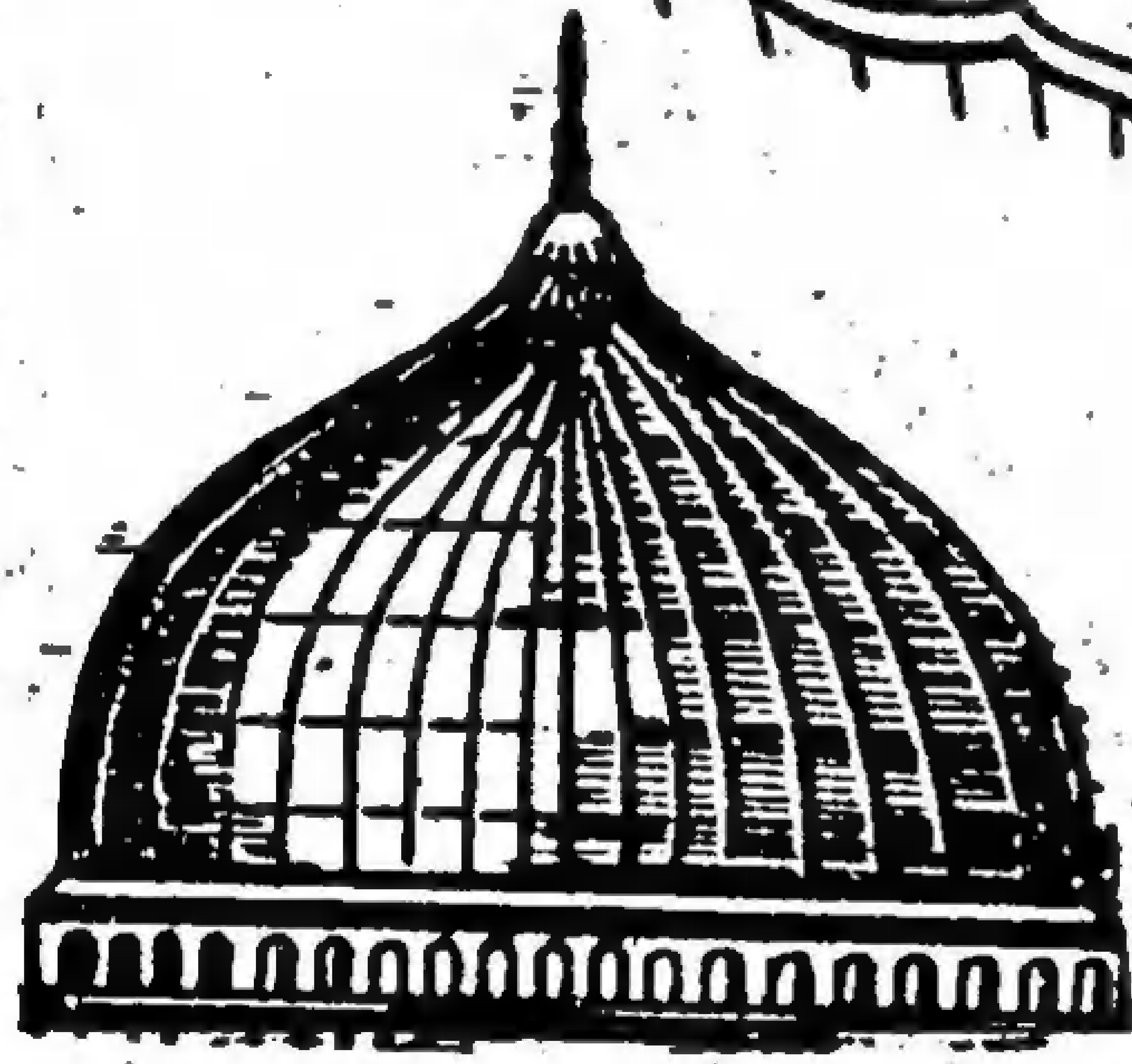

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں

عکسی تبلیغی نصاب

جہیز ایڈیشن

Marfat.com

جدید ایڈیشن

کتب خانہ شانِ اسلام کا عکسی تبلیغی نصاب

خوبصورت جلی قلم ○ چھ رنگا مضبوط جلد ○ غلطیوں سے پاک

سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

اسلامی، بہشتی زیور مکمّل (عکسی)

آفسٹ طباعت، کاغذ سفید خوبصورت پلاسٹک کور

○

فضائلِ صدقات و حج (عکسی)

آفسٹ طباعت ○ کاغذ سفید ○ جلد سنہری ڈائی دار

فضائلِ صدقات

الناشر

فضائلِ حج

کتب خانہ شانِ اسلام

۱۰۔ راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

ہماری اسلامی مطبوعات

بہشتی زیور اعلیٰ ایڈیشن آفسٹ پیپر ڈائی دار سنہری جلد -/۶۰
" گلیز مجلد پلاسٹک کور -/۳۶
" نیوز پیپر مجلد رنگین -/۳۰
تبلیغی نصاب جلد اوّل جہیز ایڈیشن -/۲۵
" جلد دوم فضائل صدقات و حج -/۲۵
اسلام کیا ہے؟ از مولانا محمد منظور نعمانی لکھنوی ۴/۵۰
مسلمان خواتین کے لئے بیس سبق از مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ۲/۷۵
مسنون دعائیں مترجم مع بیانِ خواص ۱/۷۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں اعلیٰ ایڈیشن -/۳
تعلیم الاسلام چار حصے مکمل اعلیٰ ایڈیشن ۷/۵۰

سورہ یٰسٓ جیبی سائز عکسی سنہری رنگین چار سائزوں میں
میری نماز از مولانا محمد ادریس صاحب انصاری ۲/۷۵
مسلمان خاوند " " ۲/۷۵
مسلمان بیوی " " ۲/۷۵
سیرتِ محبوبِ کائنات ؐ اعلیٰ ایڈیشن -/۲۴
علم حدیث از مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی -/۱۸
اسلامی آداب و اخلاق اردو زیرِ طبع
شفا قاضی عیاض اردو از مولانا سید محمد حسین ہاشمی ایم اے "
تبرکاتِ نبویہ اردو جناب مولانا غازی احمد ایم اے "
خصائص کبریٰ اردو ترجمہ از ساجد الرحمٰن کاندھلوی

نیز ہر قسم کے قرآن مجید عکسی مترجم و معرّا، تاج کمپنی اور دیگر اداروں کی اسلامی کتب تھوک و پرچون

ہم سے طلب فرمائیے

حسن پرستوں کے انجام کا منظر -/۱۵
جنت کا منظر -/۲۵
منگوانے کا پتہ
موت کا منظر -/۱۵
فریادِ آدم علیہ السلام کا منظر -/۱۰

کتب خانہ شانِ اسلام
اردو بازار لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

محسنِ انسانیت کی سیرتِ طیبہ پر ایک انمول کتاب

سیرۃ محبوب کائنات

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا عبدالحمید صاحب [illegible]

پیشکش
کتب خانہ شانِ اسلام
۱۰۔ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور

Marfat.com